حصہ اول
مشکوٰۃِ حقّانیت
مملو
بمعارف وارثیہ
از
مولانا فضل حسین صدیقی وارثی اٹاوی

سوانح حیات
آیتِ من آیات اللہ
سرکار عالم پناہ حضرت حاجی و حافظ
سیّد وارث علی شاہ
ذکرہ اعظم اللہ دیوہ شریف ضلع بارہ بنکی ہندوستان

حضرت سید
عبدالسلام
عرف میاں بالکا ابوبک
رحمتہ اللہ علیہ

فیضانِ نظر

حضرت خواجہ
سید عنبر علی شاہ
ارثی چشتی اجمیری
رحمۃ اللہ علیہ

عرفانِ سلسلہ وارثیہ قادریہ

ایف بی گروپ

عرفان سلسلہ وارثیہ قادریہ کی ایک بہترین کاوش
وارثی کتب اب پی ڈی ایف میں آپ سب وارثیوں کے لیے۔
منجانب : رمیز احمد وارثی
جو لوگ سلسلہ کی کتب جو پی ڈی ایف والی پڑھنا چاہتے ہیں
تو اس نمبر پر رابطہ کریں۔

923101157013

تالیف

مولانا فضل حسین صدیقی، وارثی اٹاوی

باجازت

رضی احمد وارثی آنریری منیجر حاجی وارث علی شاہ قدس سرہ العزیز
مسولیم ٹرسٹ۔ دیوہ شریف ضلع بارہ بنکی، یوپی (ہندوستان)

باہتمام

حاجی فقیر عزت شاہ وارثی ناظم اعلیٰ آستانہ عالیہ وارثیہ حضرت حاجی

فقیر اکمل شاہ وارثی قدس سرہ العزیز

پنھیر شریف ڈاکخانہ چنگا بنگیال تحصیل گوجرخان، ضلع راولپنڈی (پاکستان)

ناشر .... ہلال کتبخانہ اردو بازار لاہور۔

ناظم اشاعت .... وزیر احمد وارثی۔ چوہدری فضل حسین وارثی

کتابت .... محمد شریف شیوہ منصوری، چشتی نظامی

مطبع .... المطبعۃ العربیہ انارکلی لاہور۔

تعداد .... ایک ہزار

اظہارِ تشکر

الحاج محمد حسین گوہر پروپرائٹر ہلال کتبخانہ کے ممنون ہیں، جنہوں نے اپنی انتہائی مصروفیت میں سے وقت نکال کر اس کتاب کی اشاعت میں خصوصی دلچسپی لی اور اس کی اشاعت کو ممکن بنایا۔

جزاک اللہ (مؤلف)

ملنے کا پتہ

وارثی کتبخانہ۔ بورے والا

فہرست مضامین کتاب

تفصیلات مجموعۂ تالیف

عنوانات	صفحات

عنوانات	صفحات

عنوانات	صفحات

عنوانات	صفحات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

دیباچہ

حامداً و مصلیاً

مولوی شیخ فضل حسین صدیقی وارثی اٹاوی قدس اللہ سرہٗ ونور اللہ مرقدہٗ مؤلف کتاب مستطاب شکر اللہ سعیہٗ نے جس تفحص و تجسس سے حالات و واقعات کو فراہم کئے اور ذرائع و مناخذ حصول کی جانچ پرکھ میں جو کدو کاوش عمل میں لائی پھر اُن کے متعلق تحقیقات میں جیسی چھان بین کی اور امورِ اختلافیہ کو جس اتقا و احتیاط کے ساتھ موازنہ کیا اور رد و قبولیت میں روایات کے جس طرح کی موشگافی و ریشہ دوانی و جواہر سنجی کی اور جس آزادانہ حق پسندی اور منصف مزاجی سے صدق و راستی کے پہلو کو مدِ نظر رکھا اور ان مراحل کو سالہا سال میں کامیابی سے طے کر کے ایک ضخیم مجموعہ کو ابواب پر نشست و تقسیم کرنے و بعدہٗ برسوں کی صرفِ اوقات و محنتِ شاقہ سے اس قدر نفیس نسخہ تیار کرنے میں جس شدید عرق ریزی اور دماغ سوزی کے متحمل ہوئے کماحقہ تحریر میں ضبط ہونا دشوار ہے۔ البتہ ذری ذری جھلک اُسکی جابجا مقدسہ کتاب میں پائی جاتی ہے، مگر میں یہ کہتا ہوں کہ پوری کتاب اپنی خوبیوں کی آپ ہی دلیل ہے۔ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔ ناظرین متفق ہیں کہ تالیفِ لطیف اپنے رنگ میں دیگر کتب متکاثرہ متضمنۂ حالات وارثیہ سے خاص طور پر ممتاز ہے اور حال کے خاص و عام مذاق و نیز آئندہ کے متوقع مذاق کے اعتبار سے بہت ہی غنیمت اور قابلِ قدر ہے۔

علاوہ اور خوبیوں کے ایک غیر معمولی بڑی بات یہ ہے کہ خود غرضی و خود نمائی و شہرت طلبی کا خیال قطعاً محو ہے۔ مؤلف مرحوم کے صرف جد و پدری مشرف بہ بیعت نہ تھے۔ بلکہ پورا خاندان سلسلۂ عالیہ میں داخل تھا اور سب کے سب

فدائی و جاں نثار تھے چنانچہ آخر پچاس سال کے دور میں حضور اعلیٰ اللہ مقامہٗ نے قدوم میمنت لزوم سے مؤلف مرحوم کے مسکن مشتاق کو بارہا سرفراز فرمایا۔ اور غلامان حلقہ بگوشاں کی خوشی خاطر کو ملحوظ رکھ کر دو دو تین تین دن ظلِّ گستر رہا کئے مگر مؤلف مرحوم نے کسی مقام پر کنایتہً بھی ایسے گہرے تعلق کا اظہار نہ کیا اور نہ کوئی روایت اپنے جدّ و پدر کے سند سے لکھنے کی جرأت کی۔ مگر مشک آنست کہ خود ببوید۔ مؤلف مرحوم کا انہماک اُن کے تقرب کی دلیل ہے۔ ناظرین خود قیاس کر سکتے ہیں کہ نسبت اِن کی بارگاہِ وارثی کے ساتھ کس درجہ قوی ہوگی۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ جس کا جو حصّہ ہوتا ہے وہ پالیتا ہے۔

جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ۔ نوشتۂ تقدیر یوں تھا کہ مرحوم و مغفور کالبدِ خاکی میں رہ کر بچشم سر سے اپنی تالیف کو زینت طبع سے مزین نہ دیکھیں گے۔ تالیف کا کام تو ۱۳۳۶ھ ہجری میں مرتب ہو ہی گیا تھا۔ اور حسب تجویز جناب مولوی عبد العلی صاحب وارثی خدا نما مادۂ تاریخ "مشکوٰۃ حقانیت" قرار پا ہی چکا تھا مگر "مقدمۂ کتاب" لکھنا باقی رہ گیا تھا کہ وہ بھی بفضلہ تعالیٰ عشرہ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ میں حسن انجام کو پہنچ گیا۔ بعدہٗ بارھویں محرم کو دفعتاً بعارضہ انفلوئنزا و بائی مبتلا ہوئے اور ۲۹ محرم الحرام روز سہ شنبہ کو بوقت دس بجے دن جام شہادت نوش فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ "مشکوٰۃِ حقانیت" مملو بمعارف وارثیہ ہے اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ کتاب مستطاب مشکوٰۃ حقانیت المعروف بمعارف وارثیہ موسوم کی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

مؤلف مرحوم نے فیصلہ کر لیا تھا کہ کتاب مقدس کو افراد منسلکہ سلسلۂ مقدسہ میں سے کسی ایک بھائی اور ایک بہن کے نام میں معنون کریں گے۔ چنانچہ ممدوح الشان نے عالی جناب معلی القاب انریبل مولوی سید شرف الدین صاحب وارثی بیرسٹرایٹ لا سابق جج ہائیکورٹ کلکتہ و پٹنہ دامت برکاتہٗ سے وعقیدت آگیں مکرمہ و محترمہ جنابہ بی بی عائشہ صاحبہ وارثیہ رئیسہ ضلع گیا بسط اللہ

حَیَاتِہَا وَرَفَعَ اللّٰہُ دَرَجَاتِہَا سے اس خصوص میں استصواب کر کے اجازت بھی حاصل کر لی تھی۔ اس لیے صحیفۂ متبرکہ کا اسی طریقہ پر معنون و منتسب ہونا متحقق متصور ہے۔

بسبب انتقال مؤلف مرحوم تحسّر کے ساتھ خیال کیا جاتا تھا کہ مساعئ اُنکے خلق کی نظر سے پوشیدہ رہ جائیں گے مگر مشیّتِ ایزدی خلاف اس کے تھی اور ربُّ العزّت کو اشاعت منظور تھی۔ کرم فرما مولوی مراد علی خاں صاحب مالک مطبع اخلاقی پریس واقع محلہ رمنہ پٹنہ جنکشن کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے غیر معمولی توجہ اور سرگرمی سے اتنے بڑے کام کو بہت تھوڑے وقت میں بفضلہٖ تعالیٰ خاطر خواہ انجام دیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ فقط

سیّد ظہیر الدین وارثی نیوردی

پٹنہ عظیم آباد۔ ۱۰ اگست ۱۹۱۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شجرۂ قادریہ، رزاقیہ، وارثیہ

اے خدا اپنے محمدؐ مصطفےٰ کیواسطے
حیدر و صفدر علیؓ مشکل کشا کیواسطے

حضرت حسنینؓ و عابدؓ باقرؓ و جعفر امامؓ
موسیٰ کاظمؓ شہہ موسیٰ رضاؓ کیواسطے

حضرتِ معروف کرخیؓ و سری سقطیؓ جنید
شبلیؓ و عبدالعزیز پُرضیا کیواسطے

عبدِ واحد بوالفرحؒ طرطوس و حضرت بوالحسنؓ
بوسعیدؓ باسعادت پارسا کیواسطے

وارثِ ارثِ علیؓ و دستگیرِ بیکساں
غوثِ اعظمؓ افتخارِ اولیا کیواسطے

عبدِ رزاقؓ و شہہ سید محمدؓ پیشوا
سید احمدؓ صاحب جود و سخا کیواسطے

حضرتِ سید علیؓ و خواجۂ موسیٰؓ خطاب
شاہِ دیں سید حسنؓ اہلِ صفا کیواسطے

شیخ ابوالعباسؓ و سیدنا بہاؤالدینؓ مست
حضرتِ سید محمدؓ پیشوا کیواسطے

ہادیٔ برحق جلالؓ و سرورؓ بھکر فرید
شاہِ ابراہیمؓ شیخ باصفا کیواسطے

شیخ ابراہیمؓ و سیدنا امان اللہؓ شاہ
حضرتِ شاہِ حسینؓ مقتدا کیواسطے

حضرتِ شاہ ہدایت عارفؓ و کامل ولی
سید عبدالصمدؓ شاہِ ہدا کیواسطے

عبد رزاقؒ [۳۵] و جناب سید اسمٰعیلؒ شاہ [۳۶] — سرورِ دیں شاکر اللہؒ [۳۷] رہنما کیواسطے

شاہِ دیں حضرت نجات اللہؒ [۳۸] فخرِ اولیا — حاجیِ خادمؒ علی [۳۹] مہندا کیواسطے

حافظ و حاجی و آلِ مصطفےٰ وارث علیؒ [۴۰] — فخرِ عالم شاہِ تسلیمؒ و رضا کیواسطے

جو پڑھیں پائیں مرادیں اور سب کی قبر میں — کھولدے فردوس سے کھڑکی ہوا کیواسطے

جو اسے پڑھتا ہے پڑھتا ہے بس ذوق و شوق — انبیا کے اولیا کے اصفیا کے واسطے

اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِيْ عَلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ

[۱] ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ میں وصال ہوا۔ مزار اقدس در مدینہ شریف [۲] ۲۰ یا ۲۱ رمضان
۴۰ھ میں وصال ہوا مزار پاک در نجف اشرف [۳] ۱۰ محرم ۶۲ھ میں شہادت پائی مزار پاک
در کربلائے معلی [۴] ۲۸ محرم ۵۳ھ میں زہر سے شہید ہوئے مزار در جنت البقیع [۵] ذی الحجہ
۹۵ھ کو وصال ہوا مزار پاک در جنت البقیع [۶] ۱۲ ربیع الاول ۹۹ھ میں وصال ہوا مزار پاک
در جنت البقیع [۷] ۵ رجب ۸۳ھ میں وصال ہوا مزار پاک در بغداد شریف [۸] ۲۱ رمضان
۲۰۳ سنہ ہجری میں زہر سے شہید ہوئے مزار در خراسان [۹] ۲ محرم ۲۰۰ھ میں وصال ہوا
مزار در بغداد شریف [۱۰] ۳ یا ۲۳ رمضان ۲۵۳ھ میں وصال ہوا مزار بغداد شریف [۱۱] ۲ رجب
۲۹۷ھ میں وصال ہوا، مزار در بغداد شریف [۱۲] ۲ ذی الحجہ ۳۳۴ھ میں وصال ہوا مزار بغداد شریف
[۱۳] ۲ جمادی الثانی ۴۲۵ھ میں وصال ہوا مزار در مقبرہ امام حنبل [۱۴] یکم محرم ۴۵۶ھ میں وصال
ہوا [۱۵] ۱ محرم ۴۸۰ھ میں وصال ہوا [۱۶] یکم محرم ۵۱۳ھ میں وصال ہوا [۱۷] ۱ ربیع الاول

(باقی حاشیہ دوسرے صفحہ پر)

بقیہ حاشیہ

سنہ ۵۸۳ھ میں وصال ہوا مزار در بغداد شریف ۱۸ه ۱۶ شوال سنہ ۶۲۳ھ میں وصال ہوا مزار در بغداد شریف
۱۹ه ۱۷ ذیقعد سنہ ۶۰۶ھ میں وصال ہوا مزار در جیلان ۲۰ه ۲۵ ذی الحجہ سنہ ۶۲۹ھ میں وصال ہوا ۲۱ه ۱۵ صفر
سنہ ۶۷۰ھ میں وصال ہوا ۲۲ه ۱۲ شوال سنہ ۷۴۴ھ میں وصال ہوا ۲۳ه شعبان سنہ ۷۶۰ھ میں وصال ہوا مزار
در بغداد شریف ۲۴ه ۱۷ رجب سنہ ۷۸۵ھ میں وصال ہوا ۲۵ه ۳ ربیع الاول سنہ ۸۰۲ھ میں وصال
ہوا ۲۶ه ۷ شعبان سنہ ۸۸۹ھ میں وصال ہوا ۲۸ه ۱۶ رمضان سنہ ۸۹۴ھ میں وصال ہوا مزار در بھکر
۲۹ه ۱۴ رجب سنہ ۹۰۰ھ میں وصال ہوا مزار در ملتان ۳۰ه ۲۳ ذی الحجہ سنہ ۹۱۱ھ میں وصال ہوا
مزار در بھکر ۳۱ه ۲ محرم سنہ ۹۱۹ھ میں وصال ہوا ۳۲ه ۷ محرم یا صفر سنہ ۹۴۹ھ میں وصال ہوا مزار در ملتان
۳۳ه ۶ جمادی الثانی سنہ ۱۰۶۵ھ میں وصال ہوا مزار در شہر کھانچ ۳۴ه ۵ جمادی الاوّل سنہ ۱۱۰۹ھ میں
وصال ہوا مزار در احمد آباد گجرات ۳۵ه ۵ شوال سنہ ۱۱۳۷ھ میں وصال ہوا مزار در قصبۂ بانسہ
۳۶ه ۱۲ ذی الحجہ کو وصال ہوا مزار در قصبۂ مسولی ضلع بارہ بنکی ۳۷ه ۸ ذیقعد سنہ ۱۱۸۸ھ میں وصال
ہوا مزار در موضع سندولی ضلع بارہ بنکی ۳۸ه ۵ شعبان سنہ ۱۲۳۵ھ میں وصال ہوا مزار در قصبۂ گرسی
ضلع بارہ بنکی ۳۹ه سیدنا خادم علی شاہ ۱۴ صفر سنہ ۱۲۵۳ھ میں وصال ہوا مزار در لکھنؤ محلہ گولہ گنج
۴۰ه سیدنا وارث علی شاہ یکم صفر سنہ ۱۳۲۳ھ میں وصال ہوا مزار پاک در دیوہ شریف ۱۲ ؎

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شجرۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ نصیریہ فخریہ وارثیہ

پڑھے جو روز بزرگانِ چشت کا شجرہ
وہ پائے فضلِ خدا سے بہشت کا ثمرہ

خدا بحرمتِ ارواحِ انبیا مدد دے
پئے محمد[1] و محمود و مصطفٰے مدد دے

بحقِ حضرتِ مولا علیؓ[2] پاک نہاد
امیرِ ملکِ عرب شاہ لافتا مدد دے

برائے پنجتنؓ پاک و چار یارؓ نبیؐ کے
بہ برکت ہمہ ارواحِ اولیا مدد دے

طفیلِ حضرتِ خواجہ حسن[3] شہہ بصری
بہ عبد واحد[4] سردارِ دوسرا مدد دے

پئے فضیلتِ شاہِ فضیل[5] و ابراہیم[6]
سدیدِ دین حذیفہ[7] بکارہا مدد دے

امینِ دین ہبیرہ[8] و خواجہ ممشاد[9]
بحضرتِ ابو اسحاق[10] باصفا مدد دے

بہ خواجۂ ابی احمد[11] بہ بو محمد[12] شاہ
برائے ناصر دیں[13] شاہِ اتقیا مدد دے

طفیلِ حضرتِ مودود[14] شاہ یوسفِ چشت
بروحِ اطہرِ حاجی شریف ما مدد دے

عمرؓ خصال ابوبکرؓ خو علیؓ اوصاف
غنی صفات بہ عثمانؓ باحیا مدد دے

بخواجۂ شہِ ہند الولی معین الدین | حبیبِ حق گہر تاجِ اولیا مدد دے

بحقِ خواجۂ ما بختیار قطب الدین[16] | پئے فرید شکر گنج با سخا مدد دے[17]

بحقِ حضرتِ محبوبِ حق نظام الدین[18] | نصیر دین چراغِ رہِ ہُدیٰ مدد دے[19]

پئے جنابِ ولیِ زمان کمال الدین[20] | سراجِ دین نبیِ شاہِ اصفیا مدد دے[21]

بہ علمِ دین[22] و بہ راجن شہنشہِ محمود[23] | جمال دین جمن شاہِ حق نما مدد دے[24]

پئے جنابِ محمد حسن[25] محمد شاد[26] | برائے خواجۂ یحییٰ شہِ عطا مدد دے[27]

طفیلِ حضرتِ شاہنشہِ کلیم اللہ[28] | نظامِ دین نبیِ معدنِ سخا مدد دے

بحقِ فخرِ دو عالم حضور فخر الدین[30] | بہ قطبِ دین[31] محمد شہِ ہُدا مدد دے

بحرمتِ شہِ ارض و سما جمال الدین[32] | برائے شاہِ عباد اللہ پیشوا مدد دے[33]

طفیلِ حضرتِ شاہ بلند و سیّدنا[34] | جنابِ حاجی خادم علی ہما مدد دے[35]

بحقِ حضرتِ وارث علی شہِ کونین[36] | پناہِ جن و بشر حرزِ دو سرا مدد دے

اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ ۝ اٰمِیْنَ اٰمِیْنَ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ

(حاشیہ دوسرے صفحہ پر)

حاشیہ شجرہ شریف

۱؎ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ میں وصال ہوا مزار اقدس در مدینہ شریف ۲؎ ۲۰ یا ۲۱ رمضان ۴۰ھ میں وصال ہوا مزار پاک در نجف اشرف ۳؎ یکم رجب ۱۱۰ھ میں وصال ہوا مزار در بصرہ ۴؎ ۲۷ صفر ۱۷۰ھ میں وصال ہوا مزار در بصرہ ۵؎ ۳ ربیع الاول ۱۸۰ھ میں وصال ہوا مزار در مکہ شریف ۶؎ ۲۶ جمادی الاول ۲۶۲ھ میں وصال ہوا مزار در شام ۷؎ ۴ یا ۲ شوال ۲۰۲ھ میں وصال ہوا مزار در بصرہ ۸؎ ۵ یا ۷ شوال ۲۸۷ھ میں وصال ہوا مزار در بصرہ ۹؎ ۳ یا ۱۴ محرم ۲۹۹ھ میں وصال ہوا مزار در شام ۱۰؎ ۱۲ ربیع الاول یا ۱۴ ربیع الثانی ۳۲۹ھ میں وصال ہوا مزار در شام ۱۱؎ یکم جمادی الثانی ۳۵۵ھ میں وصال ہوا مزار در شام ۱۲؎ یکم رجب ۴۲۰ھ میں وصال ہوا مزار در چشت ۱۳؎ ۳ رجب ۵۲۷ھ میں وصال ہوا مزار در چشت ۱۴؎ یکم رجب ۵۷۷ھ میں وصال ہوا مزار در چشت ۱۵؎ ۲ رجب ۵۵۲ھ میں وصال ہوا مزار در چشت ۱۶؎ ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ میں وصال ہوا مزار در مہرولی ۱۷؎ ۵ محرم ۶۶۴ھ میں وصال ہوا مزار در پاک پٹن ۱۸؎ ۱۳ یا ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ میں وصال ہوا مزار در دہلی ۱۹؎ ۱۸ رمضان ۷۵۷ھ میں وصال ہوا مزار چراغ دہلی ۲۰؎ ۲۷ ذیقعدہ میں وصال ہوا مزار چراغ دہلی ۲۱؎ ۱۲ جمادی الاول ۷۶۵ھ میں وصال ہوا مزار پاکپٹن۔ ۲۲؎ ۲۶ صفر میں وصال ہوا ۲۳؎ ۲۲ صفر میں وصال ہوا ۲۴؎ ۲ ذی الحجہ میں وصال ہوا مزار در احمد آباد گجرات ۲۵؎ ۲۸ ذیقعدہ ۱۰۸۱ھ میں وصال ہوا ۲۶؎ ۲۹ ربیع الاول ۱۱۰۱ھ میں وصال ہوا مزار در احمد آباد گجرات ۲۷؎ ۲ صفر ۱۱۲۲ھ میں وصال ہوا مزار مدینہ پاک ۲۸؎ ۲۴ ربیع الاول ۱۱۴۳ھ میں وصال ہوا مزار در دہلی ۲۹؎ ۱۲ ذیقعدہ ۱۱۴۲ھ میں وصال ہوا مزار اورنگ آباد ۳۰؎ ۲۷ جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ میں وصال ہوا مزار در مہرولی ۳۱؎ ۵ جمادی الثانی کو وصال ہوا مزار مدینہ شریف ۳۲؎ ۱۳ ربیع الثانی کو وصال ہوا ۳۳؎ ۷ رجب میں وصال ہوا ۳۴؎ ۱۲ محرم کو وصال ہوا ۳۵؎ سیدنا خادم علی شاہ ۱۴ صفر ۱۲۵۲ھ میں وصال ہوا مزار در لکھنؤ محلہ گولہ گنج ۳۶؎ سیدنا وارث علی شاہ یکم صفر ۱۳۲۳ھ میں وصال ہوا مزار پاک در دیوہ شریف ۱۲ ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ

اے اللہ رحمت کاملہ اور سلام نازل فرما اوپر سردار ہمارے اور مالک ہمارے محمد صاحب کے

صَاحِبِ التَّاجِ وَالْمِعْرَاجِ وَالْبُرَاقِ وَالْعَلَمِ

صاحب تاج اور معراج اور براق اور

دَافِعِ الْبَلَاءِ وَالْوَبَاءِ وَالْقَحْطِ وَالْمَرَضِ وَ

نشان کے ہیں دور کرنے والے بلا اور وبا اور قحط سالی اور بیماری اور

الْاَلَمِ اِسْمُہٗ مَکْتُوْبٌ مَّرْفُوْعٌ مَّشْفُوْعٌ

درد کے نام ان کا لکھا گیا ہے بلند کیا گیا ہے شفاعت کیا گیا ہے

مَنْقُوْشٌ فِی اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ سَیِّدِ الْعَرَبِ وَ

نقش کیا گیا ہے بیچ لوح اور قلم کے سردار ہیں عرب اور

الْعَجَمِ جِسْمُہٗ مُقَدَّسٌ مُّعَطَّرٌ مُّطَهَّرٌ

عجم کے جسم ان کا بہت پاک، خوشبودار، پاکیزہ

مُّنَوَّرٌ فِی الْبَیْتِ وَالْحَرَمِ شَمْسِ الضُّحٰی

روشن بیچ خانہ کعبہ اور حرم کے آفتاب چاشت

بَدْرِ الدُّجٰی صَدْرِ الْعُلٰی نُوْرِ الْھُدٰی

کے ماہتاب اندھیری رات کے سند نشین بلندی کے نور راہ راست کے

کَھْفِ الْوَرٰی مِصْبَاحِ الظُّلَمِ جَمِیْلِ

پناہ مخلوقات کے چراغ تاریکیوں کے، نیک عادتوں

الشِّیَمِ شَفِیْعِ الْاُمَمِ صَاحِبِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ

والے، بخشانے والے امتوں کے صاحب بخشش اور بزرگی کے

وَاللّٰہُ عَاصِمُہٗ وَجِبْرِیْلُ خَادِمُہٗ وَالْبُرَاقُ

اور اللہ نگہبان ہے ان کا اور جبرئیل خدمت گزار ہے ان کا اور براق سواری

مَرْکَبُہٗ وَالْمِعْرَاجُ سَفَرُہٗ وَسِدْرَۃُ الْمُنْتَھٰی

ہے ان کی اور معراج سفر ہے ان کا اور سدرۃ المنتہیٰ جو بیری ہے

مَقَامُہٗ وَقَابَ قَوْسَیْنِ مَطْلُوْبُہٗ وَالْمَطْلُوْبُ

آسمان پر، مقام ہے ان کا اور قاب قوسین اصل نبی مطلوب ہے ان کا اور مطلوب

مَقْصُوْدُہٗ وَالْمَقْصُوْدُ مَوْجُوْدُہٗ سَیِّدِ

مقصود ہے ان کا اور مقصود ان کے پاس موجود ہے، سردار رسولوں

الْمُرْسَلِیْنَ خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ شَفِیْعِ

کے، مہر سب نبیوں کے بخشانے والے

الْمُذْنِبِیْنَ اَنِیْسِ الْغَرِیْبِیْنَ رَحْمَۃٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ

گنہگاروں کے غمخوار مسافروں کے رحمت واسطے جہان کے لوگوں

رَاحَۃِ الْعَاشِقِیْنَ مُرَادِ الْمُشْتَاقِیْنَ شَمْسِ

کے موجب آرام عاشقوں کے مراد مشتاقوں کے آفتاب

الْعَارِفِیْنَ سِرَاجِ السَّالِکِیْنَ مِصْبَاحِ الْمُقَرَّبِیْنَ

خداشناسوں کے چراغ راہ خدا چلنے والوں کے چراغ مقربوں کے

مُحِبِّ الْفُقَرَاءِ وَالْغُرَبَاءِ وَالْمَسَاکِیْنِ سَیِّدِ

دوست رکھنے والے فقیروں اور مسافروں اور مفلسوں کے سردار

الثَّقَلَیْنِ نَبِیِّ الْحَرَمَیْنِ اِمَامِ الْقِبْلَتَیْنِ

جن و انس کے نبی مکہ معظمہ اور مدینہ شریف کے پیشوا بیت المقدس اور کعبہ کے

وَسِیْلَتِنَا فِی الدَّارَیْنِ صَاحِبِ قَابَ قَوْسَیْنِ

وسیلہ ہمارے بیچ دنیا اور آخرت کے صاحب رتبہ بمقدار دو کمانوں کے

مَحْبُوْبِ رَبِّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبِّ الْمَغْرِبَیْنِ جَدِّ

محبوب پروردگار دو مشرقوں اور دو مغربوں کے نانا امام حسن اور

الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ مَوْلٰنَا وَمَوْلَی الثَّقَلَیْنِ اَبِی

امام حسین کے مالک ہمارے اور مالک جن و انس کے کنیت

الْقَاسِمِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ نُوْرٍ مِّنْ نُّوْرِ

ابوالقاسم نام محمد بیٹے عبداللہ کے ایک نور ہیں اللہ کے نور

اللّٰہِ یٰاَیُّھَا الْمُشْتَاقُوْنَ بِنُوْرِ جَمَالِہٖ صَلُّوْا

سے، اے عاشقو نور جمال آنحضرت کے درود بھیجو

عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝

اوپر ان کے اور ان کی اولاد کے اور ان کے یاروں کے اور سلام بھیجو سلام کر۔

آیت مِن آیات اللہ
سرکار عالم پناہ حضرت حاجی و حافظ
سیّد وارث علی شاہ
ذکرہ اعظم اللہ دیوہ شریف ضلع بارہ بنکی ہندوستان

ھُوَالوَارِثُ

مقدمۂ کتاب

ہائے اُس نامہ کی خوش عنوانیاں
ابتدا ہو جس کی اُن کے نام سے

میں جس گھر میں پیدا ہوا، جن دامنوں کے سایہ میں نشو نما ہوئی، جن گودیوں میں پرورش ہوئی۔ وہ حضور وارث پاک کی محبت میں بھری ہوئی تھیں حضور انور کو جاننے اور پہچاننے سے قبل میرے کان حضور پُر نور کے نام نامی سے خبردار تھے۔ میرا سینہ حضور انور کے مقدس نام کا آماجگاہ تھا کیونکہ خوف و دہشت میں، بیماری میں غرضکہ ہر حالت میں حضور انور کا نام نامی میرے کانوں تک پہنچانا اور کئی کئی مرتبہ پڑھ کر میرے سینہ پر دم کر دینا میرے بزرگوں کا طریق عمل تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ میں عالم طفلی کے پہلے باب کی سیر دیکھ رہا تھا اور مجھے ہوش نہ تھا کہ کیا دیکھتا ہوں اور کیا سنتا ہوں (اسوقت گو میں اپنا حال کہہ رہا ہوں مگر دوسروں سے سنا ہوا دہرا رہا ہوں) رفتہ رفتہ میرے ہوش و حواس میں بتقاضائے سن ترقی ہوتی گئی اور اس نام سے ایک خاص رغبت ہونے لگی۔ میں اس نام کو جب سنتا تو خوش ہوتا۔ اس خوشی پر میرے اعزا میں طرح طرح کے خیالات کا اظہار ہوتا اور مشرقی مذاق کے بموجب قسم قسم کی عقیدت سے بھری ہوئی باتیں کی جاتی تھیں۔ مجھے سن تمیز و شعور تک پہونچنے سے قبل اس مقدس نام سے شرفِ آگہی نصیب ہو گیا تھا ؎ مولانا یاس ٹونکی

آنکھ کھلنے سے بھی پہلے ترا جلوہ دیکھا
ہوش آنے سے بھی پہلے تجھے پایا دل میں

ہوش آنے کے بعد میں بات بات میں آپ کا نام نامی سنتا تھا اور اب سمجھنے لگا کہ اس زمانہ میں یہ کوئی بڑے بزرگ ہیں۔ مگر مجھے عرصہ تک حضورؒ کی زیارت کا شرف

نصیب نہیں ہوا کیونکہ میرا ابتدائی زمانہ پردیس میں اپنے والد ماجد کے ساتھ گذرا۔ وہ اکثر لوگوں سے حضور انور کے تذکرے کیا کرتے تھے تو میں بہت جی لگا کر سنتا تھا۔ ایک مدت کے بعد وہ پنشن لے کر اپنے گھر آئے تو یہاں شب و روز وہی ذکر وہی شغل تھا۔ شاید دو کہ تین برس میں یا اس سے بھی پہلے سنا گیا کہ حضرت دیوہ شریف سے اٹاوہ میں آتے ہیں مجھے دل ہی دل میں شوق پیدا ہوا کہ میں حضرت سے بیعت ہو جاؤں، چنانچہ میں مرید ہو گیا۔ جب مجھے یہ شرف حاصل ہوا ہے تو میری عمر سولہ یا سترہ سال کی تھی۔ ؎

تقریب محبت کی کیا خوب وہ ساعت تھی   جس وقت ہوا مجھ سے وہ ماہ جبیں واقف

مجھے اس وقت سے حضرت کے حالات فیض آیات سننے کا شوق تھا اکثر شجرے، حضرت کے حالات کی نظم و نثر میں لکھی ہوئی کتابیں غور و خوض سے پڑھتا تھا اور جمع کرتا تھا۔ گیارہ برس کا عرصہ ہوا ہوگا جب میں نے اس بات پر غور کیا کہ حضرت کے حالات میں جتنی کتابیں اب تک لکھی گئی ہیں ان کی روایتیں چشمدید واقعات پر مبنی ہیں یا وقتِ ملاقات لوگوں سے سُنی ہوئی ہیں اور اس طرح مختصر واقعات پر کتابیں ختم کردی گئی ہیں۔ اب تک کسی صاحب نے حالات کی بہم رسانی میں محنت برداشت نہیں کی اور بالتفصیل حالات و واقعات نہیں لکھے حالانکہ آپ کے حالات آپ کی ذات مستجمع الصفات کی طرح ایک بحر ذخار ہوں گے۔ جن کا نقل پڑا ملنا دشوار ہے۔ ایک مرتبہ میں نے اپنا یہ خیال بزم سبیل تذکرہ بیدم شاہ صاحب وارثی سے ظاہر کیا تھا کہ کوئی صاحب حضرت کے حالات و واقعات جمع کریں۔ مختلف حالات کا ذخیرہ فراہم ہو، انہوں نے جواب دیا کہ تم ہی کچھ کر کے دکھاؤ میں خاموش رہ گیا۔ اسی خیال و فکر میں مجھے اس بات کا خیال پیدا ہوا کہ میں حضرت کے حالات جمع کروں اور حالات کی بہم رسانی صرف سلسلۂ وارثیہ ہی کے افراد تک محدود نہ رہے بلکہ دیگر سلاسل کے بزرگوں سے اور جدید تعلیم یافتہ اصحاب سے بھی تحقیق کی جائے۔ مشرقی مذاق مریدین کی خوش اعتقادی ضرب المثل ہے اور حالات و واقعات زیادہ تر وہی اس زمانہ میں قابل وثوق ہو سکتے ہیں جو ایسے اصحاب کے بیان کردہ ہوں جو حضرت کے سلسلہ سے وابستہ نہیں ہیں کیونکہ ایک راسخ العقیدہ مرید اپنے پیر کی شان میں (عام مذاق کے بموجب) مبالغہ سے کام لے سکتا ہے مگر اپنے پیر کے سوا دوسرے

پیر کے لیے وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکتا۔ میں اپنے پیر کی نسبت مبالغہ کے خلاف نہیں ہوں کیونکہ اپنے پیر کو سب سے افضل و برتر ماننا آئینِ طریقت ہے اور مولانا جامیؒ اپنے پیر کی شان میں فرماتے ہیں :

اوّل و آخر ہر منتہی　　زاخرِ او جیب تمت نہی

مبالغہ سے میرا صرف یہ مطلب ہے کہ فی زمانہ مریدین کے بیانات اُن کی خوش اعتقادی پر مبنی سمجھے جاتے ہیں اور یہ مسئلہ چونکہ مسلمہ ہے کہ زمانۂ موجودہ میں اپنے پیر سے افضل کسی کو نہ مانے۔ تمام بزرگوں اور اعلیٰ مرتبوں کا اُسی کو سرچشمہ اعتقاد کرے۔ اس لیے اس کی جو کچھ بھی تعریف و توصیف ہو وہ حقیقتاً مبالغہ نہیں ہے۔ مگر فی زمانہ چاہے جیسی سچی سے سچی روایت کسی مُرید کی زبان سے ادا ہو وہ مبالغہ سے ہی تعبیر کی جاتی ہے اور اس کو خوش اعتقادی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے کہ زمانہ کا مذاق بگڑ گیا ہے۔ نئے تمدن و نئی روشنی کا نیا دور شروع ہو گیا ہے۔ اسی وجہ سے مجھے خیال پیدا ہوا کہ برادرانِ سلسلہ کے علاوہ دیگر برادرانِ طریقت و برادرانِ اسلام سے بھی اُن کی معلومات حاصل کی جائے اور جدید تعلیم یافتہ حضرات سے اُن کے معلومہ حالات لینے کی کوشش ہو۔

مجھے اپنے اس ارادہ میں کچھ پس و پیش بھی رہا کہ میں کیا اور میری حیثیت کیا یہ بہت بڑا کام ہے۔ میری زبان سے اتنا بڑا ارادہ سُن کر لوگ حرف گیری کریں گے اور ہنسیں گے اور حقیقتہً میرا اس اہم کام کے لئے مستعد ہونا چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے کیونکہ نہ مجھکو تصوّف و الٰہیات سے مس ہے نہ علم و عمل کے اعتبار سے کوئی وجاہت رکھتا ہوں۔ نہ حضرت کے فیضِ صحبت سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا نہ فکرِ معاش سے دل مطمئن۔ دنیادار اور محض دنیادار شخص ہوں۔ ایسی حالت میں کیا امید ہو کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں گا مگر حضرتِ دل کا یہی فتویٰ ہوا کہ کام ہو نہ ہو کوشش کرو۔ میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو گیا اور میں نے کوشش شروع کر دی۔ میں نے جس خیال اور مذاق کو مدِنظر رکھ کر اس کام کو شروع کیا مجھے خود اقرار ہے کہ میں اس میں کما حقہ کامیاب نہیں ہوا اور اس کا اصلی سبب میری عدیم الفرصتی، پریشان روزگاری، بے بضاعتی اور نا اہلی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

میں نے خدا کا نام لے کر جب اس کام کا آغاز کیا تو بظاہر کوئی یاور مددگار بھی نہ تھا جس کو میں اپنا ہم خیال بناتا اور وہ میرا ساتھ دینے کے لیے کمربستہ ہوتا۔ دل ہی دل میں غور کیا کرتا تھا اور راتوں کے سناٹے میں تاروں کی چھاؤں میں اپنے خیالات کی الجھنوں کو سلجھایا کرتا تھا۔ جتنا زیادہ اس بارے میں غور و فکر کرتا تھا اتنی ہی پیچیدگیاں بڑھتی تھیں اسی اثنا میں کہ میرا دل تذبذب کی حالت میں تھا میں نے ایک خواب دیکھا اس خواب سے اس کام کے بہ حسن و خوبی انجام پانے کا اشارہ سمجھا اور مستعد ہو گیا۔

میں نے سب سے پہلے اس بارے میں سید معروف شاہ صاحب قبلہ وارثی کو خط لکھا تو جناب ممدوح بغیر کسی قیل و قال کے نہایت محبت و شفقت سے میرا ساتھ دینے کو تیار ہو گئے اور ہر قسم کی امداد سے میری ہمت افزائی فرمائی اور خاتمۂ کتاب تک وہی بات قائم رہی۔ اور اصحاب کو بھی میں نے جا بجا خطوط لکھے تو کچھ خطوں کے جواب امید افزا آئے اور کچھ خطوں کے جواب میں مجبوری و معذوری ظاہر ہوئی اور کچھ خطوں کے جواب میں خاموشی و سکوت سے کام لیا گیا اور حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ کے اس مقولہ پر عمل کیا گیا ہے : جواب جاہلاں باشد خموشی۔

میں نے مکرّر سہ کرّر ان حضرات کو خطوط لکھے اور خوشامد کی تو بعض اصحاب نے خلافِ امید جواب دیئے۔ کسی صاحب نے لکھا کہ ادب و احتیاط مانع ہے۔ کسی صاحب نے ازرہِ عجز و انکسار معذرت کی غرضکہ مختلف اقسام کے جواب آئے اب میں بڑے پیچ و تاب میں پڑ گیا کہ جب میرے اکابر برادران سلسلہ اس قدر احتیاط برتتے ہیں تو میں تنہا کیا کر سکتا ہوں۔ اور کس طرح اس اہم کام کو انتہا تک پہنچا سکتا ہوں مگر اس حالت میں بھی میں کچھ نہ کچھ کرتا رہا اور ایسے بے توجہی کے جوابات سے متاثر ہو کر دست بردار نہیں ہوا۔ ان اصحاب کی پھر خوشامد کی، دوسرے کو خطوط لکھے اور اپنی کوشش جاری رکھی اس کوشش میں ایک عرصہ گذر گیا۔ اکثر اصحاب نے میرے خیال کو وقعت کی نظر سے دیکھا اور وہ میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ اس ضمن میں سب سے پہلے میں مولانا مولوی سید عبدالغنی صاحب قبلہ وارثی بہار ئیؒ (مترجم طبقات اکبری و الحکم الرحمانیہ وغیرہ فرائسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ جنرل بہادر حیدرآباد دکن) کا نام نامی لوں گا جو اگرچہ

اس عالم میں نہیں ہیں اور اس دنیائے فانی کو خیرباد کہہ کر حیات بعد الممات کا لطف اٹھا رہے ہیں مگر ان کی وجہ سے میری پوری ہمت بندھی اور باوجود اس کے کہ مجھے جناب ممدوح سے کبھی شرف نیاز حاصل نہ ہوا تھا نہ خط و کتابت تھی نہ میرے علم میں وہ مجھ سے واقف تھے اور بسبب کثیر المشاغل اور ضعیف و دایم المریض ہونے کے معذور بھی تھے مگر پہلے خط کے جواب میں انہوں نے واقعات و حالات لکھنا شروع کر دیئے اور جو خط مجھے لکھا وہ حسب ذیل ہے:

"لیجئے حضرت یہ خط بے ربط ۲۹ جنوری کو شروع ہوا تھا اور ساتویں مارچ کو ختم ہوا جس کی وجہ آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ کافی مہلت کا نہ ملنا ہے۔ مجھے اُمید نہ تھی کہ یہ خط ختم ہو گا اور آپ تک پہنچے گا۔ اس خط کو میں نے بے ربط اس سبب سے کہا کہ صرف قلم برداشتہ لکھا گیا ہے اور میری دانست میں اس قابل نہیں ہے کہ بجنسہٖ کسی تصنیف و تالیف میں نقل کر دیا جائے۔ اس کا مقصود صرف آپ کے ارشاد کی تعمیل ہے۔ آپ کو پورا اختیار ہے کہ اس میں سے جس مضمون کو جس طرح چاہیں یعنی طوالت یا اختصار کے ساتھ درج کتاب کریں دو ہفتے ہوئے کہ اخبار مشرق کے ایڈیٹر و مالک اور ہمارے پیر بھائی حکیم برہم صاحب حیدرآباد آئے ہوئے ہیں مجھ سے وہ ملے اور انہوں نے کہا کہ میں حضرت پیر و مُرشد کی مکمّل سوانح عمری لکھ رہا ہوں۔ تم کو جو کچھ حالات معلوم ہوں وہ مجھے لکھ کر دو۔ لیکن میں نے اُن سے کہا کہ آپ سے پہلے فضل حسین صاحب کی فرمائش پہنچ چکی ہے اور میں نے انہیں کی فرمائش پر لکھنا بھی شروع کر دیا ہے اور گویا ان سے عہد وفا باندھ لیا ہے اس لیے آپ کے حکم کی تعمیل سے معذور ہوں۔ حکیم برہم صاحب کہتے تھے کہ ان کی خواہش یہ ہے کہ اُن کے اور نیز آپ کے فراہم کیئے ہوئے مواد سے ایک جامع اور مکمّل اعلیٰ درجہ کی کتاب تصنیف ہو کر شائع کی جائے مگر آپ راضی نہیں ہیں۔":

من نہ گویم کہ ایں مکُن آں کُن　　مصلحت بیں و کار آساں کُن

اس والا نامہ کے دو ہفتے بعد ایک اور والا نامہ مولینا کا میرے نام آیا جس میں اپنی تالیفات کے ارسال فرمانے کا تذکرہ تھا اور کچھ برادران سلسلہ کو خطوط لکھنے کی ہدایت تھی۔

جس کا خلاصہ یہ ہے :

" حضرت پیر و مرشد قدس سرہ العزیز کے بہت زیادہ حالات متعلق بہ فیض رسانی اور ارشادات و ہدایتِ روحانی جناب نصیحت شاہ صاحب مدظلہ کو معلوم ہیں، اُن کو ضرور لکھیئے اور مولوی غنی حیدر صاحب وکیل گیا اور مرزا ابراہیم بیگ صاحب شیدا لکھنوی اور جناب اوگھٹ شاہ صاحب بھپرایوں ضلع مُراد آباد کو ضرور لکھیئے ان لوگوں کے پاس بھی دلچسپ معلومات کا ذخیرہ ہے۔ ان لوگوں کو فرداً فرداً لکھیئے کہ برائے خدا کہ جو کچھ معلومات ذاتی ان کو حضرت قدس سرہٗ کی نسبت ہوں ان کو ضرور لکھ بھیجیں ورنہ وہ ہر ایک کی زندگی کے ساتھ تلف ہو جائیں گی اور لکھنے کی صورت میں تو ہمیشہ اُس سے مسترشدین کو فائدہ ہوتا رہے گا "

اِن دونوں خطوں کے دیکھنے سے مولینا کی ہمدردی اور ایک طرح کی بے چینی ظاہر ہوتی ہے کہ کسی طرح حالات کی بہم رسانی خاطر خواہ ہو جائے۔ میں پہلے سے کوشش کر رہا تھا اور اب ایک بڑے شخص کو اپنا ہمدرد و شریک پایا میری ہمت بڑھی اور ترقی ہوئی میں نے ان صاحبوں کو بھی لکھا اور ان کے علاوہ دوسرے بزرگوں کو بھی خطوط لکھے اور شکرگزاری کے ساتھ میں اُن کی توجہ عالی کا ذکر کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

حضرت نصیحت شاہ صاحبؒ بایزید پوری اور مکتوب نویس بارگاہ وارثی حاجی اوگھٹ شاہ صاحبؒ بھپرایونی نے خاص توجہ فرمائی اور ان کو جو کچھ معلومات تھیں اُس سے دریغ نہیں فرمایا۔

اگرچہ حضرت سیدنا نصیحت شاہ صاحب قبلہ علالت و ضعف کی وجہ سے بالکل معذور تھے مگر اسی حالت میں انہوں نے جو کچھ میری مدد فرمائی اُسی سے میں بے حد متاثر ہوں۔

حاجی اوگھٹ شاہ صاحب قبلہ کی گہری دلچسپی اور شفقت و عنایت نے جتنی پیچیدگیاں اور اُلجھنیں رفع کی ہیں اور بغیر ذاتی تعلقات و مراسم کے محض وارثی اور برادرِ طریقت سمجھ کر جو میری مدد فرمائی ہے وہ اُن کی قلبی حالت کا آئینہ پیش کرتی ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ایسے ہی مقدس نفوس ہیں جو اپنی ہستی کو محض اس نام پر شانے

کے لیے زندہ ہیں۔ مولینا سید عبدالغنی صاحب قبلہ وارثی کی طرح مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ وارثی (سابق وکیل سرکار ورئیس گیا) نے بھی پہلے ہی خط کے جواب میں اپنی معلومات سے مستفید فرمایا مگر اپنے ذاتی واقعات کے ظاہر کرنے سے معذرت فرمائی میری امید سے کم واقعات و حالات اُن سے ابتداءً دستیاب ہوئے مگر جناب ممدوح کا والانامہ نہایت ہمدردی و محبت و شفقت سے مملو تھا اور پہلے ہی والانامہ میں باوجود اس کے جناب ممدوح سے شرف نیاز حاصل نہ تھا انہوں نے تحریر فرمایا تھا کہ میں ہر طرح تمہارے کام میں شریک ہوں مجھے اس والانامہ سے بھی اتنی ہی تقویت ہوئی جتنی کہ مولینا سید عبدالغنی صاحب قبلہ کی تحریرات سے ہوئی تھی۔

آنریبل مولوی سید شرف الدین صاحب قبلہ وارثی بالقابہ (ممبر ایگزیکیٹو کونسل بہار) نے بھی میرے پہلے ہی عریضہ پر توجہ فرمائی اور واقعات معلومہ مرحمت فرمائے اور نہایت امید افزا خط لکھا۔ میں نے پھر لکھا تو پھر انہوں نے اپنی دیگر معلومات سے مستفید فرمایا۔ مولوی رونق علی صاحب وارثی الرزاقی پینتے پوری خلف الرشید شاہ مقصود علی صاحب وارثی نے بھی پہلے خط پر تو نہیں کئی خطوں کے پہنچنے کے بعد خاص توجہ کی اور اپنے والد ماجد اور جد بزرگوار کی خاص یادداشتوں سے جو حضرت کے متعلق تھیں مجھے مستفید فرمایا اور دوسروں سے بھی حالات ملنے کی کوشش کی۔ اسی طرح منشی عبدالغنی خان صاحب وارثی رئیس پوروہ غنی خان ضلع رائے بریلی نے جو ایک معمر بزرگ تھے اور انہوں نے حضرت کے اکثر چشم دید حالات جمع کئے تھے وہ انہوں نے اپنی علالت اور نہایت ضعف و نقاہت کے زمانہ میں مرحمت فرمائے (خدا اُن کی قبر کو منور کرے اور اپنی بے شمار رحمتیں اُن پر نازل فرمائے) اسی طرح شیخ حسین علی صاحب نواب وارثی زمیندار سادہ مئو ضلع بارہ بنکی کی معیت و شفقت سے میں اب تک متاثر ہوں اور رہوں گا وہ نہایت لطف سے پہلے ہی خط کے جواب میں واقعات و حالات لکھنے لگے اور خاص کوشش فرمائی۔ مولوی نادر حسین صاحب وارثی گرامی وکیل بارہ بنکی نے بھی اپنی معلومات کے دینے میں دریغ نہیں فرمایا۔ میں ان کی بزرگانہ نوازش و کرم کا ممنون ہوں اور حقیقتہً ایسے بزرگوں کا سبب ہے جو مجھے کسی قدر اپنے مقصد میں کامیابی نصیب ہوئی۔

جناب مرزا محمد ابراہیم صاحب شید الکھنوی نے بھی معروضات پر خاص توجہ فرمائی اور نہایت دلسوزی ہمدردی و برادر نوازی سے میرے عریضوں کا جواب دیا اور مفید مشورے دیئے۔ حضرت کے واقعات و حالات بھی عنایت فرمائے اور اس کتاب کے ابتدائی مسودات کو غور و تعمق کی نگاہوں سے ملاحظہ فرمایا اور اس پر قدیم طرز کی عبارت میں کچھ حصہ بطور نمونہ لکھ کر مجھے مرحمت فرمایا۔ میں نے اس سے بہت فائدہ اٹھایا مگر اس روش کی نظم و نثر لکھنے سے میں قاصر و معذور رہا۔ مرزا صاحب موصوف کو میرے ابتدائی مسودات کو دیکھ کر میری بے علمی و جہالت کے سبب سے کچھ اختلاف تھا اور یہ اختلاف ایسا تھا جس کو میں رحمت سے تعبیر کر سکتا ہوں۔ کیونکہ نیک نیتی کے ساتھ تھا اور وہ اس کام کی اہمیت کو محسوس کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ سلسلۂ عالیہ وارثیہ میں ماشاء اللہ بڑے بڑے عالم فاضل موجود ہیں مگر اس طرف بمقتضائے احتیاط یا پاس ادب سے یا کسی وجہ سے کسی نے اب تک توجہ نہیں کی۔ وہ میری ہمت نہیں توڑتے تھے اور فرماتے تھے کچھ نہ ہونے سے ہونا اچھا ہے اور اکثر خطوط میں انہوں نے مجھے ترغیب دی اور میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ مگر وہ اپنے نازک خیالات اور اعلیٰ ترین جذبات کی بنا پر حضور انور کے مقدس اور ذاتی تذکرہ کو اسی بلندی و برتری کے ساتھ دیکھنا چاہتے تھے جیسے انہوں نے اور ان کے بزرگوں نے حضور پرنور کی ذات مستغنی عن الصفات کا مشاہدہ کیا یہ ظاہر ہے کہ ایسے توقعات ظاہر بینوں کی تصنیف و تالیف سے پورے نہیں ہو سکتے اور حضور انور کی روحانیت کے اثرات جو آپ کی ذات کرامت آیات سے مترتب ہوتے تھے وہ صفحات قرطاس سے نمایاں نہیں ہو سکتے آفتاب کی تصویر اور شعاعیں خیال کے ذریعے کاغذ پر دکھائی جاتی ہیں مگر کوئی مصور عکس نہیں لے سکتا۔ اور تنویر کا توعشر عشیر بھی نہیں دکھا سکتا۔ وہ اس معذوری و مجبوری کو بھی محسوس کرتے تھے لیکن ان کی تمنا تھی کہ کوئی قابل شخص اس کام پر مستعد ہو اور حضرت کے ارشادات طیبات اس انداز سے درج کتاب ہوں کہ ان کے معنی و رموز بھی بیان کیے جائیں جن سے حقائق و معارف کی آگاہی ہو اور حضور انور کے حسن بینظیر کی ایسی عکسی تصویر لی جائے جو حقیقت حال کا آئینہ ہو وہ اپنے خیال میں بالکل حق بجانب تھے مگر تاہم بلحاظ برادر نوازی و

شفقت و محبت باوجود عدیم الفرصتی وہ میرا ساتھ دے رہے تھے اور میں محسوس کر رہا تھا:

نہاں شانِ تغافل میں ہے رمزِ امتیاز اس کا
یہ اندازِ جفا ہے التفاتِ دلنواز اس کا

میں خیال کرتا ہوں کہ اگر مرزا صاحب کی طرح دیگر حضرات بھی ایسے ہی اخلاقیات سے کام لیتے تو کافی سے زیادہ مجھے مدد ملتی مگر ایسا نہیں ہوا بعض حضرات نے اس کام میں کوشش کرنے والوں سے مخالفت کا اظہار کیا اور طرح طرح کے اعتراضات کئے بعض نے نہایت دلشکن طریقہ سے طرح طرح کی طعن آمیز گفتگو کی بعض نے وعدہ کیا اور اس کے بعد پہلو تہی اختیار کی بعض نے نہایت عجیب و غریب طریقہ سے اظہارِ اختلاف کیا اور مجھے تباہی و بربادی سے ڈرایا اور دوسروں کا ذکر کرکے بُرا شگون[1] لیا۔ بہرکیف میں ان کی مغائرت و مخالفت کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں جس مخالفت کا سلسلہ میری کامیابی پر ختم ہو وہ نہایت مبارک مخالفت ہے۔ ذوقِ طلب مغائرت و بے اعتنائی ہی کے اثر سے بڑھتا ہے میں اُن کی بے اعتنائیوں اور مخالفتوں کو ان کی دُور اندیشی و معاملہ فہمی پر مبنی سمجھتا ہوں گو اُن کے مختلف بیانات و عذرات ہر طرح کی بدگمانیوں کا سبب ہوئے ہے:

ہم رضا شیوہ ہیں تاویلِ ستم خود کر لیں
کیا ہوا اُن سے اگر بات بنائی نہ گئی

---

[1] ایسے افراد کو واضح رہے کہ میں توہم پرست نہیں ہوں میں شگون وغیرہ کو زمانۂ جاہلیت کی یادگار سمجھتا ہوں۔ میں برباد ہو جاؤنگا تو انشاءاللہ مرتے دم تک اس کتاب کا سبب اپنی بربادی قرار نہ دونگا اور نہ ایسا اعتقاد کروں گا اور بلکہ ہمیشہ یہ عقیدہ رکھونگا کہ اگر ایک لمحہ کے لیے بھی میرا یہ خیال ہو گیا تو تومیں مشرک ہو جاؤنگا۔ خدا مجھے حضرت وارث پاکؒ کے طفیل میں شرک سے محفوظ رکھے آمین۔ بننا اور بگڑنا ڈوبنا اور ابھرنا عزت و ذلت آبادی و بربادی سب تقدیر سے وابستہ ہے ہر قسم کی سزا و جزا اعمالِ بد کا نتیجہ ہے بزرگانِ دین کے حالات و واقعات کا اظہار یا اُن کی مدح سرائی بربادکن نہیں ہوتی۔

میں جانتا ہوں کہ اس زمانہ میں بدگمانیوں کی کمی نہیں ہے اور عربی زبان میں ایک مشہور مقولہ ہے کہ مَنْ صَنَّفَ فَقَدِ اسْتُهْدِفَ جس نے کوئی تصنیف کی اُسنے اپنے آپ کو تیرِ ہدف کا نشانہ بنایا، میں اپنی کمزور طبیعت کے سبب اس تیرِ ملامت کے زخم سے بہت متاثر ہوا اور میں نے تمام مسودات کو اٹھا کر طاق میں رکھ دیا۔ اسی ہفتہ میں ایک صاحب نے (جو اپنا نام اس ضمن میں ظاہر نہیں کرنا چاہتے) جو برادرِ طریق بھی ہیں، کئی کتابوں کے مؤلف ہیں اور پابندِ شریعت ہیں۔ انہوں نے ایک خواب دیکھا جس میں اس کتاب کی جانب متوجہ ہونے کی ترغیب تھی اور میرے متعلق بھی کچھ ارشاد تھا۔ انہوں نے اپنا خواب مجھ سے بیان فرمایا۔ اسی زمانہ میں مولوی محمد سرفراز خان صاحب محقق وارثی شکوہ آبادی سابق منیجر درگاہ اجمیر شریف کا ایک خط آیا۔ ان کو میں نے سال بھر سے زیادہ عرصہ تک خطوط لکھے اور کسی خط کی رسید تک نہیں آئی تھی مگر اس خط میں تحریر تھا کہ میرے واقعات ایک راز کی حالت میں ہیں جو اب تک میں نے کسی پر ظاہر نہیں کیے اور میں ڈرتا تھا کہ مبادا ان کا اظہار نامناسب ہو مگر اب جس دن تمہارا آخری خط میرے پاس پہنچا ہے، میں اُسی شب کو ایک خواب دیکھ چکا ہوں، جس میں، میں نے حضرت کو دیکھا اور اپنے واقعات و حالات تم کو بھیجنے کی طرف اشارہ سمجھا اب میں اپنے واقعات لکھ رہا ہوں اور عنقریب تم کو بھیجتا ہوں غرضکہ موصوف نے سال بھر کی خاموشی کے بعد دو تین خطوط لکھے اور واقعات و حالات بھیجے انہوں نے اُس ناقابلِ برداشت انتظار کی پوری تلافی کر دی جو مجھے عرصہ تک رہا تھا۔

ان بزرگوں کے خوابوں پر میں نے غور کیا تو سمجھا کہ شاید حضرت کو منظور ہے کہ یہ کام ہو مگر جی نہ چاہا کہ اب اس کام کو کروں اور اپنی سعی و کوشش پر حسرت بھری نظر ڈالنے لگا۔

میں نے اچھی طرح سوچ لیا کہ یہ کام کم مائیگی اور تنہائی کی حالت میں نہیں ہو سکتا اور کم از کم میری ذات سے اس کام کا انجام ہونا ناممکن ہے کیونکہ چار پانچ سال کے عرصہ میں مصارفِ کثیر کا مجھے متحمل ہونا پڑا جو میرے لیے سراسر ناقابلِ برداشت تھے

اور جن کی تفصیل لا حاصل ہے۔

میں نے ناامیدی اور یاس سے اس کام کو الوداع کہہ دیا دل کی بات دل ہی میں تھی کسی سے اپنا یہ حال اس خیال سے بھی ظاہر نہیں کیا کہ لوگ سنیں گے تو انگشت نمائی کریں گے خواہ مخواہ کی خفت ہوگی۔ میں اس کام سے کلی طور پر دست بردار ہو چکا تھا۔ کہ حضرت کے عرس کا زمانہ قریب آ گیا۔ میں اس سے قبل کبھی حضرت کے عُرس میں حاضر نہیں ہُوا تھا ہمیشہ دوسرے دنوں میں جایا کرتا تھا۔ مگر خدا جانے اس مرتبہ کیوں عُرس میں حاضر ہونے کے لیے بے چین ہو گیا اور دو ہی روز میں سب انتظام کر کے دیوہ شریف پہنچ گیا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ مولینا مولوی سید عبدالغنی صاحب قبلہ وارثی بہاری اور مولوی سیّد غنی حیدر صاحب قبلہ وارثی (وکیل ورئیس گیا) بھی تشریف لائے ہیں ان بزرگوں نے مجھ سے حضور انور کی سوانح شریف کے متعلق خط و کتابت کی تھی مگر مجھے شرف نیاز حاصل نہیں تھا۔ مجھے ابتدا سے امرا کی دربارداری اور خوشامد سے سابقہ نہیں پڑا۔ اگرچہ میں ایک غریب گھر میں پیدا ہوا غریب حالت میں میری نشو نما ہوئی اور اب بھی غریب زندگی بسر کر رہا ہوں مگر میں جس حالت میں ہوں خوش ہوں اور اس بات سے واقف ہوں کہ ایک غریب و امیر کے تعلقات خواہ وہ دوستانہ ہوں یا رشتہ داری سے وابستہ ہوں مستحکم شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں اور جب تک مساوات نہ ہو ترازو کے دونوں پلّے برابر نہیں رہ سکتے۔ ایسی حالت میں جبکہ خود میں اپنے آپ کو ذلیل حالت میں سمجھتا ہوں تو دوسروں کی نگاہیں بھی ایسی ہی پڑیں گی اور یہ میری آشفتہ خاطری کا سبب ہوگا۔ اسی خیال سے میرا جی نہ چاہا کہ میں ان صاحبوں سے ملنے جاؤں۔ اور میں نہیں گیا ؎

ہوں دولت و حشمت پر ارباب ہوس نازاں
یاں بے سر و سامانی سامانِ محبّت ہے

حسبِ معمول میں جناب محمد ابراہیم بیگ صاحب قبلہ شیدا وارثی کی خدمت میں حاضر تھا کہ حسنِ اتفاق سے جناب مولوی سیّد غنی حیدر صاحب قبلہ وارثی تشریف لائے شیدا میاں نے مجھے بتایا تو وہ نہایت گرمجوشی و خلوص سے بغلگیر ہوئے اور مجھے

پورے طور پر متوجہ ہوگئے اس کتاب کے متعلق نہایت دلچسپی و محبت سے گفتگو کرتے رہے اور مسودات کو دیکھنے کے لیے اشتیاق ظاہر فرمایا۔ تھوڑی دیر میں وہ تشریف لے گئے تو مولینا سید عبدالغنی صاحب قبلہ وارثی ہماری تشریف لائے میں مصافحہ کے لیے ان کی طرف بڑھا تو انہوں نے شیدا میاں سے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہیں انہوں نے کہا آپ ہی فرمائیے آپ سے اور ان سے خط و کتابت ہے۔ اس کے جواب میں مولانا نے برجستہ فرمایا کہ "فضل حسین" یہ کہہ کر نہایت شفقت و محبت سے معانقہ کیا اور کتاب کے متعلق تذکرہ فرمانے لگے۔ میری بہت عزت افزائی فرمائی اور مفید مشورے دیئے۔ مجھے اس وقت کا ان کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ایک فقرہ نہیں بھولتا اور جبکہ وہ اس عالم میں نہیں ہیں مجھے ان کا ارشاد یاد آجاتا ہے انہوں نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ "خوشی کی بات ہے جو تم نے اس کام کو شروع کیا جوان آدمی ہو کرلے جاؤ گے۔ ہم لوگ تو چراغ سحری ہیں۔"

ان صاحبوں کے اخلاق اور شفقت بزرگانہ سے میں بہت متاثر ہوا اور اب مجھکو خیال ہوا کہ مجھے ضرور ان سے جاکر ملنا چاہیئے۔ چنانچہ یہ ہر دو صاحبان ایک ہی جگہ قیام پذیر تھے میں ان کی فرودگاہ پر حاضر ہوا تو نہایت شفقت و محبت سے پیش آئے اور مسودات کو خوب جی لگا کر نہایت غور و تعمق کی نظر سے ملاحظہ فرمایا ان حضرات کی یہ حالت کہ وہاں کے قیام میں جب میں مسودات کو لے کر سنانے کے لیے جاتا تو اس وقت خواہ وہ کیسے ہی ضروری کام میں ہوتے ہمہ تن میری طرف متوجہ ہو جاتے اور جس وقت تک میں ان کے پاس بیٹھا رہتا وہ اپنے ذاتی یا دیگر ضروری کاموں سے بالکل الگ تھلگ رہتے تھے اتنی توجہ اور مصروفیت میری تسخیر کے لیے کافی تھی۔ اب میرا دل بھی انہیں کی محفل میں جانے کے لیے ہر وقت بے چین رہتا تھا اور شب و روز میں چار پانچ مرتبہ سے کم شاید میں ان کی خدمت میں حاضر نہ ہوتا ہوں۔ میں نے مولینا سید عبدالغنی صاحب قبلہ وارثی سے استدعا کی کہ آپ کتاب کی نظر ثانی فرمائیے۔ انہوں نے بطیب خاطر منظور فرمایا کہ اگرچہ میں عدیم الفرصت ہوں مگر اپنے فرائض منصبی سے علاوہ جو وقت ملیگا میں اسی کام میں صرف کروں گا۔

اور اس کی اشاعت و طباعت وغیرہ سے متعلق بہت گفتگو فرماتے رہے اور اس وقت سے میرا ساتھ دینے کے لئے ہمہ تن متوجہ ہو گئے۔ مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ وارثی (وکیل ورئیس گیا) کا میں کن لفظوں میں تذکرہ کروں جو اس کتاب کی طرف صرف متوجہ اور مخاطب ہی نہیں ہوئے بلکہ عاشق ہو گئے۔ اُن کی شیفتگی و فریفتگی کا سماں میری آنکھوں میں عجیب عالم پیدا کرتا تھا وہ دامے، درمے، قدمے، سخنے مستعد ہو گئے۔ کتاب ختم نہیں ہوئی بہت کچھ کام باقی رہ گیا ہے مگر وہ اس کی اشاعت و طباعت کی گفتگو کر رہے ہیں اور تیار ہیں کہ خواہ کتنے ہی زیادہ سے زیادہ مصارف ہوں وہ طبع کرائیں گے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ سعی فرمانے لگے کہ اب تک اس کام میں کس قدر صرف ہو چکا ہے اور آئندہ کام جاری رہنے کے لیے کیا انتظام ہونا چاہئیے۔ اسی پر بس نہیں کی بلکہ اس وقت سے وہ حالات و واقعات کی فراہمی میں مجھ سے زیادہ مصروف نظر آئے۔ اپنے احباب کو انہوں نے خطوط لکھے بعض کے مکانات پر خود تشریف لے گئے۔ بعض بزرگوں نے اپنے نام ظاہر کرنے سے کسی خیال سے ممانعت فرمائی تھی، ان سے ملے اور ان سے گفتگو کر کے اظہارِ نام کی اجازت لی اور ہر قسم کی امداد و اعانت میں نہایت فراخ حوصلگی و محبت سے وہ میرے ممد و معاون ہو گئے۔ ان کے ذوق و شوق کی میں کیا تعریف کروں خداوندِ کائنات نے ان کو عجیب محبت بھرا دل عطا فرمایا ہے وہ میری ناچیز سعی پر اس درجہ والہ و شیدا ہو گئے کہ محض اس کتاب کے دیکھنے اور سننے کے لیے تھوڑے ہی عرصہ بعد آٹا وہ تشریف لائے اور یہاں پر دو تین روز تک کتاب کو دیکھتے اور سنتے رہے۔ اشاعت و طباعت وغیرہ کے متعلق زیادہ گفتگو فرمائی۔ باتوں باتوں میں میری مالی حالت کا پتہ لگایا۔ میرے مکان کی شکستگی گو میرے مسلمان ہونے کا ثبوت دیتی تھی مگر وہ متاثر رہے۔ میں بھی حیران تھا کہ میں ایک عالی منزلت مہمان عزیز کی کیا خاطر کروں اور میں نے خود اپنے مکان کا جائزہ لیا تو ہے:

میرے گھر مثلِ تبرک کے یہ ساماں نکلا
آستیں قیس کی فرہاد کا داماں نکلا

میرے گھر کوئی چیز ان کو دکھلانے کے قابل نہ تھی۔ ہاں حضرت کے ملبوس مبارک کے کچھ تبرکات تھے جو میں نے ممدوح کو دکھائے اور وہ ان کو دیکھ کر اس قدر شاد و مسرور ہوئے کہ شاید بڑے بڑے تحائف سے اتنے خوش نہ ہوتے۔ اس کے بعد خط و کتابت غیر معمولی طور پر جاری رکھی اور ہر خط میں کتاب ہی کے متعلق ذکر رہا۔

مجھے اپنی ناامیدی اور کسمپرسی کی حالت میں جب میں خوب غور و خوض کر چکا تھا اور سمجھ چکا تھا کہ یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی تو ان کی ذاتِ منبع حسنات ایسی ہی ثابت ہوئی جیسے کہ سوکھے ہوئے دھانوں کے لیے بارانِ رحمت۔ میں محض ان دو بزرگوں کی وجہ سے از سر نو تیار ہو گیا۔ جس طرح ممکن ہو اس کام کو ختم کروں اور نئے خیالات نئے جوش، نئے ولولے دل میں پیدا ہوئے۔ خیالات میں بلندی حوصلوں میں وسعت پیدا ہوئی اور میں نے اس کام کو شروع کیا اسی مہینہ میں مولینا مولوی سید عبد الغنی صاحب قبلہ وارثی بہاریؒ کی خدمت میں مسودات اصلاح کی غرض سے بھیجے۔ مولانا نے میرے مساعی کی خاص قدر افزائی فرمائی اور نہایت ذوق و شوق سے مسودات کی نظرِ ثانی فرمائی چنانچہ دوسری مرتبہ جب میں نے مسودات بھیجے اور جناب ممدوح نے بعد نظرِ ثانی واپس فرمائے تو ایک خط مجھ کو لکھا جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"پرسوں آپ کا خط مورخہ ۵ / مارچ شکر گزاری کا ذریعہ ہوا اور آج مسودات کا پیکٹ رجسٹری کرا کے آپ کی خدمت میں روانہ کیا گیا۔ اس دفعہ مسودات کے واپس کرنے میں بہت دیر ہوئی معاف کیجئے کیونکہ میں ایک تو بوڑھا دوسرے کثیر الاشغال اور تیسرے کسی قدر کاہل بھی ہوں۔ بابِ تسلیم و رضا میں تین جگہ میں نے صفحہ کا صفحہ قلمزد کر دیا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ سوانح عمری کے مصنف کا کام وقائع نگاری ہے نہ لیکچر دینا اور آرٹیکل لکھنا"

بس آپ واقعات بیان کرتے چلے جائیے لوگ اپنے اپنے حوصلے و عقیدے کے موافق خود نتیجے نکال لیں گے اور آپ کو معلوم ہے کہ میں پورب کا رہنے والا ہوں اہلِ زبان نہیں ہوں لیکن اُردو کے الفاظ یا تانیث و تذکیر کی جرأت جو میں کر بیٹھا ہوں تو فرہنگ آصفیہ وغیرہ کتابوں کو دیکھ کر جو اہلِ زبان کی مستند تصنیفات

ہیں۔ اور اس پر بھی اپنی کم علمی و بے بضاعتی کا معترف ہوں اگر آپ کی تحقیق میں کوئی اصلاح غلط ہو تو اس کو قلم زد کر دیجئے۔ اس لیے کہ میری اور آپ کی دونوں کی نیت ایک ہے۔ یعنی کتاب کا حتی الوسع غلطیوں سے پاک ہونا اور بس۔

یہ حصہ جو آج واپس ہوا بہت خوب ہے اور آپ کی محنت اور واقعات کے بہم پہنچانے میں سرگرمی و مستعدی کی بین دلیل ہے اوروں کی تو میں کہتا نہیں مجھے تو اس سے بہت روحانی فائدہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کیونکہ آپ کے ذریعہ سے مجھے وہ باتیں معلوم ہوئیں جو بہت سی مکتوبات اور سوانح عمری پڑھنے سے بھی نہیں ہوئی تھیں۔ خدا کے لیے اس بے بہا کتاب کو چھپوانے کا جلد سامان کیجئے۔ انشاءاللہ چھپوائی کا کام شروع ہونے میں یہ ناچیز بھی ایک حقیر امداد پیش کرے گا اور مجھے تو یقین ہے کہ جس وقت یہ کتاب چھپ کر تیار ہو جائے گی تو درشنی ہنڈی یا پرامیسری نوٹ کی طرح بلا توقف ہاتھوں ہاتھ نکل جائے گی۔ وارثؒ پاک کی برکت سے آپ کو دنیوی اور دینی دونوں طرح کے فائدے حاصل ہوں گے۔

مو لینا کی اس تحریر سے ظاہر ہے کہ انہوں نے کس قدر شفقت و محبت سے اس کام کی طرف توجہ فرمائی اور ہر قسم کی اعانت و امداد کے لیے آمادہ ہو گئے۔ اس خط سے مولانا کے اضطراب شوق کا بھی پتہ چلتا ہے۔ باوجود اس کے کہ کتاب کی خود ہی نظرثانی فرما رہے ہیں مگر اس کی جلد سے جلد اشاعت کے لیے اس طرح فرماتے ہیں کہ "خدا کے لیے اس بے بہا کتاب کے چھپوانے کا جلد انتظام کیجئے۔" یہ الفاظ مولینا کے جذبات پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ مولینا کے اکثر و بیشتر خطوط کتاب کے بارے میں مجھے وصول ہوئے جو بخیال طوالت درج نہیں کئے جاتے۔ مولینا نے اس کتاب کی طرف خاص توجہ فرمائی جس کا میں دل و جان سے ممنون ہوں۔ یہ میں لکھ چکا ہوں کہ نیک نیتی اور دُور اندیشی سے جناب محمد ابراہیم بیگ صاحب قبلہ شیدا وارثی کو اس کتاب سے نہیں بلکہ میری طرز تحریر سے اختلاف تھا ان کی نگاہِ حق آگاہ میں حضرت کی جو ارفع و اعلیٰ شان ہے اس کی بنا پر باوجود حضرت کی صحبت سے بہرہ ور ہونے کے انہوں نے کبھی اس طرف خیال بھی نہیں کیا اور اپنے آپ کو ہمیشہ ناقابل تصور فرمایا مگر دل سے چاہتے تھے کہ کوئی قابل

شخص اس کام کے لیے آمادہ ہو اس بارے میں مجھ سے اکثر گفتگو رہی اور چونکہ ان کا یہ خیال کسی ذاتی مخالفت یا خدانخواستہ کسی بدنیتی پر محمول نہ تھا۔ اس لیے مجھے بھی کئی مرتبہ خیال آیا کہ اگر کوئی قابل شخص اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے تو بہتر ہے اور اس بنا پر ایک مرتبہ میں نے اپنی اور رشید امیاں کی ایک گفتگو کا خلاصہ مولینا سید عبدالغنی صاحب قبلہ وارثی کی خدمت میں لکھ کر ارسال کیا اور استدعا کی کہ واقعات و حالات حاضر ہیں اب آپ خود لکھیئے یا کسی اور شخص کو منتخب کیجئے مجھے یہ منظور نہیں ہے کہ میری جہالت ونا قابلیت کی وجہ سے کام خراب ہو مولینا نے اس خط کا جو جواب رقم فرمایا وہ میں ذیل میں نقل کرتا ہوں :

"آج آپ کا نامہ محبت آموز مورخہ ۱۱ نومبر وصول ہوا جن مضامین کو میں نے قلمزد کر دیا ہے ان کے بارے میں اس دفعہ میں نے کچھ اس سبب سے نہیں لکھا کہ عام اصول پہلے ہی لکھ چکا ہوں اور وہ یہ ہے کہ سوانح نگار کا فرض ہے کہ وہ صحیح و اصلی حالات جہاں تک کہ اس کو مل سکیں سلیقہ سے مناسب عنوانات کے تحت میں درج کر دے اور بس اور جس کی سرگذشت و حالات لکھے خود اس کا ثنا خواں و مدح سرا نہ بنے ورنہ اس کی کتاب پایۂ اعتبار سے ساقط ہو جائے گی۔ اب رہا یہ امر کہ حضرت کے اقوال و افعال میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جن پر لوگ اعتراض کریں گے اس کا خوف و اندیشہ بے جا ہے۔ اس لیے کہ مخالفین و حاسدین کے اعتراضوں سے نہ کوئی بچا ہے اور نہ کبھی بچے گا۔ جناب رسالت مآب ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلّم سے بڑھ کر دنیا میں کسی پیغمبر کے حالاتِ زندگی صحت و تحقیق و تدقیق کے ساتھ نہیں لکھے گئے اور نہ کسی انسان کی زندگی ان سے زیادہ بے داغ ہو سکتی ہے لیکن مخالفین و منکر ان پر اعتراض کرنے سے بھی باز نہ رہے۔ سوانح نگاری کی بڑی کامیابی یہی ہے کہ وہ بہت زیادہ احوال و اقوال جمع کرے اور ان کو دیانت و امانت کے ساتھ بلا کم و کاست سلیقہ کے ساتھ دنیا میں لوگوں کے سامنے پیش کر دے۔ اب رہا یہ امر کہ ہماری طرزِ تحریر فلاں بھائی کے پسند ہے اور فلاں کے نہیں ہے تو اس کی پروا آپ ہرگز نہ کریں جو کام آپ نے جس طرح شروع کیا ہے اس کو آپ اسی طرح اختتام کو پہنچائیں۔ دنیا کے ہر شعبہ میں جتنے لوگوں نے پائداری

اور دائمی نقوش چھوڑے ہیں ان میں سے بہت زیادہ معمولی دل و دماغ کے آدمی تھے لیکن جو کچھ ان لوگوں نے کیا وہ محض استقلال اور یکسوئی سے کیا۔ شیدا میاں جو کچھ فرماتے ہیں وہ نیک نیتی اور خلوص سے فرماتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ حضرت قدس سرہٗ کی جن کے وہ دل جان سے شیدا ہیں ایسی سوانح عمری لکھی جائے جو ان کے خیال و پسند کے موافق ہو اور جیسی وہ خود لکھ سکتے تھے لیکن اس کو تو دیکھئے وہ اہل زبان ہیں شاعر ہیں اور خاص روش کی نثر لکھنے میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں، لیکن ہم اس زندگی میں اہل زبان تو ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ لکھنؤ یا دلی میں پیدا نہیں ہوئے ہیں، نہ شاعر ہو سکتے ہیں اس لیے کہ شاعر فطرتاً پیدا ہوتا ہے اور خلاق عالم نے ہم میں شاعری کا مادہ پیدا ہی نہیں کیا ہے۔ اور طرز تحریر بھی خط کی شان کی طرح ہر شخص کی جدا ہوتی ہے لیکن اس سبب سے یہ نہیں ہو سکتا کہ جس کام پر آپ نے کمر ہمت باندھی ہے اُس کو چھوڑ دیں۔ آپ یہ خیال کر لیجئے کہ آپ یہ کتاب نہ اس دعویٰ سے لکھتے ہیں کہ اس سے بہتر کوئی نہیں لکھ سکتا اور نہ اس خیال سے کہ سب لوگ تعریف ہی کریں گے بلکہ خالصاً مخلصاً اس نیت سے لکھتے ہیں کہ حضرت کے حالات جو مل سکیں وہ ایک جگہ جمع ہو جائیں اب اگر ہم سے زیادہ لائق و قابل انشا پرداز لوگ اس کام کے لیے کھڑے ہو جائیں گے تو اسی مواد سے بہتر کتاب لکھ سکیں گے اور داد تاریخ نگاری و انشا پردازی کماحقہ دینگے اور ہم اپنے معاصرین و لاحقین کو زبان حال و زبان قال سے صرف یہی کہیں گے ؎

وادیم تراز گنج مقصود نشان   گرما نہ رسیدیم تو شاید بہ رسی

آپ بلا پس و پیش اور بلا کسی تذبذب کے اپنا کام کیجئے اور ہر طرف سے اپنے کان بند کر لیجئے بس یہی کامیابی کا گر ہے۔ آپ یقین باور کیجئے کہ میں نے سوچ سمجھ کر آپ کا ساتھ دیا ہے اور آپ کا دل بڑھایا ہے، اور ہمت دلائی ہے۔ انشاءاللہ آپ وارث پاک رح کی برکت سے مظفر و منصور ہوں گے۔

مولینا کے اس والا نامہ سے میں نے یہ سمجھا کہ مولینا خود لکھنا نہیں چاہتے اور یہی منظور ہے کہ میں نے جس بُری بھلی طرز میں اس کتاب کا کام شروع کیا ہے اسی طرح خود ہی ختم کروں میں نے اپنی بے بضاعتی اور نااہلی کی طرف خیال کیا اور حضرت بلبل شیراز کا

یہ شعر پڑھ کر دم بخود رہ گیا ہے:

آسمان بار امانت نتوانست کشید — قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

خداوند کریم مولینا پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے اور جس طرح ان کی ظاہری حیات منبع حسنات تھی اُسی طرح قدر و محبت سے اپنے آخر دم تک میرا ساتھ دیا میں اُس احسان سے تا بہ زیست سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے اس کتاب کا دیباچہ خود لکھنے کا قصد فرمایا اور تقریظ بھی لکھنے والے تھے اور ان کا آخری خط جو مجھکو موصول ہوا ہے اس کا خلاصہ میں بخیال یادگار ذیل میں درج کرتا ہوں۔

"آپ کے دو عنایت نامے چند دن کے فصل سے وصول ہوئے۔ چونکہ پہلا جواب طلب نہ تھا اس لیے اس کا جواب بھیجنے میں عجلت نہیں کی گئی۔ میرے تساہل کے سبب سے آپ کو دوسرا عنایت نامہ بھیجنے کی زحمت اٹھانی پڑی۔ آجکل یہاں بھی سخت گرمی و تپش ہے۔ ذرا حواس ٹھکانے ہو لیں تو تقریظ و دیباچہ لکھوں جب تک آپ کتاب کے طبع میں ہاتھ لگائیں۔"

"افسوس کہ اس خط کے بعد مولانا کا کوئی خط دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ اور یکایک بے شان و گمان ان کی موت واقع ہوگئی"۔

میرے لیے یہ ناگہانی موت کی خبر جسقدر سوہان رُوح تھی وہ بیان سے باہر ہے۔ ایک دن تھا کہ مولانا سے شرف نیاز حاصل تھا اور اُن کی ذات میرے لیے آب حیات تھی کہ اُن کے دم سے میری مُردہ اُمیدیں از سر نو زندہ ہوگئی تھیں اور ان کی ہمت افزائی سے میں مستعد ہو گیا تھا۔ ان کی زندگی اگر کچھ دنوں اور وفا کرتی تو اس کی اشاعت و طباعت میں وہ خدا جانے کتنی سرگرمی دکھاتے۔ مگر افسوس، مولانا حسرتؔ موہانی۔

مٹ رہی ہیں دل سے یادیں روزگار عیش کی
اب نظر کاہے کو آئیں گی یہ تصویریں کہیں

التفاتِ یار تھا اِک خواب آغازِ بہار
سچ ہُوا کرتی ہیں اِن خوابوں کی تعبیریں کہیں!

حق پوشی ہوگی اگر میں جناب حقیقت مآب مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ وارثی

بہاری دوکیل ورئیس گیا) کا تذکرہ اس کتاب کے متعلق اس خاص دلچسپی کا تذکرہ نہ کروں نے مجھکو اسی وقت سے جب سے مولانا سے شرفِ نیاز حاصل ہوا تسخیر کرلیا۔ جس طرح مولینا سید عبدالغنی صاحب اس کتاب کی نظرِثانی وغیرہ فرمانے میں تمام برادرانِ سلسلہ شکریہ کے مستحق ہیں اسی طرح مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ وارثی بھی مستحق ہیں۔ ممدوح کتاب کو اوّل سے آخر تک شاید کئی مرتبہ پڑھا اور سنا ہے اور علاوہ واقعات و حالات کی بہم رسانی کے مختلف ابواب میں نہایت مفید و کارآمد نوٹوں کا اضافہ فرمایا ہے اور اس طرح میری علمی و عملی مدد فرمائی ہے۔ ہمت بڑھانے اور جوش دلانے میں مولوی سیّد غنی حیدر صاحب قبلہ مولینا سے کچھ قدم آگے ہی نظر آتے تھے اور شروع سے ان کو ایک اضطراب تھا کہ کس طرح سے جلد اس کتاب کا کام ختم ہو اور یہ پریس میں پہنچے۔ میں پس وپیش میں تھا کہ ابھی یہ کتاب چھپے کہ نہ چھپے مگر مولوی صاحب قبلہ کا ایسا اصرار تھا کہ جس کا بیان نہیں۔ وہ مجھ سے بہت مُصر ہوئے کہ کسی خوشنویس کو بلازم رکھ کر ان مسودات کو جلد سے جلد صاف کرا لیا جائے تمام مصارف کے وہ متحمل ہوں گے، مگر میں نے گوارا نہ کیا اور باوجود ناسازیٔ طبیعت اور عدیم الفرصتی کے میں نے ان کے اضطراب بے حد سے متاثر ہوکر خود ہی نقل بھی جلد سے جلد کی۔ وہ حضرت سیّدنا مستقیم شاہ صاحب قبلہ وارثیؒ مقیم اجمیر شریف کا مقبرہ بنوانے کے لیے اور قُل وغیرہ کی غرض سے اجمیر شریف گئے تو وہاں سے پلٹ کر دو روز اٹاوہ میں بھی میرے ہی غریب خانہ پر قیام فرما ہوئے اور صاف شدہ کتاب کو نہایت اشتیاق و محبت سے باصرارِ تمام اپنے ہمراہ لے گئے۔ میں نے سمجھ لیا کہ ے :

نگہِ ناز سے مشکل ہے بچانا دل کا

اب ممکن نہیں کتاب جلد سے جلد طبع نہ ہو اور جو ان کی زبان سے نکل چکا ہے وہ پُورا نہ ہو۔ حالات جمع کرنے کا اور کتاب مرتب کرنے کا تو مجھے شوق بہت تھا مگر اشاعت وغیرہ سے جی ڈرتا تھا اس لیے کہ حقیقتاً یہ فطری بات ہے کہ اہلِ دول کے رُوبرو غربا اور اہلِ علم کے سامنے جُہلا اپنی کم لیاقتی و کم مائیگی کے سبب محجوب ہوتے ہیں نیز مجھ میں ایک بڑا نقص یہ بھی ہے کہ حضرت کے فیضِ صحبت سے بالکل بہرہ ور نہیں اور

سے بے حد دلچسپی کا اظہار فرمایا۔ بی بی عائشہ صاحبہ وارثیہ کے خلف الرشید مولوی سید حسن امام صاحب وارثی نے نہایت غور و تعمق سے اس کتاب کا کچھ ابتدائی حصہ ملاحظہ کیا اور اُس پر جن خیالات کا اظہار فرمایا ان کے اظہار سے مجھے حجاب ہے انہوں نے مجھ سے زبانی ہمدردی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ وہ مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ کی زبان مبارک سے یہ سُن کر کہ میں کسی کی امداد اس کتاب کی طباعت وغیرہ کے لیے لینے کو تیار نہیں ہوں، وہ اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ کئی ہزار روپیہ کے صرفہ سے ایک پریس خاص دیوہ شریف میں قائم کر دیں وہاں یہ کتاب طبع ہو اور اس پریس کا کام میرے سپرد رہے مجھے انہوں نے غور کرنے کے لیے وقت بھی دیا، مگر میری ہی غیر معمولی خاموشی اور بے توجہی سے وہ بھی آخر کار خاموش ہو گئے۔

ڈاکٹر سید ریاض حیدر صاحب وارثی (خلف اکبر مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ) نے بھی دلچسپی سے اس کو ملاحظہ فرمایا اور بعض خاص امور کی طرف مجھے متوجہ کیا۔ خاتمۂ کتاب کے بعد مجھے اُن کے قابلِ عمل مشوروں سے بعض مقامات پر کمی بیشی کرنی پڑی۔ انہوں نے ایک نہایت اچھوتا خیال ظاہر فرمایا خدا انہیں کامیاب کرے وہ یہ کہ خداوند کریم راس لائے تو اس کتاب کے متعلق جو اس زمانہ کے مشاہیر و مستند علمائے کرام و مشائخ عظام کی تحریرات ہیں وہ بجنسہٖ و بلفظہٖ ایک میوزیم میں محفوظ کر لی جائیں۔

مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ سے اس کتاب کا تذکرہ سُن کر مولوی علی حسن صاحب وارثی خان بہادر ڈپٹی مجسٹریٹ آرہ بھی اس کتاب کے نادیدہ مشتاق ہو گئے اور خود بخود اس کی طباعت وغیرہ میں حصہ لینے کا اظہار فرمایا مگر اس کی اشاعت وغیرہ سے میں اپنی حالت کے لحاظ سے گریز کرتا تھا اور میں نے نہایت بے باکی اور جسارت سے مولوی سید غنی حیدر قبلہ سے اس کی طباعت و اشاعت وغیرہ کے متعلق اختلاف کیا اور میرا خیال ہے کہ شاید ان کو اُس وقت میری گفتگو کچھ ناگوار خاطر گذری۔ اور انہوں نے خلافِ معمول دیر تک مجھ سے کچھ اس کے متعلق گفتگو نہیں فرمائی مگر اُن کے جذباتِ محبت کب ان کو چین سے بیٹھنے دیتے تھے۔ وہ خود ہی پھر اپنے محبت بھرے خیالات کا اظہار فرمانے لگے۔ مجھے بھی جناب ممدوح کی آزردہ خاطری پر دل ہی دل میں تاسف

ایسی حالت میں ہر قسم کا حجاب و شرم میرے لیے ضروری ہے مگر مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ وارثی نے ایک نہ سُنی اور ان کو شب و روز یہی ذکر و فکر ہو گیا۔ وہ کتاب کے سوا کسی ذکر کو پسند نہیں کرتے تھے انہوں نے بڑی بڑی جگہ اس کتاب کے تذکرے فرمائے ان کی وجہ سے بہت سے بزرگ اس کتاب کے نادیدہ مشتاق ہو گئے۔ کئی مرتبہ آنریبل مولوی سید شرف الدین صاحب قبلہ وارثی (ممبر ایگزیکیٹو کونسل بہار) نے اس کتاب کا تخمینہ وغیرہ دریافت کیا اور جناب ممدوح بے دیکھے اور مجھ سے ملے مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ کی زبان مبارک سے اس کتاب کی تعریف سن کر ایسے مشتاق ہوئے کہ جس کا بیان نہیں اگرچہ مجھ سے اور جناب ممدوح الشان سے خط و کتابت تھی مگر کتاب جن مقاصد کو ملحوظ رکھ کر لکھی گئی ہے ان کا پورا علم مولوی سید غنی حیدر قبلہ ہی سے ان کو ہوا۔ اور جو بے دیکھے ان کو اس کتاب کے دیکھنے کا بے حد شوق ہو گیا۔ وہ جب اس مذاق کے لوگوں سے ملتے تو اس کتاب کا ضرور ذکر کرتے تھے۔ مولینا سید عبد الغنی صاحب قبلہ وارثی حیدر آباد سے پنشن لینے کے بعد اس کتاب کے آخری حصص کی نظر ثانی کے لیے براہ راست اٹاوہ تشریف لانے والے تھے مگر کچھ خاص ضرورتوں کے باعث ان کا قصد ہوا کہ وطن ہوتے ہوئے اٹاوہ جائیں۔ اس زمانہ میں مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ کا ایک والا نامہ مجھے وصول ہوا جس میں تحریر تھا کہ مجھ سے آنریبل مولوی سید شرف الدین صاحب قبلہ سے ملاقات ہوئی تھی تو انہوں نے فرمایا کہ عنقریب مولینا سید عبد الغنی صاحب وارثی بہاری کتاب کے بقیہ حصص دیکھنے کے لیے اٹاوہ جانے والے ہیں اس دلچسپی و شوق سے ظاہر ہے کہ ان حضرات کو اس کتاب کی اشاعت و طباعت کے متعلق کیسا اضطراب تھا۔

مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ نے اس کتاب کی صاف شدہ نقل اپنے خاندان کے لوگوں کو دکھائی اُن کے خاندان کی خواتین میں یہ کتاب خاص دلچسپی و قدر سے دیکھی گئی۔

بالخصوص مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ کی اہلیہ محترمہ سیدہ بی بی محمود النساء صاحبہ اور مخدومہ معظمہ سیدہ بی بی عائشہ صاحبہ رئیسہ گیا سلمہا اللہ تعالیٰ نے تو اس کتاب

تھا اس لیے بجز ان کی ہاں میں ہاں ملانے کے کوئی چارہ نظر نہ آیا اور ان کے فرمانِ محبت پر سرِ تسلیم خم کر دیا ؂ حسرت موہانی

عشاق کے دل نازک اس شوخ کی خو نازک
نازک اسی نسبت سے ہے کارِ محبت بھی

مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ وارثی کو اگر میں اس کتاب کی تالیف و اشاعت کا سبب کہوں تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کیونکہ اُن سے شرفِ نیاز حاصل ہونے سے قبل کتاب کی یہ حالت نہ تھی اُن سے ملنے کے بعد اُن کے ذوق و شوق سے متاثر ہو کر میں یکسوئی سے اس کام میں مصروف ہو گیا اور یہ موجودہ صورت قائم ہو گئی۔

ناظرین میرے اس بیان سے اُن کی معاونت و دستگیری کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کتاب کے متعلق مجھے جتنی اور جس قسم کی دشواریاں پیش آئیں اور جو جو امور حائل ہوئے اُن سب میں سے نکالنے کے لیے مجھے اُنہیں کا مبارک ہاتھ نظر آیا جو نہایت فراخدلی و کشادگی سے آغوشِ محبت کی طرح میری طرف پھیلا ہوا تھا مجھے جو کچھ بھی اپنے خیال کے موافق اس کام میں کامیابی ہوئی ہے اور جو محنتِ شاقہ میں نے اُن سے مل کر تین چار برس برداشت کی ہے یہ انہیں کا سبب ہے جو تعلق اور محبت اور تقرب ان کو حضور وارث پاکؒ سے حاصل ہے اور جس کی وجہ سے اُن کو اس کتاب سے ایک غیر معمولی محبت اور اُنس ہو گیا۔ اور جیسی تنبیہہ و تہدید سے اُنہوں نے شب و روز مجھ سے کام لیا اُس کی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ کتاب اُنہیں کی محبت کی ایک یادگار ہے۔ میں ایک محض ناکارہ شخص ہوں۔ میں خود کیا کر سکتا تھا۔ اگر حضور وارث پاکؒ کے فیضانِ باطنی میرے شاملِ حال نہ ہوتے جو روح کہ اُس مسیحا نفس نے اپنے غلاموں میں پھونک دی ہے یہ اسی کا کرشمہ ہے جس کا ظہور ہمدردی و محبت کی شکل میں میرا ممد و معاون ہوا میں اُن سب برادرانِ سلسلہ کا بے حد شکر گذار ہوں جنہوں نے واقعات و حالات سے مدد فرمائی اور جن کے اسمائے گرامی اس کتاب میں بسلسلہ روایات درج ہیں۔ دیگر سلاسل کے مقدس علمائے کرام و مشائخ عظام نے جو کچھ واقعات و حالات میں مدد فرمائی اُس کا خاص اثر میرے قلب پر ہے۔

بالخصوص حضراتِ ذیل کی شفقت و تلطف کا بدرجۂ غایت ممنونِ احسان ہوں، اور صرف میں ہی نہیں اُس کتاب کے پڑھنے اور اس سے فائدہ اُٹھانے والے ہمیشہ اس کے معاونوں کو دعائے خیر سے یاد رکھیں گے۔

حضرت سند المحدثین زبدۃ العارفین حضرت مولینا مولوی قیام الدین عبدالباری صاحب قبلہ مسند آرائے فرنگی محل لکھنؤ۔

حضرت سیدنا و مولانا ابو محمد شاہ علی حسن صاحب قبلہ کچھوچھوی۔

حضرت مولینا شاہ محمد کریم رضا صاحب چشتی نظامی، اشرفی درویشی (مقیم دہلی)

حضرت مولینا شاہ حاجی سید محبوب عالم صاحب قادری البغدادی۔

حضرت مولینا شاہ محمد سلیمان صاحب چشتی قادری پھلواری۔

حضرت مولینا حسام الدین صاحب فضلی مؤلف انوار العیون ولباس المحبوب وغیرہ (پنشنر ڈپٹی کلکٹر ورئیس سراوہ ضلع میرٹھ)۔

حضرت مولینا محمد وصی علی صاحب علوی قلندری، کاکوروی (مقیم اٹاوہ)

حضرت مولینا محمد ناظم علی صاحب فضلی نائب مہتمم مدرسۂ عالیہ فرقانیہ لکھنو۔

حضرت مولوی حافظ سراج الدین صاحب خلیفہ حضرت نوری میاں صاحب مارہرویؒ۔

ان بزرگوں کے علاوہ میں اُن سب اصحاب کا بدرجۂ غایت ممنونِ کرم ہوں جنہوں نے میرے معروضات پر خیال فرمایا اور جن کی وجہ سے یہ سرمایہ جمع ہوا۔

میرے مکرم دوست سید نظام الدین شاہ صاحب قادری دگیرا اکبرآبادی ایڈیٹر نقاد آگرہ نے میرے مساعی سے خاص دلچسپی کا اظہار کیا اور اپنے سلسلۂ مرتبہ نقاد میں اس کتاب کے متعلق اظہارِ مسرت فرمایا۔ اسی طرح مخدومی حاجی سید غفور شاہ صاحب وارثی الحسامی نے آخر وقت تک کتاب سے گہری دلچسپی فرمائی حضرت کے حالات وغیرہ جس طرح اُن کو دستیاب ہو سکے مرحمت فرمائے۔ اخبارات میں اس کتاب کے متعلق قبل اشاعت اپنے پاکیزہ خیالات کا اظہار فرمایا۔ اُن کی محبت و لطف کا ممنون

ہوں۔ میں اخبار مشرق گورکھپور اور اخبار قیصر ہند فیض آباد کا بھی شکر گذار ہوں کہ
قبل اشاعت ان معزز اخباروں نے اس کتاب کے متعلق مضامین شائع کئے۔
نظام المشائخ دہلی میں بھی جناب ملا محمد الواحدی صاحب نے ملک کو اس کتاب
کے مستند حالات کی طرف ایک نوٹ لکھ کر متوجہ فرمایا۔ خداوند کریم انہیں
جزائے خیر دے۔

اب میں اس کتاب کے متعلق کچھ عرض کروں گا۔ میں نے جن مقاصد کو ملحوظ
رکھ اس کام کو شروع کیا وہ پہلے لکھ چکا ہوں یعنی حضرت کے حالات و واقعات
مصدقہ ہوں اور بہت زیادہ جمع کئے جائیں اور جو روایات درج ہوں ان کے
راوی صرف مریدین عقیدت گزیں ہی نہ ہوں بلکہ دیگر سلاسل کے محترم بزرگوں اور
تعلیم یافتہ اصحاب سے بھی خط و کتابت کی جائے۔ میں نے اپنے مقدور بھر اس میں
کوشش کی جس کا حال کتاب کے مطالعہ سے خود ظاہر ہوگا کہ کن کن لوگوں سے
کہاں کہاں خط و کتابت کی گئی۔

میری خط و کتابت موجودہ واقعات و حالات تک بھی محدود نہیں ہے بلکہ
اکثر خط و کتابت بے نتیجہ ثابت ہوئی اس کا تذکرہ بے محل ہے۔ بہر کیف سرمایہ جمع ہوا
اور اس کو اچھے یا برے طریقہ سے جو میرے امکان میں تھا میں نے مرتب کیا۔ حضور انور
کی مقدس زندگی کا آغاز جس باب سے ہوتا ہے اُس سے لے کر ایک آخر تک اگر
بغور دیکھا جائے تو پوری کتاب حسن و عشق کا ایک افسانہ ہے۔

حضور انور کی بات بات میں محبت کی تعلیم ہوتی تھی جو آپ کے واقعات حیات
سے اظہر من الشمس ہے۔ میں جانتا ہوں کہ جن کی مبارک نگاہوں میں اُس عرفانی تجلّی نے
چکا چوند کا عالم پیدا کر رکھا ہے اور وہ حضور پُر نُور کی ایک ایک ادائے دلستاں پر
اپنی ہستی کو خاک میں ملا چکے ہیں اُن کے نزدیک حضور انور کے یہ واقعات و حالات کوئی
اہمیت نہیں رکھتے۔ وہ خدا جانے کیا کیا دیکھ چکے ہیں، یا جن مذہب و تصوّف کے دلدادوں کو
تصدیق و یقین کی دولت حاصل ہے اور ایمان بالغیب اُن کا شعار ہے وہ ان واقعات
سے متاثر ہوں گے نہ معترض۔ مگر جن مغربی تمدّن و معاشرت کے ہوا خواہوں کو مذہب

تصوف کی طرف میلان نہیں ہے وہ اُن واقعات کو جو کرامات و خوارق عادات پر مشتمل ہیں شاید تعجب کی نگاہوں سے دیکھ کر اور خلافِ فطرت سمجھ کر صحیح باور نہ کریں۔ میں نے اس کتاب میں خوارق عادات و کرامات کے عنوان سے کوئی باب نہیں لکھا ہے اور نہ اہلِ تصوف کے نزدیک خرق عادت یا کرامت کوئی وجاہت رکھتی ہے اور نہ میں اس بحث پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں کیونکہ متعدد کتابیں ان مباحث پر شائع ہو چکی ہیں۔

حضرت کے جو کچھ بھی واقعات کرامت آیات ہیں وہ فطری ہیں جو ابتداء سے ظہور پذیر ہوتے رہے آپ کے کرامات و خوارق عادات کے ثابت کرنے کے لیے دلائل و براہین کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس وقت ہر مذہب و ملت میں اس لعل شب چراغ ولایت کے دیکھنے والے موجود ہیں اور تمام عالم میں اس کی ولایت تامہ کا پرچم لہرا رہا ہے۔ کونسا ملک ہے جہاں ان کے نام لینے والے نہیں ہیں۔ اس وقت ہزاروں لاکھوں ہر مذہب و فرقہ کے لوگ موجود ہیں جو حضرت کی بات بات میں خرق عادت و کرامت کا مشاہدہ کر چکے ہیں ایسی بیّن شہادت کے لیے جو آفتاب سے زیادہ روشن و ہویدا ہو کسی دلیل و حجت کی ضرورت نہیں ہے۔

حضور انور کی جانب جو بے حد و بے حساب رجوع خلائق تھی وہ عدیم النظیر تھی کیا بات تھی کہ ہر شخص شیفتہ فریفتہ نظر آتا تھا اور عرب و عجم میں ان کی ولایت نامہ کے پھریرے اُڑنے لگے۔ حضور انور کی دلوں پر حکومت تھی جس سے ہر شخص متاثر تھا۔ اور آپکی شان و عظمت کو دیکھتے ہوئے وہ خوارق عادات و کرامات جو اس کتاب میں درج کئے گئے ہیں کچھ بھی نہیں ہیں اور شاید اسی وجہ سے بافہم اور ذی علم حضرات نے اس بارے میں سکوت فرمایا ہے مجھے جس قدر واقعات و حالات فراہم ہوئے ہیں ان میں سے اکثر واقعات میں نے خود اس کتاب میں درج نہیں کئے۔ جس کی یہ وجہ ہے کہ ایک ہی طرح کے بکثرت واقعات و حالات کا درج کرنا بے سود ہے میں نے نمونہ کے طور پر واقعات لے لیے ہیں دیگر اقسام کے واقعات بھی اگر باضابطہ اور باقاعدہ طریقہ سے حضرت کے سوانح زندگی مرتب کرنے کا التزام ہوتا تو بکثرت مل سکتے۔ تھے مگر اس کے لیے بڑے التزام کی ضرورت تھی اور یہ کام اہلِ دل اور ذی علم حضرات کا تھا۔ میں نے

جس قدر حالات و واقعات لیے ہیں ان میں اپنے امکان بھر صحت و سند کا خیال رکھا ہے اور آپ کے واقعات روحانیت سے اسوقت مشرقی خیال کے افراد ہی متاثر نہیں ہیں بلکہ بڑے بڑے فلسفی و منطقی جو نئی روشنی اور نئے خیال میں غرق ہیں محو حیرت ہیں جس کا کسی قدر نمونہ اس کتاب میں نظر آئے گا۔

میں نے اس کتاب میں عالم برزخ کی ایک مخلوق یعنی جنات کا بھی ذکر کیا ہے اور بزرگوں سے وہ روایات منقول ہیں وہ مستند ہیں اور ان کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں ہے مگر یہ باب شاید اُن لوگوں میں نہایت حیرت ناک سماں پیدا کرے گا۔ جو وجودِ جن کے قائل نہیں اور جن کو دہریت و مادیت کے اثر نے مرعوب کر رکھا ہے مگر ان کے پاس وجودِ جن کے ابطال کی بجز یورپ کی اندھی تقلید کے کوئی دلیل نہیں ہے۔ مجھے دیانت و ایمانداری کے ساتھ ان واقعات کو دکھانا ضروری تھا کیونکہ میں قائل ہوں اور ایمانداری کے ساتھ تسلیم کرتا ہوں کہ یہ صحیح ہے۔ بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ نے بتواتر اپنے مشاہدات جنات کے متعلق بیان کیے ہیں جتنے بڑے بڑے اولیاء و اقطاب گذرے ہیں سب کے سوانح اور تذکروں میں جنات کا ذکر ہے۔ حضرت سید العالم غوث الاعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا جو سب سے معتبر تذکرہ مسمی بہ بہجۃ الاسرار ہے اور روایتہً صرف ایک یا دو واسطہ سے اس کی روایات مصنفِ کتاب تک پہنچی ہیں۔ اس میں بھی کئی جگہ جنات کا ذکر ہے۔

علیٰ ہذا القیاس امام عبد الوہاب شعرانیؒ نے اپنا مشاہدہ جنوں کے متعلق لکھا ہے۔ ایسی حالت میں یہ بات میرے ضمیر کے خلاف تھی کہ میں آنکھ والوں کی شہادت کے مقابلہ میں اندھی تقلید کو ترجیح دوں اور اس قسم کے واقعات کے اندراج سے گریز کروں۔

میں نے خوارق عادات و کرامات کا حضرت کے فضائل و محامد کے ضمن میں ذکر نہیں کیا ہے اور نہ میں آپ کے فضائل و محامد میں خوارق عادت و کرامات کو کوئی چیز سمجھتا ہوں۔ یہ سب واقعاتِ زندگی ہیں اور دیکھی بھالی باتیں ہیں مگر ان سے چشم پوشی کرنا امانت و دیانت کے خلاف تھا۔ زیادہ تر غور و تعمق سے دیکھنے کے قابل

حضرت کے عادات و صفات اور وہ اخلاق مصداق اِنَّكَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیْمٍ ہے جس کی تقلید سے ایک عالم روحانی مدارج و معراج ترقی کے منازل طے کر سکتا ہے۔

آپ کی پاک اور مقدس زندگی جو ابتدائ سے انتہا تک سبق آموز رشد و ہدایت ہے۔ ایک نمونہ پیش کر رہی ہے کہ مردانِ خدا میں غیر معمولی خوبیاں ہوتی ہیں۔

تمامی نفسانی خواہشات و منہیات سے فطری طور پر محترز رہنا ہر قسم اور ہر مذاق کے افراد سے ملنا اور اخلاق سے پیش آنا۔ اس امر پر صاف طور پر دلالت کرتا ہے کہ ایسے مقدس نفوس خدا کی طرف سے بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں جن کی بزرگی و برتری کو دنیا کے حوادث کسی طرح نہیں مٹا سکتے۔ حضرت کے وہ عادات و خصائل جن کو مجاہدات سے متعلق سمجھنا چاہیئے جیسے پابرہنہ رہنا اور زمین پر سونا، دائم الصوم رہنا، تمامی عیش و تنعم کی باتوں سے اجتناب کرنا۔ ایک حالت میں زندگی بسر کر دینا۔ وغیرہ وغیرہ۔

ایسے امور ہیں جو فطرتِ انسانی کے خلاف متصور ہوتے ہیں مگر یہ اس امر کی ایک بیّن دلیل ہے کہ جو شخص ازلی سعادت سے بہرہ ور ہو خداوند کریم اس کو کس درجہ اپنے نفس پر قادر بنا دیتا ہے۔

آپ کی زندگی جیسی بے لوث اور پاک گذری اس کی مثال مشکل سے ملے گی باوجود اس کے تمام عمر آپ نے تجرّد میں بسر فرمائی مگر کسی متنفس کو از راہ بغض و حسد بھی حضور انور کو کسی نفسانی بداخلاقی کی طرف متہم کرنے کا موقع نہ ملا اور بڑے بڑے پاکبازوں نے آپ کی پاکدامنی کی قسم کھائی۔ حقیقتہً یہی وہ اوصاف ہیں جن کی تقلید انسانی زندگی کو اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج پر پہنچا سکتی ہے۔ آپ کے وہ اقوال و ملفوظات جو تبرکاً دیکھے جائیں گے۔ حقیقتہً منبع فیوض و برکات ہیں جو توحید و عشق اور تصدیق و یقین کی تعلیمات سے بھرے ہوئے ہیں اور ان کے اثرات فوراً قلب پر مترتب ہوتے ہیں۔ انکے دیکھنے سے یہ بات اچھی طرح متحقق ہوتی ہے کہ آپ کی نگاہ حقائق آگاہ میں کس قدر ہر بات کے کمال پر نظر تھی۔ آپ کے سب اقوال ایک ہی قسم اور ایک ہی طرح کے نہیں بلکہ اکثر مختلف ہیں، مگر سب میں حضور انور کے مذاق عشق و توحید، تصدیق و یقین کی پوری جھلک

ہے۔ جتنے حالات وملفوظات اس کتاب میں درج کیے گئے وہ کثیر روایات سے منتخب شدہ ہیں جتنے حالات وملفوظات مجھے دستیاب ہوئے میں نے سب درج نہیں کیے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ہی قسم یا ایک راوی کی ایک ایک طرح کی دو دو چار چار روایتیں درج کرنا فضول تھیں بعض روایتیں میری نظر میں خاص مقصود ہوئیں اس لیے

ان کے اندراج سے پہلوتہی کی گئی۔ بعض روایات اگرچہ نئی طرز کی دستیاب ہوئیں مگر اس طرز کی روایتیں چونکہ اور راویوں سے نہیں ملیں اور ایسی حالت میں اندیشہ تھا کہ مبادی ان روایتوں کی صحت میں لوگ شک کریں اس لیے میں نے ان کے درج کرنے سے احتیاط کی غرض کہ مختلف وجوہ سے اکثر روایتیں چھوڑ دی گئی ہیں، اور مجھے ان اصحاب سے امید ہے جن کی روایتیں چھوٹی ہیں کہ وہ میری فروگذاشت کو معافی کی نظر سے دیکھیں گے۔ کیونکہ ایک ہی طرز کی روایتوں کی بھرمار یا خاص روایات کی اشاعت جو ان کے علوئے مرتبت کی بھی خبر دیتی ہے ان کے اندراج سے لوگ راویوں کی خود نمائی سمجھتے اور ایک روحانی نقصان کا اندیشہ تھا۔

جن روایتوں کو میں نے بالکل نظر انداز کیا ہے اُس پر بُرا ماننے کی ضرورت نہیں مجھے راویوں کی صداقت میں ذاتی طور پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ اگر اس طرز کی روایتیں اس کتاب کی اشاعت کے بعد بھی مجھے دستیاب ہوئیں تو میں دوسرے ایڈیشن میں ان کی روایتوں کو بھی درج کردونگا۔ مجھے اس بات کا ایمانداری کے ساتھ اعتراف ہے کہ حضرت کی مقدس زندگی کے تمامی واقعات تو درکنار رہے ان کا عشرِ عشیر بھی مجھے دستیاب نہیں ہوا اور دس گیارہ برس کے عرصہ میں آخر میں تنہا کیا کیا کرتا۔ واقعات وحالات بھی مختلف مقامات سے جمع کرتا اور لاکھوں کروڑوں آدمیوں کے پتے لگاتا، اُن سے خط وکتابت کرتا ہزاروں جگہ سفر کرتا پھر کتاب کو مرتب بھی کرتا — یہ سب کام ایک بے مایہ اور پریشان روزگار شخص کے امکان سے باہر ہے میں اپنی بساط کے موافق جو کر سکتا تھا وہ میں نے کیا اور یہ میرا خیال ہے اور بالکل سچا خیال ہے کہ اس فکر وتجسس میں میری عمر ختم ہو جاتی مگر حالات کی فراہمی کا کام ختم نہ ہوتا کیونکہ تمام اطرافِ عالم میں کونسا حصہ ہے جہاں اُس حُسن دلکش کے دیوانے نہیں رہتے، کونسا قریہ ہے جہاں کے رہنے والے اُس زلفِ مسلسل کے سلسلہ میں داخل نہیں ہیں کون

مقام ہے جہاں اس چشم نرگسیں کے مخمور نہیں ہیں. میں کہاں کہاں خطوط نویسی کرتا اور میں کیا اثر ظاہر ہیں اس سعی و کوشش میں قاصر و معذور تھا اور ہے۔

میں پہلے سے سمجھ رہا ہوں اور اب بھی خوب سمجھتا ہوں کہ میری کوشش نہایت قلیل حدود تک محدود ہے. میں اپنی چھوٹی سی ہمت کے موافق کیا کر سکتا تھا میں نے جو کچھ کیا اُسکے قابل بھی نہیں ہوں مگر جس کام میں خدا کے پیاروں کا ذریعہ اور وسیلہ ہو جاتا ہے اس میں غیب سے مدد ہوتی ہے اور جو عطیہ ہوتا ہے وہ سائل کے ظرف کے موافق ہوتا ہے مجھے جو کچھ ملا بہت ملا اور بڑا شخص اگر اس کام میں ہمت باندھ لے گا تو اسے اس سے زیادہ ملیگا. میں اسی کو بہت سمجھتا ہوں ؎ :

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں میں اول سے آخر تک محض اس کی مدد سے اپنے ارادہ میں ثابت قدم رہا. اگرچہ بہت سی لغزشیں ہوئیں حوادث کے سلسلے ہوئے ناکامیوں سے سابقہ پڑا. بے اعتنائیوں سے کام رہا، تذبذب میں گھرا رہا. مگر ہر ایک اُلجھن خود بخود نکل گئی، اور بفضلہٖ حضرت کی مقدس روحانیت میرے آڑے آ گئی. جن لوگوں نے مدد کی جن کی ذات سے میری ہمت افزائی ہوئی. یہ ان کے کوئی ذاتی افعال نہ تھے وہ بے چارے کیا کر سکتے تھے اور کیا کر سکتے ہیں آخر انسان ہیں اور ضعیف البنیان یہ سب حضور پُر نور کی مقدس اور خداداد روحانیت کا صدقہ ہے کہ انہوں نے اپنی شان بخشش کے صدقہ میں میری لاج رکھ لی۔

آخر میں بُرا تھا یا بھلا اُنہیں کا تھا اور اُنہیں کا ہوں اور اُنہیں کا کہلاؤں گا. وہ اغیار کے آڑے وقتوں میں کام آتے ہیں میرے نہ آتے ؟ لوگوں کی دستگیری کرنا ان کا آبائی کام ہے اگر انہوں نے میری مدد کی تو کون تعجب ہے میں تو انہیں کا مقدس نام جپ رہا ہوں اور ازل سے انہیں کے نام پر فدا ہوں ؎ :

حشر میں ناسخ یہی اپنا کہونگا سلسلہ ــــــ میں اسیرِ حلقۂ گیسوئے سیدزادہ ہوں

میں حالات کے اس سرمایہ کو جو کتاب کی صورت میں ہے ملک میں پیش کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ اگر میری طرزِ تحریر یا میری سعی بے مقدار سے ان کے توقعات

پورے نہ ہوں تو مجھے مجبور سمجھیں اس لیے کہ میں خود اپنے بے بضاعتی اور نا اہلی کا معتر ہوں اور ان حالات کو بالکل نامکمل سمجھ رہا ہوں مگر شاید اس وقت اگر اس قدر کوشش بھی نہ کی جاتی تو آگے چل کر واقعات وحالات تو بہت ملتے اور جو لکھیں گے ان کو ملیں گے. مگر جو راوی اس کتاب میں ہیں ان میں سے بعض نہ ملتے جیسے مولینا سید عبدالغنی صاحب قبلہ وارثی بہاری اسی سال ہم کو داغ مفارقت دے گئے اور ان کی طرح اکثر وابستگان سلسلہ جو علم وعمل کے اعتبار سے سرمایۂ فخر وناز تھے وہ اس سے بھی پہلے اس جہان فانی کو خیرباد کہہ چکے میرا خیال یہ ہے کہ یہ کام اگر آج سے پندرہ سولہ برس پیشتر شروع ہوتا تو حضرت کے اکثر صحبت یافتہ راوی بڑے پایہ کے ملتے مگر آئندہ چل کر اگر ایسی محدود اور تنگ کوششوں سے بھی جیسی کہ میں نے کی ہیں یہ کام کیا جاتا تو اتنے بھی نہ ملتے. اسوقت تک جو حضرت کے حالات میں کتابیں لکھی گئی ہیں ان کے مصنفین نے کتابوں کو لکھتے وقت اپنے مذاق طبیعت کا خیال رکھا اور اسی مذاق پر کتاب کو ختم کر دیا ہے، حالانکہ ارباب حقیقت کی نظر میں حضور انور تمامی اوصاف ظاہری وباطنی کے مظہر اتم تھے. اور کسی نبی یا ولی کی زندگی ایک مذاق پر مبنی نہیں ہوسکتی اسکو مختلف الخیال لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے. ان کے خیالات کی اصلاح پر وہ خدا کی طرف سے مامور ہوتا ہے حضرت کے بعض تذکرہ نویسوں نے اس مذاق کے لحاظ سے روایتیں کی ہیں اور اسی مذاق سے حضرت کو دیکھا ہے اور اسی کا ان کو پتہ چلا ہے.

میں جانتا ہوں کہ اکثر وبیشتر لوگوں کو حضرت کا فیض صحبت نصیب ہوا ہے مگر قرب واختصاص میں ان ظاہری امور پر نظر نہیں ہوتی جو آئے دن مشاہدہ میں آتی ہیں اور جن پر دوری رکھنے والوں کی غائر نگاہیں پڑتی ہیں جن کو بہت زیادہ اس گوہر یکتائے محبوبیت سے شرف حضوری حاصل ہوا ہے وہ ان تجلیات ہی سے متحیر وبے خود ہیں وہ کیا زبان کھولیں اور اس حسن کے کرشمے کس طرح بتائیں. جو اس ٹھکانے ہوتو لکھیں خاطر جمع ہو تو کچھ سنائیں. مولانا حسرت موہانی ؎

سب ہیں تری انجمن میں بے ہوش — نظارۂ حسن کا ہو کسے ہوش
بیہوش کیا ہے سب کو تو نے — اب جسکو خدا دے ہوش وے ہوش

ہو جاؤ نثار حضرت عشق — اے دانش والے قرار والے ہوش
تم آئے کہ ختم ہو گئے ہم — باقی تھے مگر اسی لیے ہوش

جن کو حضور انور کے حقیقی جلوے نظر آئے اُن کی زبانوں پر تو مہر سکوت لگا دی گئی وہ تو کچھ کہہ ہی نہیں سکتے۔ مگر حضور انور کے حسن کے کرشموں نے ایک عالم کو دیوانہ بنایا ان کی تجلیات بھی ہم ظاہر بینوں کے مشاہدے میں پوری نہ آئیں حضرت یاس ٹونکی ہے:

حیرت کے پردے ڈالدیئے جلوہ گاہ پر
وہ بے حجاب ہو کے بھی سب سے نہاں رہے

جس قدر زیادہ حضور انور کے حالات و واقعات پر غور کیا جاتا ہے اس سے اتنا ہی سمجھ میں آتا ہے کہ ہم کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ جسقدر حضور انور کے سوانح حیات سے واقفیت تام پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس کا نتیجہ بھی مرتب ہوتا ہے کہ ہم کچھ نہیں جانتے جو نہیں جانتے وہ ظاہری واقعات کو پیش کرتے ہیں۔ جانتے ہیں وہ خاموش ہیں۔ ہم لوگوں نے اپنے ظرف و استعداد کے لحاظ سے حضور انور کو دیکھا اور وہیں تک آپ کے مراتب و مدارج کا انحصار سمجھا جہاں تک ہمارے فہم و دانش کی رسائی تھی۔ مگر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس وقت کے بڑے بڑے علما، بڑے بڑے مشائخ جن سے ایک عالم ارادت و عقیدت رکھتا ہے حضور انور کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں اور آپ کے روحانی حالات و عرفانی تجلیات سے متاثر ہیں اور ان کا کماحقہٗ اظہار، خواہ بخیال تجاہل عارفانہ یا ہماری کم ظرفی و نااہلی کے سبب سے ہم سے نہیں کرتے اور اس طرح اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہیں۔ تو ہم ان غیر جانبدارانہ شہادتوں سے یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ ہم لوگ جو عوام الناس میں شامل ہیں ہرگز حضرت کے محامد و محاسن اور واقعات و حالات لکھنے کا دعویٰ نہیں کرسکتے۔ اور نہ ان کی کچھ حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہ اہل باطن کا کام ہے۔ میں نے صرف ظاہری حالات میں بالاختصار اس کتاب کو مرتب کیا ہے اور میری تحقیق و دریافت جن ظاہری طریقوں تک محدود ہے وہ مخفی نہیں ہے کہ خط و کتابت وغیرہ ہی میں ہیں نے محض ملفوظات وغیرہ اپنے ناقص فہم کے موافق جو شرح کی ہے وہ بھی ظاہر امور پر مبنی ہے اور میں ایمانداری کے ساتھ

اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ حضور انور کے کلمات طیبات کے رموز و معانی کی حقیقت نہ خود میں سمجھ سکتا ہوں اور نہ دوسروں کو سمجھا سکتا ہوں، ہاں ان کی خداداد روحانیت جس پر ان حقائق و معارف کا انکشاف کر دے ان کی تقدیر یہ قابل رشک ہے:

نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے — وہ اپنی خوبیٔ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

مجھے اپنی بے سرو سامانی کا پورا اقرار ہے اور امر حق کے اظہار میں کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا میں معترف ہوں کہ حضور پُر نور کے کما حقہ حالات ہر قسم کے اگرچہ بہت ملے مگر بعض جدید واقعات میرے ذہن میں ہیں جن کو میں اس خیال سے بھی درج کتاب نہیں کر سکتا کہ ان کے متعلق ان راویوں کی تحریرات میرے پاس نہیں ہیں میرے خاندان کے لوگوں کے بیان کردہ وہ واقعات ہیں اور اس وقت وہ اس عالم میں نہیں ہیں۔ اس طرح یہ بات میرے علم میں بھی بخوبی ہے کہ میں نے اگرچہ اکثر و بیشتر واقعات اس کتاب میں مستند طور پر درج کئے ہیں مگر بہت سے صحیح ان جدید قسم کے واقعات خود بھی چھوڑ دیئے ہیں اور اس طرح اپنی چھوٹی بساط اور پست ہمتی کا اعتراف کرتے ہوئے بھی اپنی محدود کوشش کو بالکل ناتمام سمجھ کر حضرت حسرت موہانی کا یہ شعر اپنی زبان سے ادا کرتا ہوں ؎

ادا نہ ہم سے ہوا حق تری غلامی کا
نصیب شوق رہا داغ ناتمامی کا

کاش میرے ناچیز مساعی بارگاہِ وارثی میں قبول ہوں اور ثنا خوانی اہلِ بیعت میری نجات کا ذریعہ ہوئے:

الٰہی بحق بنی فاطمہ،
کہ بر قولِ ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی در قبول،
من و دست و دامانِ آلِ رسولؐ،

آخر میں مجھے اپنے برادرانِ سلسلہ اور دیگر برادرانِ طریق و برادرانِ اسلام سے امید ہے کہ وہ میری غلطیوں اور لغزشوں سے جو انسانی کمزوریوں کا خاصہ ہے درگذر فرما کر حقیقت پر نظر رکھیں گے اور میرے علم و عمل کے لحاظ سے

بخیال پردہ داری میری برائیوں سے چشم پوشی فرمائیں گے اور جناب علی مرتضیٰ ؓ شیر خدا کے اس زرین قول کے بموجب کہ :
"تم یہ نہ دیکھو کہ کون کہتا ہے اس پر غور کرو کہ کیا کہتا ہے"
اصل بات پر نظر رکھیں گے ؎ :

گو من آلودہ دامنم چہ عجب
ہمہ عالم گواہ عصمت اوست ،

فضل حسین صدیقی وارثی عفی عنہٗ
اٹاوہ
۹ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ
وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ بِعَدَدِ کُلِّ حُسْنِہٖ وَجَمَالِہٖ

اسمِ گرامی

حضرت اقدس

فانی فی اللہ باقی باللہ آیۃٌ من آیات اللہ
منہٗ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ

حضرت سید الکاملین امام الاولیا سیدنا ومولینا

حاجی حافظ سید وارث علی شاہ طاب ثراہ

آپ بطنِ مادر سے ولی پیدا ہوئے تھے آپ کی کتاب عمر کا دیباچہ عشق الٰہی کے عنوان سے شروع ہوا تھا اور خاتمہ کتاب پر فنافی الذات کی مُہر لگی ہوئی تھی یہی وجہ ہے کہ قدرتاً آپ کا نام نامی بھی خداوند عالم کے اسی مقدس و بزرگ نام سے ممتاز ہوا جس میں آپ فنا ہونے والے تھے۔ اکثر اولیائے کرام کے اسمائے گرامی میں یہ بات دیکھی گئی ہے کہ خدائے برتر کے جس مقدس نام میں فنا ہوئے ہیں وہی ان کا نام مشہور ہوا ہے۔

جسطرح حضرت سلطان الاولیا محبوب سبحانی قطب ربانی سیدنا محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ محیی میں فنا ہو کر احیائے دین کا باعث ہوئے اور اسی لقب سے ملقب کئے گئے اسی طرح "اَلْوَارِثُ" خدائے برتر کا نام ہے اور اس کے معنی ہیں فنائے عالم کے بعد قائم رہنے والا اِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ (یعنی اس میں شک نہیں کہ ہمیں زندہ رکھتے ہیں، اور ہمیں مارتے ہیں اور ہمیں سب کے وارث ہیں۔ ہماری بقا دائمی ہے) اکثر بزرگوں کا بیان ہے کہ مسئلہ فنا و بقا کے حل کرنے میں آپ کو خاص ملکہ تھا۔ صرف

لفظ وارث یا وارثِ پاکؒ ہی سے حضورِ انور مشہور و معروف ہوئے۔ جس سے ثابت ہے کہ حضرت رب العزت نے حضور کو اپنے صفاتِ ذاتی میں سے ایک ممتاز صفت مرحمت فرمائی تھی یعنی اپنے اسمِ وارث کا حضورِ انور کا مظہر اتم کیا تھا اور اس صفت کا ظہور اسی عاشقِ صادق میں ہوتا ہے جو تمام عالم کو فانی اور تکلیف و راحت جور و احسان رنج و شادی کو حادث سمجھے اور جو ماسوا یار جملہ موجودات سے دست بردار ہو وہی وارث کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ اور اسی کو صاحبِ بقائے کامل کہتے ہیں۔ بقول حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ ہے:

جور و احسان رنج و شادی حادث ست
حادثان میرند حق شان وارث ست

قصائد، غزلوں اور مثنویوں ہی میں نہیں بلکہ اکثر نثر کی عبارتوں میں بھی اسی لفظ پر اکتفا کیا گیا ہے۔ خط و کتابت میں بھی اکثر لفظ وارث رواج دیکھا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی اسم حضور کی ذات محمود الصفات کے تناسب کے لحاظ سے مقبول عامۂ خلائق ہوا۔ اس بزرگ نام ہی میں فنا و بقا کی تعلیم نہاں ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ابتداء عمر ہی سے آپ نے مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کے مرحلہ کو طے فرمایا اور یہی تعلیم فرمائی اور اسی طرح وہ خاص مقامِ بقا حاصل فرمایا جو اسمِ وارث کا معنون تھا جس نے حضورِ انور کی زیارت کی بے ساختہ بول اٹھا۔ ہے:

اس طرح بھیس میں عاشق کے چھپا ہے معشوق
جس طرح آنکھ کی پتلی میں نظر ہوتی ہے

یہ اسمِ پاک بھی منجانب اللہ تھا کہ پیدا ہوتے ہی قدرتاً رکھا گیا اور اپنی جامعیت کے لحاظ سے سراسر موزوں ثابت ہوا۔ پس صحیح ہے کہ اَلْاَسْمَآءُ تَتَنَزَّلُ مِنَ السَّمَآءِ۔ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ اپنی مشہور تصنیف "طبِ جسمانی و طبِ روحانی" میں اسمِ اَلْوَارِثُ کے متعلق فرماتے ہیں "وارث" مخلوقات کے فنا کرنے کے بعد وارث ہے زمین و آسمان کا اور پھر آسمان اور زمین کو لپیٹ لینے کے بعد وارث ہے اپنے تفرد کا۔" اس تشریح کی توضیح میں کسی نے اس طرح حاشیہ نگاری کی ہے کہ "یہ ایک محقق امر ہے کہ سوائے

وارث کے کچھ بھی موجود نہیں۔ صرف وارث ہی قدیم سے ہے اور ابدالآباد رہے گا۔ اسم مقدس تمام اسمائے ذاتیہ و صفاتیہ متعارفہ و غیر متعارفہ کا جامع ہے کیونکہ جو ہویت محضہ ہے وہی وارث ہے تو وارث ہی ذاتِ بحت ہے اور جملہ اسماء الٰہیہ کا وہی منتہٰی ہے۔ ؎

تو غنی از عالم و عالم فقیر　　　وارثِ ہر این و آں یکتائے تو

اسی طرح جملہ صفات کا موصوف بھی وہی وارث ہے۔ ہر شان ہر اظہار کے ظہور و تغیر کے ساتھ اور ہر اعتبار کے پردہ میں حتیٰ کہ انصرام فنائے تام کے بعد جو کچھ حقیقت باقیہ غیر فانیہ ہے وہی وارث اور وجہ اللہ ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ۝ اور پھر سورۂ حدید میں فرماتا ہے: هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ج وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ اس لیے جو آخر ہے وہی اول ہے۔ تو اول وارث ہے اور آخر بھی وارث ہے اور چونکہ وارث ہی جملہ صفات کا موصوف بھی ہے اور صفت کا موصوف سے جدا ہونا محال ہے (وَالصِّفَةُ[1] لَا تَنْفَكُّ عَنِّيْ) اس لیے نزول اور تعین کے مرتبہ میں ہر ذرہ موجودات کا مظہر ہے اسم وارث کا اور یہ بھی متحقق ہے کہ ہر مظہر میں سوائے ظاہر کے غیر کا ہونا محال ہے اس لیے لامحالہ ہر ذرہ میں وارث ہی مضمر و مستتر ہے تو ہر ذرہ کا بطن وارث ہے لہٰذا ہر ذرہ کی حقیقت وارث ہے یعنی وارث حقیقۃ الحقائق ہے۔ کونیت کا تعین حقیقت کا پردہ ہے۔ یعنی تعینات عین حقیقت ہیں اس لیے ضرور ہے کہ جس طرح وارث ہی اول اور وارث ہی آخر ہے اسی طرح وارث ہی ظاہر اور وارث ہی باطن بھی ہے پس بفحوائے اَلْاَسْمَاءُ تَتَنَزَّلُ مِنَ السَّمَآءِ اگر مراتب نزول و تعینات میں کوئی فرد اعیان ثابتہ کا اسم وارث کے ساتھ موسوم و معروف ہو کر مقبول خلائق ہو جائے تو وہ فرد اپنی فردیت اور تفرد پر آپ ہی دلیل ہوگا "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب"۔ ہاں البتہ دلالت کے واسطے مقبولیت

---

[1] حدیثِ قدسی۔ اَلْاِنْسَانُ سِرِّيْ وَالسِّرُّ صِفَتِيْ وَالصِّفَةُ لَا تَنْفَكُّ عَنِّيْ۔

در خلق شہرہ ہے۔

آپ کے اسمِ گرامی کو اگر باعت بار حسب و نسب دیکھا جائے تو بھی وہ نہایت معنے خیز ہے کیونکہ آپ خاندانِ رسالت کے چشم و چراغ ہیں اور آلِ نبیؐ و اولادِ علیؓ ہونے کا اعزاز رکھتے ہیں اور اس طرح آپ کو علومِ باطنیہ و فیوضِ روحانیہ وارثتہً جناب امیر علیہ السلام سے پہنچے ہیں۔ یہ اظہر من الشمس ہے کہ جناب علی مرتضیٰؓ شیرِ خدا کی ارث خاص علم الدّنی ہے اور بفحوائے الولد سرّ لابیہ آپ نے ابتدائے عمر ہی میں اس وراثت خاص کو حاصل فرمایا اور ظاہری و باطنی طور پر وارث علی کہلائے۔

خداوند کائنات نے اس مقدس و بزرگ نام کو ہر طرح اسم بامسمیٰ کر کے دکھا دیا۔ جس نے حضورِ پُرنورؒ کو دیکھا دل سے تصدیق کی کہ بے شک اُولٰئِکَ ھُوالوارثون (الآیتہ) کی خوشخبری ایسی ہی ذاتِ برگزیدہ صفات کے لئے ہے۔

از قصیدہ مولینا عقل لکھنوی

عشاق محو اویند ہر جا شں جملہ جویند — در کوئے او بپویند گم کردہ دست و پا را

چو آں کمیلِ کامل با معرفت مواصل — از ساکنانِ واصل مشہو و مصطفیٰ را

سلمانِ فارسی بود آں نقشبندِ معنی — بر لوحِ صافِ باطن مرضیٔ مرتضیٰ را

عمارِ حدقہ ایں بہر رسولِ ثقلین — شد سرخرو بصفین آں شاہ لافتیٰ را

ہم زاں حسانِ معنی بودہ حبیب عجمی — یا عبدِ واحدِ زید کو دید مجتبےٰ را

ہم بایزید و کرخی سری جنید و شبلی — ایں جملہ عارفانند اسرار او صبا را

کا بن غوث و قطب و ابدال آیات کبریانند — ہم مظہرِ خدایند افرادِ ما سوی را

ظلِ الٰہ او حد قائم مقامِ احمد — مہدیٔ دینِ محمد سلطانِ اولیا را

الیاس بحرِ عرفاں ادریس خلدِ رضواں — ساقی آبِ حیواں اسکندر و گدا را

از لہب آتشِ عشق تا سوخت ہر رگ و پے — مثلِ خلیل دریافت او باغ مدعا را

اہلِ ارادتِ او رشکِ بنی اسرائیل — اسحاق وش بکثرت شد مصدر انبیا را

بہر کلیم سینا خلوت گہ وصال ست | او سینہ کرد سینہ معراج اتقا را
عیسیٰ صفت ز مہد ست او پیر او لیعہد | در عشق حق بسر کرد شیب شب و صبا را
نے نے غلط نوشتم آئینہ چیست یحییٰ | انسان عین او ہست اعیان انبیا را
فرد ست در قناعت یکتاست در صناعت | شیر ست در شجاعت ہر بیشۂ وغا را
اسرار او چو سدری اشغال او چو شبلی | اطوار او چو ثوری روزانہ و شبا را
آں اکرم النفوس ست آں اعظم الرؤس ست | آں مطلع شموس ست والشمس والضحیٰ را
لفظ علیؑ مِنّی ہم با انا و منہ | باشد حدیث صادق سردار انبیا را
ہرگونہ اتحادے قلبی و معنوی است | ہم لفظی است حرفے تا کے کنم ثنا را
ایں اہل طاہا نند ایں لب کاشا تنند | ماموں و آمنا نند اسرار انبیا را
ہمنام سبط اکبر مشتق ز حُسن مصدر | حُسن حسن بیتسر آں خیر اصفیا را
یک بود او اویس قرنی دانائے رمز ارنی | خیر القرون قرنی سلطان انبیا را
مقداد و ہم ابوذر واں راز داں حذیفہ | بودند اہل باطن تارک زر و طلا را
عبداللہ عفیف و انصاری ست و جابرؓ | ہم زیدؓ و سہل و او ہم اصحاب اتقا را
تا شیخ ابن عربی محیی و دین و ملت | بکشاد در فتوحات ایں عقدۂ خفا را
نائب مناب شاہ اند خلفائے بادشاہ اند | یعنی امام دوراں مر قطب ایں رحا را
الحال قطب دوراں غوث زمان حاضر | وارث علیؓ چو نوح ست کشتی اتقا را
لقمان حکمت ست داؤد شوکت ست او | فرمود چوں سلیماں تسخیر ایں سبا را
کشتی عوض سماعیل از بہر جان خود یافت | ہر موئے او ست کشتی قربانی خدا را
بود اربعین لیلہ میقات بہر موسیٰ | میقاتش از چہل سال افزود وقتہا را
یوسف بصورت ست و یعقوب سیرت ست او | تا کرد نام روشن یحییٰ و زکریا را
آخر ز بیت طاہر یعنی نبیِ آخر | ایں خیر وارثاں شد آئینہ اولیا را
یکتا و بےنظیر ست فرد ست دہر پیر ست | ارشاد لا دتشبّوا پند ست از کیا را
مثل جنید دارد تجنید لشکر صبر | دادہ شکست فاشے حرص و طمع ہوا را
بسطامی زمانہ معروف را یگانہ | ذکرش بود فسانہ اسعاف مدعا را

وارث ولی مرادف معنیٔ ارث دارند   چوں احمدؐ و علیؓ را ہست اتحاد آرا

ہم روحک و روحی ہم نفسک نفسی   ہم جسمک جسمی ہم لحمک ہم دمارا

گر قلب واؤ خواہند پس واؤ را بخوانند

ارباب علم دانند ایں رمز آشکارا

ولادتِ باسعادت و شجرۂ نسبی

آپ کی جائے ولادتِ باسعادت ہونے کا فخر قصبہ دیوہ شریف ضلع بارہ بنکی کو حاصل ہے۔ تاریخ ولادتِ باسعادت میں بزرگانِ متقدمین میں اختلاف ہے۔ صاحب تحفتہ الاصفیا و عین الیقین وغیرہ نے لکھا ہے کہ یکم رمضان المبارک ۱۲۳۸ھ کو حضور انور کی ولادت ہوئی ہے۔

سید معروف شاہ صاحب مقربِ خاص و خادمِ قدیم درگاہِ وارثی اپنے بزرگوں کی بیان کردہ روایات کی بناء پر فرماتے ہیں کہ ۱۱ر رمضان المبارک ۱۲۲۸ھ میں حضور کی ولادت ہوئی ہے۔ حضرت فضیحت شاہ صاحب وارثی بازید پوریؒ کی تحقیق میں ۱۲۳۳ھ سنہ ولادت ہے۔

مگر شاہ فضل حسین صاحب وارثی سجادہ نشین بارگاہ حضرت شاہ عبدالمنعم کنزالمعرفت علیہ الرحمۃ جو حضور کے خادم قدیم اور ہم مکتب بھی تھے اور سن میں آٹھ برس حضور انور سے چھوٹے تھے اپنی عمر کے حساب سے فرماتے تھے کہ ۱۲۳۲ھ میں ہم گنہگاروں کے سر پر ظلِ حمایتِ وارثی سایہ فگن ہوا ہے اور شاہزادۂ گلگوں قبا حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی چھبیسویں پشت میں اس آفتاب ولایت نے ظہور اجلال فرمایا ہے۔ ؎

اے آمدنت باعث آبادیٔ ما ذکر تو بود زمزمۂ شادیٔ ما

آپ کا حسب نامہ یہ ہے حضرت حافظ حاجی سید وارث علی شاہ ابن حافظ حکیم سید قربان علی شاہ ابن سید سلامت علی شاہ ابن سید کرم اللہ ابن سید زین العابدین ابن سید عمر شاہ ابن سید عبدالواحد ابن سید عبدالاحد ابن سید مخدوم علاؤالدین اعلیٰ بزرگ بن سید عزالدین بن سید اشرف ابی طالب بن سید محمد محروق بن سید ابوالقاسم بن سید علی عسکری بن حضرت سید ابو محمد بن سید محمد جعفر بن سید محمد مہدی بن سید علی رضا بن حضرت قاسم حمزہ علیہ السلام بن حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام بن حضرت سید امام جعفر صادق علیہ السلام بن حضرت امام باقر علیہ السلام بن سید زین العابدین علیہ السلام بن سیدنا امام حسین علیہ السلام

بن سید حضرت علی مرتضیٰ شیرِ خدا علیہ السلام شوہر نامدار حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا بنت حضرت احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

ہر اعتبار سے آپ کی ذات ستودہ صفات خاندانِ سیادت کا ایک مقدس اور اور اعلیٰ ترین نمونہ تھی جیسا کہ اکثر بزرگوں نے آپ کی شان و عظمت کو دیکھ کر تسلیم کیا ہے کہ آپ کے اخلاق و عادات سے سادات کرام کے اوصاف حمیدہ کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔

از جناب فروغ شاہجہانپوری

اولاد ہے یہ خاص شہِ مشرقین کی　　　چھبیسویں پشت جنابِ حسین کی
پتلی یہی ہے فاطمہ کے نورِ عین کی　　　مہرِ نگیں ہے فاتح بدر و حنین کی
یہ جوہر و خلاصہ ہے دونوں جہان کا
بندہ نظر پڑا ہے خدائی کی شان کا

ہے تو ہی وارث علی و وارثِ نبیؐ　　　دل ہے ترا خزینۂ اسرارِ معنوی
تیرے بدن پہ ٹھیک قبا فقر کی ہوئی　　　عادت کی ابتدا ہی سے ترکِ لباس کی
دستار و پائجامہ نہ زیبِ بدن کیا
احرام کو پسند پئے سترِ تن کیا

لڑکا یہی ہے شاہِ شہیداں کا باخلف　　　پُر نورِ سلک شاہِ نجف کا دُرِ نجف
دُرجِ رسول کا ہے یہی گوہرِ صدف　　　اللہ نے دیا ہے ہر اک بات کا شرف
سید بھی ہے فقیر بھی ہے اور ولی بھی ہے
ہر طرح جانشینِ نبیؐ و علیؑ بھی ہے

قوم ایسی لاجواب کہ دنیا میں آفتاب　　　دنیا میں آفتاب تو عقبیٰ میں ماہتاب
عقبیٰ میں ماہتاب تو کوثر پہ جوشِ آب　　　کوثر پہ جوشِ آب سے پھر ساقی شراب
ساقی شراب کوثر و تسنیم کا یہ ہے
وارث علی و احمدؐ بے میم کا یہ ہے

شرفِ خاندانی

آپ کی عظمت سیادت میں ایک شان یہ بھی ہے کہ حضور اکرم کے اجداد کرام نے کبھی غیر کفو میں مناکحت نہیں فرمائی اور سیادتِ نیشاپوری کی شان و جلالت کو ہمیشہ محفوظ رکھا۔ آپ کے پردادا سید کرم اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تین صاحب زادے تھے سید بشارت علی صاحب سید سلامت علی صاحب اور سید شیر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

سید سلامت علی صاحب کے صاحبزادے حضور انور کے پدر بزرگوار سید قربان علی شاہ صاحب تھے جنکا عقد اپنے حقیقی عم مکرم سید شیر علی صاحب کی صاحبزادی سے ہوا اس سلسلہ سے آپ سید سلامت علی کے پوتے اور سید شیر علی صاحب کے نواسے ہیں اور نجیب الطرفین حسینی ہونے کا خاص شرف رکھتے ہیں ؎ :

نسل حضرت کی صاف ہے ایسی　　سچے موتی کی آب ہو جیسی

شرفائے اودھ میں باعتبار حسب و نسب دولت و ثروت علم و فضل تبحر و تقدس آپ کا خاندان ہمیشہ نہایت وقیع و مقتدر رہا ہے۔ صرف علوم ظاہریہ ہی کی بنا پر نہیں بلکہ مراتب حقانیہ و مدارج روحانیہ میں بھی حضور کے آباؤ اجداد سرفراز و ممتاز رہے ہیں اور علوم سینہ و سفینہ پر برابر ان کا قبضۂ تصرف رہا ہے۔ ان سے ہر زمانہ میں سرچشمۂ فیض جاری ہوا ہے۔ اسلامی تاریخ کے صفحات میں ان کے مبارک تذکرے سبق آموز رشد و ہدایت ہیں۔

آپ کے نانا سید شیر علی صاحب اپنے زمانہ میں یکتائے روزگار درویش گذرے ہیں ان کو موضع ہنڈواری کی سندِ معافی منجانب سلطنت اودھ مصارف خانقاہ کے لئے نذر کی گئی تھی جس کو مؤلف نے سید عظمت علی صاحب وارثی متوطن دیوہ شریف کے پاس دیکھا ہے۔ اس خاندان کی دیگر اسناد بھی ان کے پاس محفوظ ہیں۔ جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے آباؤ اجداد صرف اپنے جوہر ذاتی یعنی شان سیادت ہی کی بنا پر معزز و ممتاز نہیں رہے بلکہ وہ علمی و روحانی دنیا میں بھی خاص طور پر شرف و اعزاز رکھتے تھے۔

حضرت مخدوم علاؤالدین اعلیٰ بزرگ علیہ الرحمۃ جنکو آپ کے خاندان کا مورثِ اعلیٰ

کہنا چاہیے حضرت سلطان نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلیفۂ اعظم اور حضرت ابوالبرکات و شیخ یحییٰ کے علوم ظاہریہ میں شاگرد تھے جنکی نسبت قاضی بخشش علی صاحب نے اپنے رسالہ وسیلۂ بخشش میں لکھا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے آپ کے استادوں کو بشارت دی تھی کہ انکو علم کیمیا ذریمیا ڈسیمیا سکھاؤ۔

حضرت مولینا شاہ سید ابو محمد علی حسن صاحب اشرفی الجیلانی مسند آرائے کچھوچھہ شریف مؤلف کتاب ہٰذا کو مطلع فرماتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب قبلہ قدس سرہ العزیز کے اجداد سے اور ہمارے بزرگوں سے خاص مراسم رہے ہیں۔ آپ کے اجداد میں ایک بزرگ ہمارے حضرت اعلیٰ سلطان سید اشرف جہانگیر قدس سرہٗ کے خلفائے کبار میں گذرے ہیں ان کے حالات لطائف اشرفی میں ہیں جو آٹھویں صدی ہجری کی تالیف ہے۔

آپ کا خاندانِ عالی شان ہر زمانہ میں مرجع خلائق رہا ہے جن کے واقعات وحالات سے کتب تاریخ وسیر کی زینت ہے۔ فی زمانہ اودھ میں اکثر خاندانوں کو حضور کے خاندان سے شرفِ قرابت حاصل ہے اور وہ خاندان شرفا میں ایک خاص وقیع درجہ رکھتے ہیں۔

ہندوستان میں پہلے جس مقام کو آپ کے اجداد کرام کا وطن مالوف ہونے کی عزت نصیب ہوئی ہے وہ رسول پور کنتور ہے۔ پھر سید عبد الاحد صاحب نے دیوہ شریف میں اقامت فرمائی اور پانچ پشتیں حضور کی اس مبارک قصبہ میں گذری ہیں۔ دیوہ شریف کی سرزمین بھی نواح اودھ میں ممتاز ہے اور اس مقدس مقام کو تاریخی اہمیت حاصل ہے یہ شرفاء اسلام کی قدیم بستی ہے اور اس کو صرف یہی فخر حاصل نہیں ہے کہ اسمیں اہل علم و دانش بکثرت پیدا ہوئے ہیں بلکہ یہاں مردانِ خدا بھی اکابر وقت سے گذرے۔ چنانچہ بزرگان دیوہ شریف کا بیان ہے کہ ہر زمانہ میں یہاں ایک ولی ضرور رہا ہے۔ جس کو فروغ وارثی نے بھی نظم کیا ہے سے:

دیوہ کا قصبہ ہے علمائے جہانِ علم ۔۔۔ اس سرزمیں کو کہتے ہیں سب آسمانِ علم
انکے ہی دم سے ہے تنِ عالم میں جانِ علم ۔۔۔ ہے ان کی ذات وجہ بنائے مکانِ علم

ہر ایک بحرِ علم و عمل کا سفینہ ہے
اس کو بھی جانتے ہیں جو سینہ بسینہ ہے

جس وقت آپ کے اجدادِ کرام یہاں قیام پذیر ہوئے۔ اس وقت یہ قصبہ علمائے علوم ظاہریہ اور واقفانِ رموزِ باطنیہ کا مرکز تھا مگر آپ کے اسلاف اُس زمانہ میں بھی وقعت و عظمت کی نگاہوں سے دیکھے گئے اور سب سے ممتاز و سربرآوردہ رہے۔

چنانچہ حضور کے والد ماجد حضرت قربان علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز اپنے زمانہ میں حافظ قاری اور مشہور طبیب تھے آپ نے علومِ درسیہ کی تکمیل خیر البلاد بغداد میں فرمائی اور خاص کر فنِ حدیث پر آپ کو کامل عبور تھا۔

آپؒ کے عُرس کی تاریخ شمسی حساب سے تیسری کاتک مقرر ہے اور حضرت اقدسؒ کی اجازت سے یہ عُرس شروع ہوا جو دیوہ شریف میں اعلیٰ پیمانہ پر ہوتا ہے بے شمار دوکانیں آتی ہیں اور کثیر التعداد مخلوق الٰہی کا مجمع ہوتا ہے۔ اور حضورؒ کے مقدس عہد میں کبھی نہیں سُنا گیا کہ معمولی نقصان بھی کسی کا اس عُرس میں ہوا ہو۔

ایامِ رضاعت

بروایات بزرگان متقدمین دیوہ شریف یہ مُسلّمہ ہے کہ ماہِ رمضان المبارک میں حضورؒ انور جلوہ افروزِ عالم ہوئے ہیں اور تاریخ پیدائش سے دن میں اپنی والدہ ماجدہ کا دودھ نوش نہیں فرماتے تھے اور نہ شیر خوار بچوں کی طرح بھوک سے روتے تھے جب تمامی ماہِ رمضان میں آپؒ کا یہی دستور رہا تو اس کا گھر گھر چرچا ہوا۔ اس قسم کے حضورِ انورؒ کے واقعات صرف طبقۂ اُناث ہی میں مشہور نہ تھے بلکہ اُس وقت کے بزرگ بھی اس کا تذکرہ کرتے اور بشارت دیتے تھے۔ آپؒ کی ولادت باسعادت کو چار ماہ گذرنے پائے تھے کہ ماہِ محرم الحرام میں یوم عاشورہ کو بھی آپ نے دن میں دودھ نوش نہیں فرمایا۔ اس واقعہ کا بھی خاص اثر ہوا اور آپ کی عظمت و ولایت کا شہرہ ہو گیا۔ آپ کی ہر بات لوگوں کو حیرت میں ڈالنے والی تھی نشوونمائے جسمانی اس قدر ترقی پر تھی کہ اپنے ہم سن اور ہم عصر اطفال سے دوچند معلوم ہوتے تھے۔ سرِ مبارک ہمیشہ اپنے ہم عمر بچوں سے بلند رہتا تھا۔ روزِ پیدائش سے ایسے ایسے واقعات نظر آئے جن سے آپؒ کی ولایت کے آثار ہر کہ و مہ پر ظاہر من الشمس ہو گئے اور اس وقت کے لوگ آپ کی تعظیم و تکریم کرنے لگے۔

خود آپ کی والدہ ماجدہ کی بابت یہ روایت تواتر کے ساتھ مستند طور پر مشہور ہے

کہ وہ ہمیشہ آپ کا ادب و لحاظ ملحوظ رکھتی تھیں اور باوضو دودھ پلایا کرتی تھیں کبھی آپ کی جانب پشت نہیں فرماتی تھیں۔ مولوی خدا بخش صاحب شائقؒ حضور انورؒ کے مریدین متقدمین میں سے گزرے ہیں۔ اپنی مثنوی میں تحریر فرماتے ہیں :-

آفتابِ مشرقِ عزّ و شرف ۔۔۔ مشرقِ نورِ شہنشاہِ نجف
ہست سروِ گلشنِ موسیٰ رضا ۔۔۔ جوئبارِ چشمۂ صدق و صفا
چوں بعالم پا نہاد آں نیک خُو ۔۔۔ مادرش شیرے نہ دادی بے وضو
یادگارِ گوہرِ آلِ عبا ۔۔۔ نورِ چشمِ سرورِ گلگوں قبا
گر سیادت ہست گُل او ہمچو پوست ۔۔۔ شہر بنشا پور جائے خاص اوست
چوں شبیہہ شیرِ یزداں یافتند ۔۔۔ نامزد وارثؔ علیش ساختند

ایامِ رضاعت میں بھی زن و مرد معتقدانہ حضور کی زیارت سے مستفید ہوا کرتے تھے یہ مثل بالکل صحیح ہے کہ ولی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ خداوند قدیر جن مقدس نفوس کو اپنی قدرتِ کاملہ کا بہترین نمونہ بنا کر دنیا میں بھیجتا ہے ان کی ابتدا ہی ایسی ہوتی ہے جس سے انتہا کے شرف و اقتدار کی خبر ملتی ہے۔

چہرے سے جلوہ گر ہے سراسر خدا کا نور ۔۔۔ ظاہر ہے لب سے قدرتِ اللہ کا ظہور
رُخ سے عیاں ہے صاف تجلّیٔ برقِ طُور ۔۔۔ ایسا پری جمال کہ قربان جس پہ حُور

بحرِ ضیائے حق کا یہ درِ یتیم ہے
جاری اسی کا خلق میں فیضِ عمیم ہے

والدین کا انتقال

یہ بھی قانونِ قدرت ہے کہ جو مقدس نفوس دنیا میں خدا کی طرف سے نمونہ بن کر آئے ہیں ان کی اپنی علوِ مرتبت کے لحاظ سے اہم ترین امتحانات کا سابقہ پڑتا ہے۔ جو عام مخلوقات کی نگاہوں میں ناقابلِ برداشت معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ مستند حضرات کا بیان ہے کہ حضور انورؒ کی عمر شریف ہنوز تین سال کی بھی نہ ہوئی کہ آپؒ کے والد بزرگوار حضرت سیدنا و مولانا حافظ حکیم قربان علی شاہ صاحب قبلہ نے وصال فرمایا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ

کے بعد آپؒ کی والدۂ ماجدہ بھی رحلت فرما گئیں، یہ یتیمی بھی حضورِ پرنور کو وراثۃً جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے پہونچی۔ وَوَجَدَكَ يَتِيمًا فَآوٰى۔

والدین کے انتقال کے بعد آپؒ کی دادی صاحبہؒ اپنے درِ یتیم کی پرورش میں ہمہ تن مصروف ہوئیں۔ ان حادثات کا ذکر اکثر خود حضور نے بھی اپنی زبانِ مبارک سے اس پیرایہ میں فرمایا ہے۔ کہ ہماری عمر دو سال سے کچھ زیادہ تھی کہ والدین کا انتقال ہوگیا مگر خدا اپنے بندوں کا حقیقی ناصر اور بہت بڑا مددگار ہے جو والدین سے زیادہ مہربان ہے اور بے ماں باپ کے بچوں کی پرورش کرتا ہے۔ اس لیے خدا ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا۔

فی الحقیقت خدا ہی سب کا نگہدار اور حقیقی والی ہے لیکن بہ لحاظِ اسبابِ ظاہری آپؒ کی دادی صاحبہ کفیل پرورش ہوئیں۔ آپ کے عمِ مکرم سید اعظم علی صاحب رئیس دیوہ شریف جو بہ اصطلاحِ قانونِ شریعت آپؒ کے ولی جابر بھی تھے اولاد سے زیادہ آپؒ کی نگہداشت کرتے تھے تمام اعزا بلکہ جملہ اہالیانِ قصبہ کی نگاہوں میں اس قدر محبوب اور عزیز تھے کہ ہر شخص آپ کی خدمت کے واسطے بدل و جان موجود تھا کیونکہ روزِ ولادت سے یہ معلوم ہوچکا تھا کہ ایسی مبارک صورتیں صدیوں کے بعد ظاہر ہوتی ہیں۔

اگرچہ آج سرپہ ظلِ حمایتِ والدین نہ ہونے سے یہ لعلِ بے بہا درِ یتیم ہے مگر حقیقۃً درۃ التاج ولایت ہے جس کے نقشِ قدم پر ایک عالم نثار ہونے والا ہے۔

بچپن میں کہہ رہے تھے یہ انداز آپؒ کے
جو اہلِ دل ہیں وہ ہیں دلبر بنائیں گے

تعلیمِ ظاہریہ

ایامِ رضاعت ہی سے حضورِ انورؒ کی ذاتِ مستجمع الصفات سے ایسے ایسے تصرفات ظاہر ہوئے ہیں جن سے خدا کی قدرت نظر آتی ہے حضور کے معمولی عادات بھی غیر معمولی خوبیوں سے آراستہ تھے چونکہ مسلکِ عشق میں تصرفات مایۂ ناز نہیں ہے اس لیے مخصوص طریقہ پر انکا ذکر کرنا بے سود ہے، مگر آپؒ کی مقدس زندگی کا کوئی شعبہ خوارقِ عادات اور اعلیٰ

صفات سے خالی نہیں ہے۔

جب آپؒ کی عمر شریف پانچ سال کی ہوئی تو حسب دستور تقریب بسم اللہ کے بعد آپؒ مکتب میں بٹھائے گئے۔ آپ کی خداداد ذہانت پر اہل مکتب کو رشک اور معلم کو تعجب تھا، اور سب آپؒ کی تعظیم و تکریم کرتے تھے ہمیشہ آپ قرآن شریف سر پر رکھ کر مکتب میں تشریف لے جاتے تھے اور اسی طرح مکتب سے مکان تک نہایت ادب و تعظیم سے کلام مجید سر پر رکھے ہوئے واپس آتے تھے۔ کبھی قرآن پاک کو بغل میں نہیں دبایا۔ دیوہ شریف میں مولینا سید مظہر علی صاحب شہیدؒ سے دو برس میں آپ نے کامل قرآن شریف حفظ کیا اور سات برس کی عمر میں حافظِ قرآن ہو گئے۔ مولینا شائقؔ اپنی مثنوی میں تحریر فرماتے ہیں ؎:

چوں بہفتم سالگی شد گام سنج
حافظِ قرآں شدہ بے تعب و رنج

علاوہ مولینا سید مظہر علی صاحب شہیدؒ کے مولوی امام علی صاحب اور مولوی حافظ عبد الصمد صاحب سے بھی کتبِ درسیہ اور عقائدِ شرعیہ کی تعلیم پائی ہے۔ مگر آپؒ کی خواندگی مکتب تک محدود تھی۔ مکان پر آکر کبھی مطالعہ نہیں فرماتے تھے بلکہ کسی گہری فکر میں محو و مستغرق رہا کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں دادی صاحبہ کا بھی سایۂ عاطفت سر سے اُٹھ گیا اور حضرت قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین سیدنا و مولینا حاجی خادم علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کو لکھنؤ میں لائے اور ایک مولوی صاحب کے حلقۂ درس میں شریک کرا دیا۔ یہاں بھی آپ کی خداداد ذہانت کا شہرہ ہو گیا۔ یہ کیفیت تھی کہ جب آپؒ کو معلم صاحب سبق پڑھاتے اور دو ایک لفظ بتاتے تو آپ خود بخود پورا صفحہ پڑھ کر سُنا دیتے تھے۔

مولوی رونق علی صاحب وارثی الرزاقی (متوطن بیتھے پور ضلع سیتا پور) راقم الحروف کو تحریر فرماتے ہیں کہ میرے نانا حکیم رحمت علی صاحب کو فرنگی محل میں حضور کے ہم مکتب ہونے کی عزت نصیب ہوئی ہے۔ حکیم صاحب کی عمر حضرت اقدسؒ سے کچھ زیادہ تھی۔ حکیم صاحب فرماتے تھے کہ خواندگی وغیرہ کے متعلق حضور انور سے ایامِ طفولیت میں ایسے ایسے خوارق عادات ظاہر ہوتے تھے جن سے سب محوِ حیرت ہو جایا کرتے تھے۔ تمام طلبا آپؒ کی تعظیم اور خود معلم صاحب بھی آپؒ کا ادب کرتے تھے۔ چنانچہ معلم صاحب نے ایک

روز حضرت قبلۂ عالم سیدنا حاجی خادم علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ آپ نے ایک شیر کو میرے سپرد کر دیا ہے ان صاحبزادے کے کرشمے حیرت انگیز ہیں گو یہ میرا ادب ملحوظ رکھتے ہیں لیکن مجھے تعجب ہے کہ اس عالم طفولیت میں جو باتیں ان سے ظہور پذیر ہوتی ہیں وہ کاملین سے بھی کم دیکھنے میں آتی ہیں خواندگی کی یہ حالت ہے کہ صاحبزادے پڑھے پڑھائے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ بات اور بھی حیرت انگیز ہے کہ شاگرد کا رعب اُستاد پر غالب ہے۔ میری رائے میں ان کو زیادہ تعلیم کی ضرورت نہیں ہے۔

اسی طرح دیگر حقیقت شناس معلموں نے بھی آپؒ کی شان و عظمت کو پہچانا ہے اور آپؒ کی تعظیم و تکریم کی ہے۔

حضور انورؒ کو علوم ظاہریہ کی تعلیم خود حضرت سیدنا حاجی خادم علی شاہ صاحبؒ نے بھی کچھ عرصہ تک دی ہے۔ حضرت سیدنا حاجی خادم علی شاہ صاحب قبلہ علاوہ ایک ولیٔ کامل ہونے کے علوم ظاہریہ میں بھی ایک ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ سے احادیث و فقہ کی تعلیم پائی تھی۔ حضرت سیدنا حاجی خادم علی شاہ صاحب قبلہ علیہ الرحمتہ نے بھی دوسرے حقیقت آگاہ معلموں کی طرح نہایت قلیل عرصہ تک حضرتؒ کو باسباب ظاہر اپنے درس میں رکھا۔ آپؒ جن معلموں کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے وہ سب آپ کی خداداد ذہانت سے متاثر ہوئے ہیں چنانچہ شیخ حسین علی صاحب وارثی متخلص بہ نواب زمیندار ساده مؤضلع بارہ بنکی اس واقعہ سے مطلع فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپؒ کے استاد مولوی امام علی صاحبؒ بتقریب عرس شاہ عبدالمنعم کنزالمعرفتؒ دیوہ شریف میں آئے تو حضور خود اُن سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے۔ مولوی صاحب حضورؒ کو دیکھ کر تعظیماً کھڑے ہوگئے ــــــ آپؒ نے مولوی صاحب سے فرمایا:

"آپ ہمارے اُستاد بجائے باپ کے ہیں۔" مولوی صاحب نے کہا: "اُس وقت ہم بجائے باپ کے تھے مگر اب آپؒ ہمارے بجائے باپ کے ہیں۔ مجھکو وہ دن یاد ہے کہ کہ میں نے ایک مرتبہ غصہ سے کہا تھا، پڑھو تو آپؒ نے اس طرح بغور میری طرف دیکھا کہ مجھے تین دن بخار آیا۔ جب میں نے حاجی خادم علی شاہ صاحبؒ سے تذکرہ کیا کہ صاحبزادے تو پیدائشی کامل ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ آپؒ ان کو خاطر و دلجوئی سے تعلیم دیں۔ اس کے بعد

جب میں آپ سے سبق یاد کرنے کو کہتا تھا تو آپ میرے سامنے کتاب رکھ دیا کرتے تھے اور سبق سُنا دیا کرتے تھے جو بالکل صحیح ہوتا تھا۔"

حضور انور کا زمانۂ تعلیم بھی نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ اگرچہ آپ کے اعزا نے علوم ظاہرہ کی تعلیم میں پُورا اہتمام فرمایا مگر زیادہ تر حضورؒ کی قدرتی ذہانت نے یہ کرشمہ دکھایا کہ بہت تھوڑے عرصہ میں حضورؒ نے کتب درسیہ وغیرہ پر کامل عبور کر لیا۔ عہدِ تعلیم کے یہ واقعات بزرگان متقدمین کے نقل کردہ ہیں۔ خود حضورؒ نے کبھی اس کی تصریح نہیں فرمائی جس سے معلوم ہو کہ کس فن میں کہاں تک تعلیم ہوئی ہے۔ البتہ حضورؒ انور کے مزاج لطیف میں کسی قدر مذاق تھا چنانچہ اپنے عہدِ تعلیم کا یہ قصہ اکثر بیان فرماتے تھے کہ "مولوی صاحب نے ہم سے کہا کہ پڑھو اَلْکَلِمَۃُ لَفْظٌ" ہم نے کہا جب کلمہ ایک ہے تو اس کا پڑھنا فضول ہے ایک لفظ پڑھ کر ہم کیا کریں گے۔

بہ اسباب ظاہر جو کچھ آپ کی تعلیم ہوئی ہے اس کا زمانہ بہت قلیل ہے حقیقت حال یہ ہے کہ دراثنۃً آپ کو علم الدُنّی خدا کی طرف سے حاصل تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کی قابلیت و ذہانت کا صرف طلبائے معاصرین پر نہیں بلکہ اساتذہ پر بھی رعب جما ہوا تھا۔ یہ قابلیتیں خدا کی طرف سے خاص ہوا کرتی ہیں جو ازلی سعادت پر مبنی ہیں۔

اگرچہ آپؒ نے بہت تھوڑے عرصہ تک تعلیم پائی مگر اس زمانہ کے مشاہیر علمائے کبار آپؒ کی فیض صحبت سے مستفید ہوئے ہیں اور انہوں نے علوم ظاہری کے اعتبار سے بھی آپؒ کو اعلیٰ درجہ کا عالم و فاضل پایا ہے۔ کہ اسی کتاب میں آگے چل کر آپؒ کے مبلغ علم کے متعلق اکثر واقعات نظر سے گذریں گے۔

مستند حضرات کا بیان ہے کہ حضور انورؒ نے سوائے مکتب کے کبھی مکان پر کسی کتاب کا مطالعہ نہیں فرمایا اور ہمیشہ یہ دستور رہا کہ درس کے بعد آپؒ صحرا کی جانب چلے جاتے تھے اور کسی مخصوص خیال میں آپؒ کا پُورا وقت اس عالم تنہائی میں صرف ہوتا تھا۔ چنانچہ اس درس و تدریس کے سلسلہ کی بھی اسقدر قلیل مدت ہے کہ جب عمر شریف دس سال سے کچھ زیادہ ہوئی تو مزاج ہمایوں کی آزادی نے اس کو بھی گوارا نہیں فرمایا تمامی تعلقات سے دست بردار ہو کر ہمہ تن یادِ مطلوب میں مصروف ہوئے ۔

عاشقاں را شد مدرس اسم دوست
دفتر و درس سبق شانِ روئے اوست

سچ ہے اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْوَارِثُوْنَ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ھُمْ فِیْھَا خَالِدُوْنَ ۵ (یعنی وہ لوگ وارثِ علومِ انبیا ہیں جو لوگ کہ وارث ہوں گے فردوس کے اور ہمیشہ اس میں رہنے والے ہیں۔
(اقتباس از مثنوی حضرت بے نظیر شاہ صاحب قبلہ وارثی، متوطن کٹرہ مانک پور۔

مبارک ہے وہ بندۂ ذوالجلال	خدا ہی ہو جس کا مآب و مآل،
وہ ہے مردِ ذاکر جو شام و پگاہ	کرے ہر بُنِ مُو سے ذکرِ الٰہ
وہ گم ہو کے یوں جا ملے ذات میں	خُدا ہی رہے جس کی ہر بات میں
خدا اُس کا دل ہو خدا اُسکا ہاتھ	وہ ہر شے کو دیکھے خدا ہی کے ساتھ
وہی ناطقہ ہو وہی شامہ	معیت ہو غنیمت تامتہ
مبارک ہے وہ بندۂ باصفا	کہ ہو ہر بن مُو میں جس کے خُدا
جلے ہیزم خشک جب آگ میں	نہیں فرق دونوں کے کچھ لاگ میں
اب اُسمیں کدورت کا عالم نہیں	سراپا وہ شعلہ ہے ہیزم نہیں
اسی آگ میں جب فنا ہو گئی	وہی شکل آتش نُما ہو گئی
یقیناً فنا ہیں جو اللہ میں	بڑی چیز ہیں چشم آگاہ میں
خصوصاً شہنشاہ وارث علی	وہ عاشق کے عاشق ولی کے ولی
انہیں فغانِ خرابا تیاں	رفیق دعائے مناجاتیاں
عیاں اُنکے چہرے سے باآب و تاب	جمالِ نبیؐ شوکتِ بوتراب
جسے دید الّنور کی ہوئے ہوس	انہیں دیکھ لینا ہی کافی ہے بس
وہ نورِ نگاہِ علیؓ و بتولؓ	فروغِ شبستانِ حسنِ قبول
وہ نوبادۂ گلشنِ پنجتنؓ	خوشا یادگارِ حسینؓ و حسنؓ
وہ سرحلقۂ بادہ نوشانِ عشق	وہ سرکردۂ خرقہ پوشانِ عشق
وہ عالی نسب سیدِ بے عدیلؓ	وہ والا حسب وہ حسین و جمیلؓ

وہ نورِ حقیقت وہ شمع کمالؒ | ید اللہؒ صورت محمدؐ جمال
وہ آئینۂ جلوۂ بے مثال | نظر کردۂ قدرتِ ذوالجلال
صفا پرورِ قلب صاحبدلان | ضیا گسترِ دیدۂ مقبلاں

وہ باعث ولایت کے اظہار کے
وہ وارثؒ نبوت کے اسرار کے

ایامِ طفولیت کے بعض حالات

زمانۂ طفولیت بھی حضور انورؒ کا نہایت مہتم بالشان گذرا ہے۔ تمام چھوٹے بڑے حضور پر نورؒ کے رُوبرُو مؤدب رہتے تھے۔ جو مختلف حالتیں بچپن میں آپؒ کی دیکھی گئی ہیں وہ یہ ہیں:

دس گیارہ برس کی عمر تک آپؒ کے دہنِ مبارک سے اطفالِ شیر خوار کی طرح لعاب بکثرت جاری رہتا تھا جس سے ہر وقت گریبانِ مبارک تر رہتا تھا۔

اکثر اوقات آپؒ کی چشمانِ مبارک سُرخ اور آبدیدہ رہا کرتی تھیں جن پر آشوبِ چشم کا گمان ہوتا تھا مگر جب دوسرے اوقات آشوب چشم کا کوئی اثر نمایاں نہیں ہوتا تھا تو دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی۔

آپؒ اپنے ہم عمر لڑکوں کی بہ نسبت معمر مردوں اور کبیر السن عورتوں کی صحبت زیادہ پسند فرماتے تھے۔ اور پرُانے واقعات، بادشاہانِ وقت کے حالات، عشق و عاشقی کے قصص و حکایات سے ایک خاص دلچسپی رکھتے تھے اور اکثر ایسی حکایتوں سے آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

آپ دو دو چار چار روز تک مکان سے غائب رہا کرتے تھے کہیں پتہ نہ چلتا تھا پھر خود بخود مکان پر تشریف لے آتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؒ کی دادی صاحبہؒ نے آپؒ کو کوٹھری میں بند کر دیا۔ آپؒ اس بند کوٹھری میں سے غائب ہو گئے۔ جب تلاش کی گئی تو ایک باغ میں ملے۔ ؎

کھیل تھا ان کا یہ لڑکپن کا

صغرسنی ہی سے آپؒ کو عاشقانہ غزلیں سننے کا بھی بہت شوق تھا۔ خود بھی نہایت خوش الحان تھے۔ اگر کبھی کوئی غزل پڑھتے تو دفعتاً آپؒ پر کیف و سرور کی حالت پیدا ہو جاتی تھی۔ اور پڑھتے پڑھتے بیہوش ہو جاتے تھے۔

چنانچہ منشی نادر حسین صاحب قبلہ وارثی نگرامی (وکیل بارہ بنکی) جو نہایت ثقہ بزرگ ہیں اور بارگاہِ وارثی میں شرفِ قدامت رکھتے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں کہ مولوی عزیزالدین صاحب مرحوم تعلقہ دار دیوہ شریف (جو حضور کے زمانۂ طفولیت کے دیکھنے والے تھے) بیان کرتے تھے ایک مرتبہ ہم اور مٹھن میاں (حضور کو زمانۂ طفولیت میں مٹھن میاں کہتے تھے) باغ کی سیر کو گئے عصر کا وقت تھا میں نے عرض کیا کہ مٹھن میاںؒ کوئی غزل پڑھیئے آپؒ نے ایک غزل شروع فرمائی چند اشعار پڑھے تھے کہ چیخ مار کر گرے اور تڑپنے لگے۔

دہان مبارک سے کف جاری ہو گیا۔ جب میں نے یہ حال دیکھا تو خوف سے اپنے گھر بھاگ گیا اور شام کو جب مجھے معلوم ہوا کہ حضرتؒ بخیریت اپنے مکان پر تشریف لے آئے تو میری جان میں جان آئی۔ اس واقعہ کو بیان کر کے مولوی عزیزالدین صاحب نے فرمایا کہ حضرتؒ کو عشقِ الٰہی زمانۂ طفولیت سے ہے اور اسی وقت سے ہم لوگ معتقد ہیں۔

زمانۂ طفولیت ہی میں آپؒ کی فہم و فراست کا یہ عالم تھا کہ ایک حجن آپ کے مکان میں زیارات کا صندوقچہ لے کر آئی جس میں مدینۂ منورہ اور مکۂ معظمہ وغیرہ ہما مقدس مقامات کے نقشے تھے۔ آپؒ نے دریافت فرمایا کہ اس میں کیا ہے حجن نے عرض کیا کہ "میاں مکہ اور مدینہ کے نقشے ہیں جو بالکل اصل معلوم ہوتے ہیں"۔ آپؒ نے برجستہ جواب دیا کہ "نقل کے دیکھنے سے کیا ہوتا ہے اصل ہی کو نہ دیکھیں"۔

اسی صغرسنی کا واقعہ ہے کہ دیوہ شریف میں حضرت عبدالمنعم کنزالمعرفت علیہ الرحمۃ کے آستانہ پر حضورؒ نے ایک درویش کو دیکھا کہ آنکھیں بند کئے ہوئے تصور میں مشغول ہے جب وہ درویش اپنی حالت سے ہوشیار ہوا تو آپؒ نے فرمایا "شاہ صاحب یہ کیا کرتے تھے"۔

انہوں نے کہا " برزخ شیخ کا تصور کرتا تھا "
آپ نے فرمایا " تم نے خود اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں، دیکھتے کیا۔ تم نے نہیں سنا کہ مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى ۔ اگر شوق کامل اور طلب صادق ہو تو ہر ذرہ میں محبوب کی دید نصیب ہو سکتی ہے!"
حضورِ انورؒ کے کرامات و خوارق عادات کا بھی بچپن ہی سے شہرہ تھا۔ ایک مرتبہ آپؒ حسبِ عادت بستی سے باہر چلے گئے وہاں اتفاق سے حضورؒ کے سامنے ایک بھیڑیا آگیا آپ نے اس کے کان پکڑ لیے کاشتکاروں نے آواز دی " مٹھن میاں یہ بھیڑیا ہے " آپ نے اس کے کان چھوڑ دیئے۔
اس واقعہ کو اکثر بیان فرما کر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے اس کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔
زمانۂ طفولیت میں آپؒ کو فن تیراکی کا بھی بہت شوق تھا۔ دیوہ شریف کے بڑے تالاب میں غوطہ لگا کر بہت دیر تک پانی کے اندر رہتے تھے اور پھر دوسری جانب نکلتے تھے۔ یہ شوق آپؒ کو ایسا تھا کہ پیرانہ سالی تک برسات میں اکثر تالاب کے کنارے تک جاتے تھے اور وہاں کے گذشتہ واقعات کا تذکرہ فرماتے تھے۔
بچپن ہی سے آپ کی ریاضت و مجاہدت بھی ضرب المثل ہے۔ حضرت شاہ فضل حسین صاحب سجادہ نشین شاہ عبدالمنعم کنز المعرفت علیہ الرحمۃ بیان فرماتے تھے کہ زمانۂ طولیت میں حضور روزانہ بعد نمازِ عشا آستانۂ حضرت شاہ عبدالمنعمؒ پر آتے تھے اور تمام رات ادائے نوافل یا ذکر و اشغال میں مصروف رہتے تھے۔ اگر کسی کی نسبت زبانِ مبارک سے کچھ فرما دیتے تھے تو وہی ہوتا تھا۔ حضورِ انورؒ کے آثار ولایت سے سب متاثر تھے اور اسی وجہ سے دیوہ شریف کے معمر بزرگ بھی حضورؒ کا ادب کرتے تھے۔
آپ لہو لعب سے قطعی متنفر تھے جو دو سہا مہر و عطا وراثۃً آپؒ کو ترکۂ آبائی میں ملی تھی۔ زمانۂ طفولیت میں اگر کوئی کھیل بھی تھا تو یہ تھا کہ روزمرہ بچوں کو شیرینی اور غربا میں نقدی تقسیم کرتے پھرتے تھے اور اپنے ہم عصر لڑکوں کو عشقِ الٰہی کی ترغیب دیتے

اور نصیحت فرماتے تھے۔ چنانچہ وہ حضرات جن کو ہم سنی کا شرف حاصل ہوا ہے خاص طور پر ممتاز ہوئے ہیں۔

سید معروف شاہ صاحب مقرب خاص و خادم قدیم بارگاہ وارثی فرماتے ہیں کہ دیوہ شریف میں یہ قصہ مشہور ہے کہ مسمیٰ لوکی حلوائی جو بہت غریب آدمی تھا حضورؒ کو سینی کے برابر ایک روپیہ کا ایک بتاشہ بنا کر دیتا تھا اور آپؒ اس کو توڑ توڑ کر بچوں میں تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ بعض خادم کہتے ہیں کہ اکثر حضورؒ پُر نور نے فرمایا ہے کہ ہماری دادی کے پاس اشرفیاں بہت تھیں۔ ہم اُن میں سے چھپا کر ایک اشرفی نکال لاتے تھے اور لوکی حلوائی کو دیکر ایک اشرفی کا ایک بتاشہ بنواتے تھے اور بچوں کو تقسیم کرتے تھے۔

بظاہر تو اس قصہ کی وقعت اسی قدر معلوم ہوتی ہے کہ ایک بھولے امیر زادے کا واقعہ ہے مگر غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی معمولی قصہ کسقدر غیر معمولی خوبیوں سے بھرا ہوا ہے۔ مثلاً حضورؒ کا اس صغر سنی میں یہ ایثار تھا کہ ایک غریب حلوائی کی اس خوشنما پردہ میں پرورش فرماتے تھے۔ اس سے معصوم بچوں پر بزرگانہ شفقت اور اور ان کی دلجوئی بھی ثابت ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ بے غرض سلوک کرنے کی عادت آپ کو بچپن ہی سے تھی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس کمسنی میں بھی آپؒ کو مالِ دنیا سے قطعی متنفر تھا اور اپنی ملک میں رکھنا گوارا نہ فرماتے تھے کیونکہ دادی صاحبہ کی حفاظت میں جو اشرفیاں تھیں وہ خاص متروکۂ مادری سے ملک تمام حضورؒ پُر نور کی تھیں۔ اس لیے آپؒ نے اس کو یوں تقسیم فرما دیا۔ اس سے یہ بھی نمایاں ہے کہ ابتدا ہی سے مزاجِ عالی نہایت مستغنی اور بے پروا تھا۔ اس سے آپؒ کی شانِ سیادت اور اثرِ خونِ مرتضوی کی بھی بیّن شہادت ملتی ہے کہ مہر و عطا کے سوا اور کچھ نہ آتا تھا۔ کیوں نہ ہو آپ سخی ابنِ سخی تھے۔

---

[1] اس واقعہ کو شیخ حسین علی صاحب نواب وارثی زمیندار سادہ مئو نے بھی حضور کی زبانِ مبارک سے سُنا ہے ۱۲

بزرگان متقدمین کا بیان ہے کہ اکثر آپؒ سونے چاندی کے ہموزن شیرینی خرید فرماتے اور تقسیم کرتے اور معصومانہ انداز سے نہایت پیارے لب ولہجہ میں ارشاد فرماتے تھے کہ "شرطِ انصاف یہی ہے کہ سونے چاندی کے ہموزن شیرینی خرید کی جائے"

اکثر حالتِ وجد میں یہ بھی ارشاد فرماتے تھے کہ " مال و زر فقیر کو نہیں چاہیئے"

چنانچہ آپ کی دادی صاحبہ کا انتقال ہوا تو چالیس روز کے اندر آپؒ نے کُل مال واسباب خیرات کر دیا۔

ایامِ طفولیت میں یہ بات بھی حضورؒ انور کی خصوصیات میں مشہور ہے کہ جب لوگوں میں کسی بات پر نزاع ہوتی تھی تو آپؒ درمیان میں پڑ کر فساد رفع کرا دیتے تھے۔ اور خونریزی وفتنہ فرو ہو جاتا تھا۔ سب حضورؒ انور کا حکم بسر وچشم مانتے تھے۔

اپنی دادی صاحبہ کے انتقال کے بعد آپؒ اپنی ہمشیرۂ مکرمہ یعنی زوجۂ حضرت قبلہ وکعبہ سیدنا خادم علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی آغوشِ حمایت میں پرورش پانے لگے۔ وہ زمانہ حضرت قبلہ وکعبہ سیدنا حاجی خادم علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے قیامِ لکھنؤ کا تھا۔ اور یہی باعث حضورؒ کے قیامِ لکھنؤ کا ہوا۔

حضرت کے بارے میں بعض اولیاء اللہ کی پیش گوئیاں

حضورؒ انور کے زمانۂ قیامِ لکھنؤ میں ایک بزرگ وہاں مقیم تھے جن کا نام نامی **حضرت اکبر شاہ صاحب** رحمتہ اللہ علیہ تھا۔ ان کی طرف خلق کی بہت رجوعات تھی اور اکثر بزرگ ان کو قطب الوقت خیال کرتے تھے حضرت سیدنا حاجی خادم علی شاہ صاحب قبلہ بھی ان کو کاملینِ وقت سمجھتے تھے۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ حضرت سیدنا حاجی خادم علی شاہ صاحب اپنے ہمراہ

حضورؒ انور کو لے کر حضرت اکبر شاہ صاحبؒ کی ملاقات کو تشریف لے گئے۔ حضورؒ انور کو دیکھتے ہی شاہ صاحب ممدوح نے اپنی گود میں لے لیا۔ اور پیشین گوئی کے طور پر فرمایا کہ یہ صاحبزادے اپنے وقت میں عدیم المثال ہوں گے۔

اس واقعہ کو مولوی خدا بخش صاحب۔ شائقؔ دریاآبادی نے کتاب تحفۃ الاصفیاؔ میں بھی لکھا ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"روزے حضرت موصوف با جناب سیّد وارث علی شاہ صاحب بحضور مقتدائے زہاد و پیشوائے عباد حقیقت آگاہ۔ جناب اکبر شاہ کہ از دیارِ مغرب بہ شہر لکھنؤ تشریف آوردہ رونق بخش مسجد بساطیاں واقع چوک گردیدہ شہرۂ صفات بزرگیش بہ اطراف رسیدہ بود و اکثرے از راہِ دور نزدش می آمدند و مشرف بہ زیارتش می شدند می گویند کہ آں ملک سیرت دراں مدت قطب الوقت بود کہ روز ہا بہ ریاضت و شب ہا بعبادت بسر می نمود پیوستہ آں مقبول کونین ازیں قرآن السعدین نہایت خورسند گردید و آں مہر و ماہ عظمت و جاہ را تنگ بہ آغوش کشید۔ الغرض آن قطب زماں ہر گاہ از سورۂ صورت جناب سیّد وارث علی شاہ صاحب معانی ولایت بر خواند بے محابا انوارِ اسرار را بہ آستیں نطق بر افشاند یعنی از حاجی خادم علی شاہ صاحب بفرمود کہ کہ مثلِ ایں طفل جواں بخت تا ہزار سال دیگرے بریں ملک نزول نخواہد نمود ایں کس ملائکیست بہ شکلِ انساں و سراپا نوریست بہ کالبد خاکی پنہاں بہ چار دانگ عالم مشتہر خواہد گردید و از کجا تا بہ کجا خواہد رسید و خلقے از جن و انس اطاعتش خواہد گزید" ؎

دلش بحریست ز اسرارِ الٰہی
از و یک قطرہ از مہ تا بماہی

ہر قدر تو اینددر تربیتش ہمت بر گمارید حضرت خادم علی شاہ صاحب از علوی مرتبت آنعالی منزلت بخوبی آگاہی می داشتند و جناب ممدوح

را از اجلّہ روزگار می دانستند الا بحسب ارشاد آں کرامت بنیاد از یکے صد گونہ جہد می فرمودند و ہر روز در ترتیبش سعی بیش از بیش می نمودند۔" (تحفۃ الاصفیا صفحہ ۳۲،۳۱)

جناب رحیم شاہ صاحب خادم خاص بارگاہ وارثی مؤلف کتاب ہذا سے فرماتے تھے کہ مولینا شاہ عبدالرحمٰن صاحب موحد و صوفی لکھنوی علیہ الرحمۃ کے خاص حاضرین سے میں نے سنا ہے کہ آپ اکثر فرماتے تھے کہ اس وقت دیوہ میں ایک صاحبزادہ ہیں جن کی طرف تمام مخلوق رجوع ہوگی اور وہ اپنے وقت کے آفتاب ہونگے مشرق سے مغرب تک ان کے فیض و تصرّف کا ڈنکا بجے گا۔

علیٰ ہذا الحکیم سید عبدالآد شاہ صاحب تحیّر وارثی جو بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں اور جن کا مزار پر انوار شکور گنج میں زیارت گاہ خلق ہے، عین الیقین میں سراج العارفین سید السادات مولینا شاہ عبدالرزاق صاحب بانسوی قدس سرہٗ العزیز کا یہ مشہور ارشاد لکھتے ہیں کہ "میری پانچویں پشت ایک آفتاب ظاہر ہوگا جس کی روشنی میں اب دیکھتا ہوں"۔

چنانچہ وہی ہُوا پانچویں پشت میں ہمارے شہنشاہؒ کا ظہور ہوا جو درحقیقت آفتاب ہدایت اور اس پیش گوئی کے مصداق حقیقی تھے۔

اسی طرح حضرت شیخ الشیوخ مولینا شاہ نجات اللہ صاحب علیہ الرحمۃ جو حضرت سیدنا حاجی خادم علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیر تھے دیوہ شریف کی طرف سینہ کھولکر فرماتے تھے کہ اس آفتاب کی روشنی سے میں سینہ کو بھرتا ہوں جو اب برآمد ہوا چاہتا ہے۔

الغرض اکثر مقدس اور ابرار بزرگوں نے حضورؒ انور کے ظہور اجلال اور عظمت و کمال کے متعلق پیشن گوئیاں فرمائی ہیں۔ جو اپنے وقت پہ صادق ہوئیں کہ سرزمین دیوہ شریف سے وہ آفتاب ہدایت نمودار ہوا جس کی روشنی سے ہر طبقہ اور ہر مذہب و ملت کے افراد نے فیض حاصل کیا اور جس کے قدم و میمنت لزوم سے خاک دیوہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اہل عشق و محبت اس پر جبہہ سائی کرتے ہیں ۔ ؎ :

بزمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ مردانِ خاص کی عظمت وعزت کا اظہار اسی طرح ہوتا آیا ہے کہ اہلِ بصیرت ان کی شان وجلالت کو ظاہر کرتے ہیں اور ابتدائے عمر ہی سے ان کی — بزرگی کا شہرہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضورِ پرنور کی ابتدائی حالتیں ایسی تھیں جن کو دیکھ کر بزرگانِ عصر نے تسلیم کیا آپؒ ولیٔ مادر زاد تھے اور ازل سے منزلِ عشق کی رہنمائی آپ کا ورثہ خاص تھا جس کی ہر انداز سے خبر ملتی ہے اور آپؒ کی ہر ایک حالت زبانِ حال سے کہہ رہی ہے ؎:

ہر نفس آوازۂ عشق میرسد از چپ و راست
ما بہ فلک میروییم عزم تماشا کراست
ما بہ فلک بودہ ایم یارِ ملک بودہ ایم
باز ہمان جا رویم باز آں شہر ماست
ما ز فلک برتریم وز ملک افزوں تریم
زین دو چرا نگذریم منزلِ ما کبریاست

بیعت و خلافت

حضورؒ انور کے علوم مرتبت کے متعلق بزرگان دین کی پیشین گوئیاں ... اور اقوال بالعموم مشہور و معروف ہیں جن کا ظہور روزِ پیدائش سے تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ابتدا سے حضرت زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین سیدنا حاجی خادم علی شاہ صاحب قبلہ قدس سرہٗ آپؒ کی بیحد قدر و منزلت فرماتے تھے۔

باوجودیکہ حضرت سیدنا حاجی خادم علی شاہ صاحب قبلہ کے حضورِ پرنور چھوٹے نسبتی بھائی تھے۔ مگر وہ آپ کی عظمت و بزرگی کرتے تھے اور ہمہ تن ایام خورد سالی میں آپؒ کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہتے تھے حتیٰ کہ جب عمر شریف گیارہ سال کی ہوئی تو حسبِ دستور بیعت فرما کر ظاہری طور پر خلعتِ خلافت سے بھی سرفراز فرمایا اور اذکار و اشغال

کی تعلیم فرمانے لگے۔

اگرچہ اس عطائے خلافت پر اکثر مریدین و معتقدین کو کسی قدر اختلاف تھا کہ کہ اتنی کم عمری میں یہ خلافت مناسب نہیں ہے لیکن حضرت قبلۂ عالم سیدنا حاجی خادم علی شاہ صاحب آپ کے مدارج و مراتب سے کما حقہ آگاہ تھے۔ اور جانتے تھے کہ آپ مُرید نہیں مراد ہیں۔ اس لیے انہوں نے کسی بات کی پروا نہیں کی اور وہی کیا جو مشیت ایزدی کا منشا تھا اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ (بدرستیکہ زمین کے وارث ہوتے ہیں میرے نیک بندے) ہے :

اے کہ ہستی مظہر عین الیقیں	اے کہ ہستی وارثِ صدق و یقیں
ایں شناسم از طفیل لطفِ تو	ورنہ ہستم مُشتے از خاکِ زمیں

آپ کی دستار بندی

حضورِ پُر نور کو حضرت سیدنا حاجی خادم علی شاہ صاحب قبلہ کی تعلیم و تربیت میں تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا کہ حضرت سیدی حاجی خادم علی شاہ صاحب قبلہ کا مزاج عالی ناساز ہو گیا اور پیرانہ سالی کے سبب سے علالت میں ترقی ہوتی گئی جو بڑھتے بڑھتے مرض الموت بن گئی۔ آخر الامر ایک روز حضرت قبلۂ عالم نے اپنے مریدین حاضرین اور خدام کو طلب فرمایا اور ہر ایک کی تسلّی و تشفی فرمائی اس کے بعد کلمۂ شہادت بہ آواز بلند پڑھا اور کلمہ پڑھتے پڑھتے آپ کی رُوحِ لطیف جسدِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا لِلّٰہ وانا الیہ راجعون۔

تاریخ وفات شریف میں اختلاف ہے بعض روایات کی بنا پر ۱۳ صفر المظفر اور بعض کی بنا پر ۱۴ صفر المظفر ہے آپ کی تجہیز و تکفین نہایت تزک و احتشام سے ہوئی۔ علمائے کرام فرنگی محل اور تمام باشندگانِ شہر ہمراہ تھے۔ گولہ گنج میں متصل مشن ہائی اسکول مزار پاک بنایا گیا جو اس وقت تک مرجع خلائق ہے۔

تیسرے دن رسمِ فاتحہ خوانی ادا ہوئی۔ تمام شہر کے علما، فقرا، عمائد و رؤسا مریدین و معتقدین کا مجمعِ کثیر تھا۔ فاتحہ خوانی کے بعد جانشینی کا مسئلہ پیش ہوا۔ مولوی متا جان صاحب

حضرت سیدنا حاجی خادم علی شاہ صاحب قبلہ کے مریدین و معتقدین خاص میں تھے۔ اور حضرت کے لنگر خانہ کے مہتمم بھی تھے وہ اٹھے اور ایک خوبصورت کشتی میں ایک دستار رکھ کر حضّار کے جلسہ کے روبرو پیش کی اور کہا کہ جس کسی کو اہل سمجھا جائے اس کو اس خلعت سے سرفراز کیا جائے۔

حاجی غلام حسین صاحب جو حضرت سیدنا حاجی خادم علی شاہ صاحب قبلہ کی بارگاہ عالی میں بدرجۂ غایت مقبولیت رکھتے تھے اور شہر میں بھی بہت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو اس خلعت کا مستحق سمجھتے تھے اور بعض اصحاب سے انہوں نے اپنا خیال بھی ظاہر کیا تھا۔ اسی لیے یہ بات معرض بحث میں تھی کہ کس کو جانشین کیا جائے۔ دوران گفتگو میں سید سعادت علی صاحب ابن سید محمود محقق بن حضرت غوث گوالیاری اٹھے اور ہمارے شہنشاہ عالی جاہؒ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر فرمایا کہ میرے نزدیک ان سے بڑھ کر کوئی موزوں نہیں ہوسکتا ہے:

چھانٹا وہ دل کہ جس کی ازل میں نمود تھی
پسلی پھڑک اٹھی نگہِ انتخاب کی

اس انتخاب کی حضرت عارف باللہ مولٰینا محمد اکبر شاہ صاحب اور مولٰینا امید علی صاحب نے یک زبان ہو کر تائید فرمائی اور سب حاضرین جلسہ نے تسلیم کیا اور وہ مقدس خلعت حضور پُرنور کے زیبِ جسم کیا گیا۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ہے:

تکیہ کیا خدا پہ جوہر ایک کام کا — زینت بنا ہے مسند دارالسّلام کا

طالبانِ حق کی بیعت

حضور پُرنور کی خلافت و دستار بندی زمانۂ طفولیت میں ہوئی۔ جس کا سبب صاف ظاہر ہے کہ آپؒ کے علوِ مرتبت سے زمانہ واقف تھا۔ اس لیے تمام جلسہ میں انہیں حضرات کی رائے عظمت و وقعت کی نگاہوں سے دیکھی گئی جن کی نظر انتخاب حضور پرنور پر پڑی تھی۔ اسی صغر سنی کے زمانہ میں آپؒ کے دستِ حق پرست

پر بکثرت مخلوقاتِ الٰہی نے بیعت کی۔

چنانچہ مولوی رونق علی صاحب وارثی الرزاقی پیغمبر پوری لکھتے ہیں کہ میرے خاندان میں بوجہ قرابت وتعلقات خاندانی خانقاہِ رزاقیہ میں سب بیعت ہوتے تھے مگر حضرت سید السادات شاہ عبدالرزاق صاحب بانسوی رضی اللہ عنہ کی اس پیش گوئی کے بموجب جو حضورِ انور کی نسبت مشہور ہے کہ "میری پانچویں پشت میں ایک آفتاب ظاہر ہوگا" میرے جدِ بزرگوار مولوی وزیر علیؒ صاحب مرحوم ومغفور اسی سال حضورِ انور کی شرفِ بیعت سے مستفید ہوئے جس سال آپ کو خلافت ملی تھی۔

جناب مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب شیدا وارثی کے والد ماجد جناب مرزا محمد بیگ مرحوم لکھنوی جب شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے ہیں تو حضورِ انور کی عمر شریف چودہ سال کی تھی۔

مولوی فرخند علی صاحب وارثی متوطن قصبہ چوراسی ضلع لکھنؤ کا بیان ہے کہ میرے دادا شیخ امید علی صاحب نے بھی حضورِ انور سے چودہ سال کی عمر میں بیعت کی تھی۔

اسی طرح چوہدری خدا بخش صاحب وارثی (متوطن آگرہ مقیم اٹاوہ) جو ایک معمر بزرگ ہیں فرماتے ہیں کہ میرے جدِ بزرگوار نے بھی جب بیعت کی ہے تو حضورؒ کا سنِ مبارک چودہ سال سے متجاوز نہیں تھا۔

چوہدری خدا بخش صاحب وارثی کو یہ فخر حاصل ہے کہ ان کی پانچ پشتیں حضور کی حلقہ بگوش ہیں۔ ان کے جدِ بزرگوار والد ماجد، وہ خود ان کے لڑکے اور پوتے سب حضور کی غلامی کا شرف رکھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ایسا شرف ہندوستان میں اور بزرگوں کو بھی حاصل ہوا ہو۔

حافظ گلاب شاہ صاحب وارثی اکبرآبادی رحمتہ اللہ علیہ جو ایک نہایت صاحبِ تاثیر اور ممتاز درویش گذرے ہیں، جن کی بزرگی کا زمانہ قائل ہے۔ یہ بھی حضورؒ کے لڑکپن کے مُرید تھے۔ حافظ گلاب شاہ صاحب کی بیعت کا واقعہ بھی ایک خاص

اہمیت رکھتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ طفولیت ہی سے حضورِ انور کی روحانیت کسقدر ترقی پر تھی۔ چنانچہ حافظ صاحبؒ کے فرزند و جانشین مولوی عبدالقادر شاہ صاحب وارثی اکبرآبادی تحریر فرماتے ہیں کہ میرے والد بزرگوار نے خود اپنی بیعت کا واقعہ بیان فرمایا تھا جو حسبِ ذیل ہے۔

"میں مکتب میں پڑھتا تھا اور میرے ایک عزیز دوست بھی میرے ہمراہ تعلیم پاتے تھے۔ میرے دوست ایک بزرگ سے بیعت ہو گئے اور مجھ سے مصر ہوئے کہ بیعت ہو جاؤ میں اپنے دل میں خیال کرتا تھا کہ مرید ہو جانا چاہیئے کہ نہیں۔ اُسی شب کو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک سفید ریش بزرگ فرماتے ہیں کہ میاں صاحبزادے اگر تم بیعت ہونا چاہتے ہو تو پورب سے ایک بزرگ آتے ہیں ان سے ہو جانا۔ یہ خواب دیکھتے ہی میری ایسی حالت ہو گئی کہ کچھ بیان نہیں کر سکتا۔ تین سال اسی بے بیقراری اور انتظار میں گذرے۔ جس دن زیادہ بے بیقراری ہوتی تھی تو اسی بزرگ صورت کو خواب میں دیکھتا تھا جس سے دل کو قرار آ جاتا تھا۔ تین سال کے بعد میں نے خواب دیکھا کہ وہی بزرگ پھر تشریف لائے اور فرماتے ہیں کہ وہ بزرگ پورب سے تمہارے شہر میں آگئے ہیں ایک سرائے میں مقیم ہیں جا کر ڈھونڈ لو۔

یہ خواب دیکھتے ہی میری آنکھ کُھل گئی۔ میں نے وضو کیا اور مکان سے باہر نکلا تو معلوم ہوا کہ رات کے دو بجے ہیں۔ میں ایک طرف کو جدھر کو دل نے گواہی دی چل دیا۔ پہرہ داروں نے روکنا چاہا مگر شوق و اضطراب میں دل پہلو سے نکلا جاتا تھا۔ میں نے کسی کی ایک نہ سنی اور اسی حالت میں چلا گیا۔ آگرہ میں ایک محلہ ہینگ کی منڈی کے نام سے موسوم ہے۔ یہاں ایک سرائے ہے۔ میں دل کی رہبری سے اس سرائے کے دروازے پر پہنچا اور اس کے دربان سے پوچھا کیا کوئی بزرگ پورب سے یہاں آکر مقیم ہوئے ہیں۔ اس نے نام پوچھا مجھے نام کیا معلوم تھا اس لیے خاموش ہو گیا۔ اس نے سرائے کا دروازہ کھول دیا۔ میں اندر گیا اور اپنی بے تابانہ حالت سے کمروں میں جھانک جھانک کر دیکھنا شروع کیا مگر وہاں بالکل اندھیرا تھا۔ ایک کمرہ کے اندر سے آواز آئی " حافظ گلاب تم آگئے!" میں اس آواز کو سُنتے ہی اور بیقرار ہو گیا اور دوڑ کے قدموں پر گر پڑا اس وقت

حضور متبسم تھے۔ میں نے اپنے مکان پر تشریف لے چلنے کے لیے عرض کیا۔ حضورؒ نے بہ خندہ پیشانی منظور فرمایا۔ اس وقت حضورؒ انور کا سن شریف ۱۳ سال اور ۴ ماہ تھا اور میری عمر ۱۹ سال کی تھی۔ یہ واقعہ حضورؒ کی زیارت اور میری بیعت کا ہے۔"

قبل اس واقعہ کے جب پہلا خواب بشارتِ بیعت سے متعلق حافظ گلاب شاہ صاحب نے دیکھا ہے تو حضور انور کی عمر شریف دس سال چار ماہ کی تھی اور بہ اسباب ظاہر آپؒ خلعتِ خلافت سے ممتاز نہیں ہوئے تھے۔ کیونکہ ۱۱ سال کی عمر میں آپؒ کی خلافت متحقق ہے۔ مگر اس واقعہ سے حضورؒ انور کی مقدس روحانیت اور ازلی شرف و اقتدار کی بیّن طور پر جھلک نظر آتی ہے کہ آپ ابتدا ہی میں کامل ہو گئے تھے۔ اسی زمانہ میں طالبانِ حق کو منزلِ مقصود کا راستہ دکھایا اور بے شمار مخلوق آپؒ کی روحانیت و بیعت سے مستفید ہوئی۔

حافظ گلاب شاہ صاحبؒ بیان فرماتے تھے کہ جس مقدس و بزرگ صورت کی میں نے خواب میں زیارت کی تھی وہی شکلِ نورانی عالم ضعیفی میں میں نے حضورؒ پر نور کی مشاہدہ کی ہے۔

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔ حافظ گلاب شاہ صاحبؒ بیان فرماتے تھے کہ وہ زمانہ حضور انور کے لڑکپن کا تھا۔ میں نے دیکھا ہے کہ اس زمانہ میں آپ کو پتنگ اڑانے سے شوق تھا۔ آپ میرے مکان کے بالاخانہ پر قیام فرماتے تھے۔ یہ نئی ترکیب تھی کہ رات کو پتنگ اڑایا کرتے تھے۔ شب کے وقت حضورؒ پر نور اکثر پتنگ اور ڈور طلب فرماتے جب خدمتِ عالی میں حاضر کی جاتی تو آپؒ اندازاً نصف سیر ڈور کھول دیتے تھے۔ پتنگ کی اڑان نہایت تیز ہوتی تھی۔

آپؒ مجھ سے اور دیگر حاضرین سے ارشاد فرماتے کہ دیکھو وہ پتنگ اڑ رہی ہے ہم لوگوں کو بالکل نظر نہیں آتی تھی اس لیے عرض کرتے تھے کہ حضور ہم کو تو دکھائی نہیں دیتی۔

اکثر ڈور بھی ہم لوگوں نے ہاتھ میں لی ہے تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی وہ اسقدر زور میں ہوتی تھی کہ بمشکل رکتی تھی۔ سنبھالنا مشکل ہوتا تھا۔ بالآخر اینٹ یا پتھر سے اس ڈور

کو رباد یتے تھے وہ آپ سے آپ اڑا کرتی تھی اور آپؒ اس کو دیکھتے رہتے تھے۔ یہ تو حضورؒ کا بہ تقاضائے سن ایک کھیل تھا۔ اس زمانہ میں بھی حضورؒ سے جو صدہا تصرفات ظاہر ہوتے تھے اُن سے دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی۔

منشی عبد الغنی خان صاحب وارثی رئیس پوردہ عبد الغنی خان سابق نائب ریاست ہونا ضلع سلطان پور تحریر فرماتے ہیں کہ میری عمر سولہ سال ہوگی جب میں تعلیم پاتا تھا اس وقت میں نے ایک شخص کی زبانی سُنا کہ دیوہ شریف ضلع بارہ بنکی میں ایک صاحبزادہ ہیں جن کے والدین کی وفات ہوچکی ہے گھر میں خدا کا دیا مال و دولت سب کچھ ہے مگر وہ فقیر ہوگئے ہیں اور شوقِ بیت اللہ ہے۔ ۱۲، ۱۳ برس کی عمر ہے، میں نے نام پوچھا تو حضورؒ کا اسمِ گرامی بتایا۔ اسی وقت سے کچھ عجیب حالت ہوگئی جس طرح کسی صدمۂ عظیم سے سکوت طاری ہوجاتا ہے۔ اکثر میری آنکھیں اشکبار ہوجاتی تھیں اور دل ہی دل میں حضورؒ انور کا خیال کرتا تھا۔ جس کا اندازہ کچھ وہی تلوب کرسکتے ہیں جو دردِ محبت سے آشنا ہیں۔

منشی عبد الغنی خان صاحب وارثی حضورؒ انور سے عنفوانِ شباب میں بیعت ہوئے ہیں۔ جناب موصوف کا بیان ہے کہ آغازِ شباب میں حضور انور کا ایک مشغلہ یہ بھی تھا کہ چھری اور کٹار طلب فرماتے اور انگشتِ شہادت سے اس کی دھار کو ملاحظہ فرماتے تھے اور اس کے لوہے کی تعریف کرتے تھے کہ یہ اس قسم کا لوہا ہے۔

غرضکہ حضور انور کے ایامِ طفولیت کے واقعات بھی حیرت انگیز ہیں۔ جن سے ایک عالم متاثر تھا۔ اور اسی زمانہ میں مخلوقِ الٰہی حضورؒ کی بیعت سے بکمال شوق و مسرت فیضیاب ہورہی تھی۔ حضورؒ انور کو شوقِ بیت اللہ بدرجۂ غایت تھا حتیٰ کہ عالمِ طفولیت ہی میں آپؒ نے عزمِ سفر فرمایا۔

مختصر حالاتِ سفر

آپؒ کی عمر شریف تقریباً پندرہ سال کی ہوگی جب آپؒ نے حجِ بیت اللہ کا ارادہ فرمایا بزرگانِ متقدمین کا بیان ہے کہ زمانۂ طفولیت ہی میں آپ کا یہ حال تھا کہ جب کوئی

آپکے رو برو مدینۂ منوّرہ کا ذکر کرتا تھا تو آپ بہ حالتِ ذوق و شوق بیقرار ہو جایا کرتے تھے۔ جب آپ عازمِ سفر ہوئے تو مریدین و معتقدین کو آپؒ کی مفارقت بہت شاق گذری اور طولِ مسافت کے خیال نے سب کو بے چین کر دیا۔ اس لیے اپنے خیالات کے بموجب سفر کی زحمتیں جتائیں مگر آپ تو بطنِ مادر سے عاشقِ الٰہی پیدا ہوئے تھے۔ اور منزلِ عشق کی جادہ پیمائی آپ کے حصہ میں آچکی تھی۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ دیارِ محبوب میں جانے کے لیے صحرا نوردی یا آبلہ پائی کا خیال مانع ہوتا۔ عاشقانِ جانباز کے پاکیزہ جذبات خود خضرِ راہ ہوتے ہیں نہ ان کو خارِ مغیلاں کا خوف ہوتا ہے نہ صعوبت سفر کا خیال ہے :

عشق تو مرا اسیر دیـراں کردست
درگوئے خرابات پریشاں کردست

آپؒ کے ذوق و شوق کا عالم دیکھ کر سمجھانے والے خاموش ہو رہے۔

اوّل آپؒ حضرت قبلۂ عالم سیدنا حاجی خادم علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مزارِ پُرانوار پر تشریف لے گئے اور وہاں فاتحہ پڑھی اس کے بعد مشتاقوں کی جماعتِ کثیر سے رخصت ہوئے اور سب نے حسرت و یاس سے بہ چشمِ پُرنم حضوؒر کو خدا حافظ کہا۔

راستہ میں آپ جا بجا قیام فرماتے ہوئے اجمیر شریف پہنچے۔ یہ زمانہ حضرت خواجۂ غریب نوازؒ کے عرس شریف کا تھا۔ آپؒ نے مزارِ پُرانوار پر پہنچ کر بحالت ذوق و شوق طواف کیا۔ اس کے بعد محفلِ سماع میں شریک ہوئے۔ سماع میں آپ پر بیخودی طاری ہو گئی اور آپ کی کیفیت سے تمام محفل میں ایک حالت پیدا ہو گئی۔ سب لوگوں پر رقعت طاری تھی۔ جب آپ کو اپنی حالت سے افاقہ ہوا تو حاضرین نے دست بوسی و قدم بوسی کے لیے حضوؒر کو گھیر لیا۔ اجمیر شریف میں ہر شخص کی زبان پر حضوؒر کا تذکرہ تھا۔ آپؒ کے یمین و یسار مشتاقوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ بیشتر افراد آپ کے دستِ حق پرست پر مستفیدِ بیعت ہوئے۔ چنانچہ اب بھی خادموں اور صاحبزادوں میں حضوؒر کے جاں نثار مریدین موجود ہیں۔

اس زمانہ میں ایک بی بی حضورؒ کی بیعت سے مستفید ہوئی تھیں جن کا نام مسماۃ بی تبن تھا یہ عبداللہ سنگتراش کی دختر اور نہایت دولت مند و توانگر تھیں مگر طلبِ حق میں مال و زر کی کچھ پرواہ نہیں تھی آپؒ نے انؒ کے لیے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے روضۂ منوّر کے قریب جگہ تجویز فرمادی تھی۔ مشہور ہے کہ اس خدا پرست بی بی کو تمام لوگ صاحبِ ولایت و کرامت اعتقاد کرتے تھے اور ان کی دعاؤں سے فیضیاب ہوتے تھے۔

اجمیر شریف سے آپؒ ناگپور پہنچے مولوی حسین بخش صاحب ناگپور کے ایک مقتدر رئیس اور پیرزادے تھے آپؒ سے نہایت حسنِ عقیدت سے پیش آئے۔ حضورؒ ناگور میں اُنہیں کے مکان پر رونق افروز ہوئے۔ مولوی حسین بخش صاحب حضورؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ آپ نے ان پر خاص نظرِ عنایت فرمائی اور بیعت لینے کی اجازت بھی عطا فرمادی۔ یہاں سے آپ شہر پیران پٹن اور احمد آباد بھکر وغیرہ مقامات سے ہوتے ہوئے بمبئی پہنچے۔ بمبئی میں آپؒ نے دو ہفتہ قیام فرمایا اور بزرگانِ دین کے مزارات کی زیارت کی۔ یہاں کے نامور تاجر سیٹھ یعقوب خان و یوسف ذکریا صاحبان نے ایک جماعت کثیر کے ساتھ آپؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ یہاں سے حضورِ انورؒ جہاز میں سوار ہوئے اور جہاز میں سب سے نیچے کے درجہ میں اقامت فرمائی اس زمانہ میں آپؒ تیسرے دن غذا تناول فرماتے تھے۔ آپؒ بالکل متوکل رہتے اس لیے حسبِ دستور حضورؒ کے ساتھ کچھ کھانے پینے کا سامان نہ تھا۔ چنانچہ کئی دن گذر گئے اور آپؒ نے کچھ نہ کھایا اور جب اسی حالت میں آپؒ کو سات روز گذر گئے تو یکایک خود بخود جہاز چلنے سے رُک گیا۔ اس جہاز میں ایک دیندار تاجر محمد ضیاءُ الدین نامی بھی سوار تھے۔ ان کو خواب میں حضرت سرورِ کائناتؐ خلاصۂ موجودات جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور یہ ارشاد ہوا کہ تو خود کھاتا ہے اور ہمسایہ کی خبر نہیں لیتا۔

تاجر موصوف اس ارشاد کو سنتے ہی چونک پڑے اور اس خیال میں محو ہو گئے کہ اس جہاز میں ضرور کوئی ولی اللہ ہے۔ چونکہ تاجر موصوف ایک فیاض و سخی شخص

تھے اس لیے انہوں نے اس خیال سے کہ تلاش کرنے میں ممکن ہے کہ گوہر مقصود حاصل نہ ہو سب جہاز والوں کی دعوت کردی اور انواع و اقسام کے کھانے تیار کرائے اور سب لوگوں کے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد وہ خود جہاز کے ہر درجہ میں تلاش کرتے پھرے۔

جب نیچے کے درجے میں پہنچے تو دیکھا کہ آپؒ ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے ہیں وہ دوڑ کے قدمبوس ہوئے اور وہیں کھانا حاضر کیا آپؒ نے دو چار لقمے تناول فرمائے جب تاجر موصوف اپنے مقام پر پہنچے تو جہاز چلنے لگا۔ اس روز سے تاجر موصوف حضور کے بہت معتقد ہو گئے۔ جب کھانا تیار ہوتا تھا تو پہلے آپؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے تھے۔ حضورؒ انور تیسرے دن حسب معمول قدر قلیل تناول فرماتے تھے۔

آپؒ کی سیر و سیاحت کے واقعات کلی طور پر معلوم نہیں ہو سکے۔ صاحب عین الیقین اور تحفۃ الاصفیا وغیرہ نے کچھ تحقیق و تصدیق کی ہے مگر وہ بالکل ناتمام ہیں۔ دو تین مرتبہ سے زیادہ کے واقعات ان کو بھی دستیاب نہ ہو سکے۔ عرصۂ دراز کے حالات سفر کے لیے چند اوراق کیا کفایت کر سکتے ہیں۔ حضورؒ انور کی عمر شریف کا زیادہ حصہ سیر و سیاحت ہی میں بسر ہوا ہے اور آپ کے تذکرہ نویسوں نے جو کچھ کتابیں آپ کے حالات میں لکھی ہیں وہ یا تو خود ان کے چشمدید حالات پر مبنی ہیں یا بزرگان متقدمین کی روایات صادقہ کی بنا پر تحریر ہوئی ہیں۔ خود حضور کی یہ عادت نہیں تھی کہ اپنے سفر کا کوئی مفصل واقعہ یا دیگر حالات بالتفصیل مشتاقوں کے سامنے بیان فرماتے ہوں۔ کبھی کوئی واقعہ سفر وغیرہ سے متعلق بیان بھی فرمایا تو وہ نہایت مختصر الفاظ میں۔ مولوی رونق علی صاحب وارثی الرزاقی بھتیجے پوری خلف الرشید حضرت شاہ مقصود علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کے بزرگوں کو دربار وارثی میں شرف قدامت حاصل ہے۔ اپنے والد بزرگوار کی کتاب یادداشت سے تحریر فرماتے ہیں کہ آپؒ کے ثقات مریدین اور دیگر بزرگوں سے مسموع ہوا ہے کہ آپؒ نے سترہ حج ادا فرمائے ہیں۔ بارہ سال تک یک لخت سیاحت ممالک عرب و عجم، حجاز و عراق روم و شام میں مصروف رہے اور انہیں ممالک کی سیاحت

فرماتے رہے اور دس مرتبہ حج میں شریک ہوئے اور وہاں کی واپسی کے بعد سات مرتبہ ہندوستان سے تشریف لے گئے۔ ان میں تین حج خشکی کے راستہ سے براہ کابل سفر کرکے ادا فرمائے ہیں۔ دو مرتبہ دخانی جہاز کی سواری سے اور دو مرتبہ بادبانی جہاز کی سواری سے۔ یہ سفر حضورِ انور کے مختلف مقامات سے ہوئے ہیں۔ کبھی اجمیر، کبھی دہلی اور کبھی ملتان سے۔ ایک حج میں دیوہ شریف سے تشریف لے گئے ہیں۔

آپؒ نے اپنی سیاحت میں کل مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کی ہے اور بے شمار مخلوقِ الٰہی آپؒ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئی ہے۔ اسی سیاحت کے زمانہ میں سلطان عبدالمجید خاں مرحوم آپؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے ہیں۔ ان کی بیعت کا واقعہ یہ ہے کہ حضورِ پُرنور جب قسطنطنیہ تشریف لے گئے تو عبداللہ حاجب کے مکان پر فروکش ہوئے۔ ایک دن اس نے عرض کیا کہ باغِ سلطانی کی اگر حضورؒ سیر فرمائیں تو نہایت شاد ہوں۔ چنانچہ اس کی درخواست پر حضورِ انور سیر کے لیے تشریف لے گئے۔ حسنِ اتفاق سے اسی وقت سلطان المعظم بھی تشریف لائے اور آپؒ کے جمال عدیم المثال کی زیارت سے مستفیض ہوئے اور اپنے محل میں نہایت اصرار کے ساتھ ایک ہفتہ تک مہمان رکھا۔ امیر المومنین خود بھی مستفید بیعت ہوئے اور بے شمار ترکوں نے بھی حضورِ پُرنور کے دستِ مبارک پر شرفِ بیعت حاصل کیا۔ اس واقعہ کو اکثر لوگوں نے حضورِ پُرنور سے بھی دریافت کیا ہے۔

چنانچہ مولوی حسین علی صاحب نواب وارثی تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضورؒ کی زبانِ مبارک سے سنا ہے جس سے معلوم ہوا کہ سلطان المعظم کو خواب میں جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تھی اور آپؐ کی مبارک صورت دکھائی گئی تھی اسی وجہ سے انہوں نے باغ میں دیکھتے ہی حضور کو پہچان لیا۔

حضور نے خود بہ سبیلِ تذکرہ فرمایا تھا کہ محل سلطانی سے ہم نے ایک ڈوری لٹکا دی تھی اسی کو ایک ساتھ بہت سے ترک پکڑ لیتے تھے اور بیعت ہو جاتے تھے تین چار روز تک یہی سلسلہ رہا۔ آپؒ ان تبرکات کی بھی بہت تعریف فرماتے تھے جو سلطان المعظم نے آپ کو دکھائے تھے۔

آپ نے روس، جرمن اور فرانس کی بھی سیاحت فرمائی ہے۔ سنگلدیپ بھی تشریف لے گئے ہیں۔ غرضکہ اس زمانہ میں آپ نے جس قدر سیاحت کی ہے اور جس قدر دُور دراز ممالک کا سفر فرمایا ہے کسی بزرگ کی اس قدر سیاحی سننے میں نہیں آئی۔ مگر اولیاءِ کرام کی سیاحت بفحوائے قل سیروا فی الارض عبرت کے لیے ہوتی ہے۔ ان کو ظاہری باتوں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آپ نے تفصیل سے کبھی کہیں کے حالات بیان نہیں فرمائے۔ بزرگانِ متقدمین کو جو کچھ حالات و واقعات معلوم ہوئے ہیں وہ ایسے لوگوں کی زبانی معلوم ہوئے جو ہندوستان سے زیارت وغیرہ کے لیے گئے اور اتفاق سے حضورِ پُرنور کی زیارت بھی ہوگئی۔ یا ان لوگوں سے معلوم ہوئے جو مقاماتِ مقدسہ میں حضرتِ اقدس کی بیعت سے مشرف ہوئے ہیں۔ عرب میں اکثر خاندان حضورؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے ہیں۔ اکثر سیاحوں نے بیان کیا ہے کہ ہم نے آپؒ کے خرقہ پوشوں کو پہاڑوں اور جنگلوں اور دیگر ممالک میں دیکھا ہے۔ کوئی صاحبِ ریاضت و محنت شاقہ تھے، کوئی صاحبِ تصرّف و ارشاد تھے۔ غرض کہ آپؒ کے جاں نثاروں سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے جس کا مختصر ذکر آئندہ آئے گا۔

تفویضِ امانت

حضورِ انور کے واقعاتِ سفر میں بعض واقعات نہایت اہم ہیں جو مجملاً حاصل ہوئے ہیں۔ صاحب تحفۃ الاصفیا و عین الیقین لکھتے ہیں اور دیگر بزرگانِ متقدمین بھی راوی ہیں کہ جب آپؒ پہلی مرتبہ مکہ معظمہ گئے ہیں تو راہ میں ایک صاحبِ جذب درویش سے ملاقات ہوئی جو آپؒ کے انتظار میں تھے۔ انہوں نے آپ کے سینہ سے سینہ ملایا اور جو امانت ان کے پاس تھی وہ تفویض کر دی۔ اس کے بعد آپؒ کے زانوئے مبارک پر سر رکھ کر واصلِ محبوب ہوئے۔ یہ بزرگ نہایت مشہور و معروف تھے اسی لیے جب وفات کی خبر مکۂ معظمہ پہنچی تو اکثر عمائدینِ مکۂ معظمہ آکر شریکِ تجہیز و تکفین ہوئے۔

اسی طرح ایک بزرگ سے مدینۂ منورہ کے راستہ میں بھی ملاقات ہوئی اور ان سے بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ مولوی عبدالغنی صاحب وارثی رئیس پورہ عبدالغنی خان ضلع

رائے بریلی لکھتے ہیں کہ ان کی نسبت حضور پُر نور خود ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کی لاش طائرِ سبز ہو کر اڑ گئی اور ہیں عرصہ تک جنگل میں پھرتا رہا۔

مولوی رونق علی صاحب وارثی الرزاقی بیتھے پوری تحریر فرماتے ہیں کہ خاص بیت اللہ شریف میں حضور پر نور کی آمد کے ایک بزرگ منتظر تھے جنہوں نے آپ سے ملتے ہی وصال فرمایا۔ بزرگان متقدمین کی تحقیقات میں نسبتِ اویسیہ کے وہ امانت دار تھے جو انہوں نے حضور کو سونپ دی۔ یہ روایت شاہ فضل حسین صاحب وارثی سجادہ نشین حضرت شاہ ولایت علیہ الرحمتہ نے بھی حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی سے بیان فرمائی ہے اور حضرت مولینا حاجی منصب علی شاہ صاحب چشتی قادری خلیفۂ خاص حضرت مولینا شاہ نعمت اللہ صاحب و حضرت شاہ ابوالحسن صاحب پھلواروی سے بھی منقول ہے جو پہلے سفر میں اکثر مقاماتِ مقدسہ پر حضور کے ہم سفر رہے ہیں۔

ریاضت و مجاہدہ

آپ زمانۂ طفولیت سے ریاضت و مجاہدہ کے پابند تھے قبل آغاز جوانی آپ تین دن کا روزہ رکھا کرتے تھے اور ایک عرصہ تک سات دن کا روزہ بھی رکھا ہے ان روزوں کی حالت میں آپ کی غذا نہ ہونے کے برابر ہوتی تھی۔

مولوی رونق علی صاحب بیتھے پوری اپنے جدِ بزرگوار مولوی قدیر علی صاحب مرحوم و مغفور کی روایت سے لکھتے ہیں کہ جب حضورِ انور پہلی مرتبہ بیتھے پور تشریف لائے ہیں تو آپ تین دن کا روزہ رکھا کرتے تھے اور تیسرے دن صرف ابالی ہوئی نصف اردی سے افطار فرماتے تھے۔ وہ بھی بے نمک ہوتی تھی۔ مولوی عبدالغنی خان صاحب وارثی رئیس پورہ۔ عبدالغنی خان جو نہایت سن رسیدہ بزرگ ہیں۔ لکھتے ہیں کہ جب آپ دیوہ شریف اور فتح پور میں کچھ زیادہ قیام فرمانے لگے تو دیکھا گیا ہے کہ ساتویں دن صرف پانچ آلو اوسط درجہ کے تناول فرماتے تھے۔ دیگر بزرگان متقدمین کا بیان ہے کہ ہم نے عرصۂ دراز تک حضور پُر نور کو کسی قسم کے اناج وغیرہ کو تناول فرماتے نہیں دیکھا۔ بعض روایات سے پچاس سال عُمر تک اور بعض سے اس سے زائد عُمر تک آپ ان روزوں

کے پابند رہے۔

شکم مبارک ہمیشہ رومال سے کسا ہوا رہتا تھا۔ کبھی حضور انور شکم پر پتھر بھی باندھ لیتے تھے۔ گوشت، دودھ، گھی، انڈا، پیاز، لہسن وغیرہ ایک مدت تک آپؒ نے استعمال نہیں فرمایا۔ تکلفات و آسائش کے سامان سب ترک تھے۔ نہ کبھی چارپائی پر نشست فرمائی۔ نہ تخت پر بیٹھے۔ ہمیشہ زمین پر نشست و استراحت فرمائی۔ آپ کی ہر وضع اور ہر بات میں مجاہدہ و ریاضت کے آثار پائے جاتے تھے۔

بروایات حکیم رحمت علیؒ صاحب پیتھے پوری و حضرت شاہ مقصود علی صاحب وارثی و حضرت حاجی شاہ منصب علی صاحب چشتی سلونی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین و دیگر بزرگانِ متقدمین متحقق ہے کہ پہلے سفر میں حضورؒ نے جبالِ مقدسہ کوہِ عرفات و کوہِ طور و کوہِ لبنان و غارِ ثور و غارِ حرا وغیرہ میں خلوت فرمائی اور بیت اللہ و بیت المقدس و مسجد نبویؐ صلعم و نجف اشرف و کاظمین شریفین و کربلائے معلیٰ و بغداد شریف میں چلہ کشی کی ہے اور اسی سبب سے یک لخت بارہ سال تک اسی نواح میں رہے ہیں۔

یہ وہ واقعات ہیں جو متحققین کی تحقیقات پر مبنی ہیں۔ آپ کے تمام ریاضات و مجاہدات کا علم نہیں ہو سکا۔ بظاہر جو باتیں دیکھی گئی ہیں وہ یہ ہیں کہ شب و روز میں کبھی کسی نے حضور کو سوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وقت استراحت اگر کسی کو کبھی خیال گذرا کہ آپ سو رہے ہیں تو فوراً آپ نے دریافت فرمایا کہ کون ہے۔ یہ بیشتر افراد کا تجربہ ہے۔

ابتداءً آپؒ شب بھر کلام مجید اور نوافل پڑھنے کے عادی تھے استراحت بھی نہیں فرماتے تھے۔ ۳۶ سال کی عمر سے ۴۰ سال کی عمر تک آپؒ کو کبھی بوقت شب استراحت فرماتے ہوئے یا کسی سے بات کرتے ہوئے بھی نہیں دیکھا گیا تمام شب کھڑے ہو کر نوافل پڑھتے تھے۔

اس زمانہ میں پائے مبارک بھی متورم ہو جاتے تھے۔

حضور انور کی یہ حالتیں مستند بزرگوں کی چشمدید ہیں۔ خود آپؒ نے کبھی اپنے کسی مجاہدہ کا ذکر نہیں فرمایا۔ آپؒ کو اخفا بہت مدِ نظر تھا۔ اس لیے ممکن ہے کہ آپؒ کے اکثر مجاہدات و ریاضات کا ہم کو علم بھی نہ ہو اور وہ ان سے بھی زیادہ دشوار اور برتر

ہوں۔

تسلیم و رضا

آپؒ کے ریاضات و مجاہدات میں مجاہدہ تسلیم و رضا ایک نمایاں شان رکھتا ہے۔ مسئلہ تسلیم و رضا کو آپ کی ذاتِ محمود الصفات سے ایک خاص مناسبت تھی۔ آپؒ ہمہ تن پابندِ تسلیم و رضا تھے اور دیگر وراثتوں کی طرح وراثتِ تسلیم و رضا بھی آپؒ کو اپنے اسلاف سے وراثتہً پہنچی ہے۔

ظاہر ہے کہ تسلیم و رضا کی پابندی نہایت مشکل ہے اور یہ خاص حصہ نُورِ عینینِ جنابِ احمدِ مجتبٰیؐ شہزادۂ گلگوں قبا حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام کا ہے۔

چنانچہ خود حضورؒ پُرنور کا قول ہے کہ "تسلیم و رضا حضرت بی بی فاطمہؓ اور دونوں صاحبزادوں کا حصہ ہے۔"

ایک مرتبہ مشائخ عظام کے طریقوں کا ذکر فرماتے ہوئے تسلیم و رضا کے بارہ میں ارشاد فرمایا کہ "مشکل بہت ہے اس کو سب نے چھوڑ دیا یہ بی بی فاطمہؓ سے ہے تسلیم و رضا انہیں سے ہے۔ (مشائخ عظام کے طریقوں کی نسبت فرمایا) اور وہ طریقے انتظامی ہیں۔ اگر انتظام نہ ہو تو سب کھیل بگڑ جائے۔ سب ایک ہی سے ہو جائیں۔

یہ بھی فرمایا ہے کہ "حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک رضائے معشوق کے لیے تمام خاندان کو میدانِ کربلا میں شہید کرا دیا۔ کوئی کیا سمجھ سکتا ہے رمزِ عاشقی و معشوقی نازک ہے۔

گویا رضائے معشوق ہی آپؒ کے نزدیک رمزِ عشق تھا۔ آپؒ کے تمامی افعال حتّٰی کہ حرکات و سکنات رضائے محبوب میں واصل ہو گئے تھے کوئی فعل آپؒ سے خلافِ تسلیم و رضا سرزد نہیں ہوا۔ تسلیم و رضا کے خاص لوازمات صبر و شکر و تحمل و توکل۔ قناعت و استقلال۔ خوشنودی بر قضا و قدر ہیں اور ان امور میں بلاشبہ آپؒ فردِ فرید تھے اور بالکل اپنے آباؤ اجدادِ کرام کے قدم بقدم چلتے تھے۔ جس کا اصلی سبب یہی ہے کہ آپؒ چمنستانِ مرتضوی کے ایک تر و تازہ پھول تھے۔ جن بزرگوں کو حضورؒ انور کی صحبت نصیب ہوئی ہے وہ بخوبی واقف ہیں کہ تسلیم و رضا کا مرحلہ طے فرمانے میں آپؒ سے ثابت قدمی کا اظہار ہوا

ہے جو قابلِ حیرت ہے۔

اس زمانہ کے اکثر علمائے کرام و مشائخ عظام کو حضورِ پُرنور کے اوصاف کا تجربہ ہے۔ انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ ان اوصاف میں آپؒ کی ذات محمود الصفات عدیم المثال تھی۔ چنانچہ مولوی محمد ناظم علی صاحب نائب مہتمم مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ جو ایک ثقہ اور ممتاز بزرگ ہیں اور حضرت مولینا شاہ فضل الرحمٰن صاحب نقشبندی مجددی رضی اللہ عنہ سے شرفِ بیعت رکھتے ہیں تحریر فرماتے ہیں کہ "حاجی صاحب کی متواتر صحبت اور نیز بزرگانِ مستند کے اقوال سے جو معلوم و مفہوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ حاجی صاحب اپنے وقت میں فقیرِ صاحبِ سکر عدیم المثال اور فقید النظیر سالک مجذوب تھے۔ آپ تفرید و تجرید توبہ و انابت ذکر و فکر توحید و توکل تسلیم و تحمل زہد و سخاوت میں فردِ روزگار تھے۔"

ادنیٰ تعریف آپؒ کی پابندیٔ تسلیم و رضا کی یہ ہے کہ آج کوئی متنفس اس کی شہادت نہیں دے سکتا کہ اُس نے حضورِ پُرنور کی زبانِ مبارک سے کبھی ایک لفظِ شکایت سُنا ہو۔

حالتِ مرض میں کبھی مرض کا نام آپؒ نے نہیں لیا نہ طبیب کو حال بتایا۔ نہ باعتبارِ موسم سردی یا گرمی یا برسات کے متعلق کوئی ایسا لفظ زبانِ مبارک سے نکلا جس سے یہ معلوم ہو کہ سردی یا گرمی کی کمی بیشی کے متعلق حضورِ پُرنور کا کیا خیال ہے؟ تاکہ اس کا انسداد کیا جائے۔ آپ میں ہر ایک تکلیف و راحت کی حالت یکساں دیکھی گئی جو کچھ راحت و تکلیف خدا کی طرف سے ہو وہ گویا عین مرضی کے مطابق ہے کبھی آپؒ نے کسی پریشانی یا مصیبت کے احساس کا اظہار نہیں فرمایا۔ جس سے اس مسئلہ پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ آپؒ کی تمام خواہشات رضائے الٰہی میں فنا ہو گئی تھیں اور آپ کے تمام عادات صفاتِ خداوندی میں مل گئے تھے ؎

اتحادیست میانِ من و تو　　من و تو نیست میانِ من و تو

مولوی نادر حسین صاحب وارثی نگرامی (وکیل بارہ بنکی) جو ایک ثقہ بزرگ ہیں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک سال خشک سالی کے باعث فصلِ خریف خشک ہو گئی تھی میں آٹھ بجے شب کو حضورؒ کے پائے مبارک دبا رہا تھا کہ حضورِ پُرنور نے ارشاد فرمایا "نادر حسین

اس وقت ہوا ٹھنڈی چلتی ہے"۔ میں نے کہا جی ہاں نواب علی شاہ صاحب مرحوم نے کہا کہ داتا دن کو ایسی گرم ہوا چلتی ہے کہ تمام فصل خریف بھسم ہوگئی۔ یہ سن کر حضورؒ پر نور نے ارشاد فرمایا" تم کیا جانو معشوق کی دی ہوئی تکلیف کہاں میسر ہوتی ہے"۔ اس کے بعد پھر بارش ہوئی اور بقیہ فصلِ خریف کی پیداوار ہوئی، فصلِ ربیع بوئی گئی جس میں خوب غلہ پیدا ہوا۔

حاجی اوگھٹ شاہ وارثی لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں دیوہ شریف میں طاعون شروع ہوا لوگ بستی چھوڑ کر باہر چلے گئے۔ جب حضورؒ کو اطلاع ہوتی تھی کہ لوگ بھاگ رہے ہیں تو آپ فرماتے تھے کہ" خدا ہر جگہ ہے بھاگ کر کہاں جائیں گے، کیا وہاں خدا نہیں ہے"۔

ہر چند ڈاکٹر نے کوشش کی کہ بستی سے باہر آپؒ کوٹھی میں سکونت اختیار فرمائیں مگر آپؒ نے منظور نہیں فرمایا۔

اس قسم کے صدہا واقعات ہیں۔ انتہا یہ کہ بحالتِ علالت کبھی آپ کی زبان مبارک سے مرض یا تکلیف کا نام نہیں سنا گیا۔ نہ کراہنے کی آواز سنی گئی نہ کبھی شدتِ مرض سے آہ نکلی۔

حتیٰ کہ مرض الموت میں ہندوستان کے چند بڑے بڑے نامور اطبا و حکما موجود تھے ان کے حال دریافت کرنے پر آپ شکر کے الفاظ سے زبان مبارک سے ارشاد فرماتے تھے کہ" بہت اچھا ہوں"۔ کبھی مرض کی شکایت نہیں فرمائی۔ اگر کسی طبیب نے اپنی تشخیص سے کسی خاص تکلیف کا نام لیا کہ حضور کی پسلی میں درد ہے یا سینہ میں درد ہے تو تائید فرمانے کے طریق سے بھی کوئی لفظ ارشاد نہیں فرمایا بلکہ یہ فرماتے تھے" تم تو بڑے حکیم ہو"

آپ کے واقعات و حالات سے کلی طور پر ثابت ہے کہ آپؒ کسی تکلیف یا مصیبت کا زبان پر لانا تسلیم و رضا کے خلاف سمجھتے تھے۔ غرض کہ ہر حال میں رضا و تسلیم کے اس سختی سے پابند تھے کہ انسان اس کو مافوق العادت کہنے پر مجبور تھا۔ انتہا یہ ہے کہ کہ اگر رضا و تسلیم کے خلاف کوئی بات حضور انور کے سامنے ہوتی تھی تو فوراً جبینِ مبارک میں چین پڑ جاتی تھی مگر زبانِ فیض ترجمان سے کوئی لفظ ارشاد نہیں فرماتے تھے۔

حضور انور کو تسلیم و رضا میں اسقدر انہماک تھا کہ کسی کی زبان سے گلے شکوے قطعی

سننا نہیں چاہتے تھے، یہ بات بالکل ناگوارِ خاطر شریف تھی کہ لوگوں کی زبان حرفِ شکایت سے آلودہ ہو۔ اسی وجہ سے آپ کے حضور میں مصیبت زدہ اہلِ حاجت عالمِ سکوت میں رہتے تھے اور حضور انور اشارات میں ان کے مقاصد کا خاطر خواہ جواب ارشاد فرما دیتے تھے۔ آپ اکثر فرماتے تھے کہ "ہماری منزل عشق ہے" اور عشق میں رضائے محبوب کی پوری تعلیم تھی۔ صرف مہر و وفا ہی کی باتیں سننے کی عادت تھی۔ آپ کا حال و قال ہمیشہ اسی مضمون کو نصب العین رکھتا تھا ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم

از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

آپ تکلیف و مصیبت کو عاشق و معشوق کا راز و نیاز فرمایا کرتے تھے کبھی کسی قسم کا کوئی فعل خلافِ رضا و تسلیم آپ سے سرزد نہ ہوا۔ ہمہ تن رضائے محبوب میں فنا ہے۔ جو افعال سرزد ہوتے تھے وہ رضا و تسلیم سے مملو ہوتے تھے اور یہی تعلیم تھی کہ رضا و تسلیم کی پابندی رہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں: "جو تم سے محبت کرے اُس سے محبت کرو نہ کسی کے حق میں دعا کرو نہ بد دعا، تم رضا و تسلیم کے بندے ہو۔"

اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ آپ کس سختی سے رضا و تسلیم کے پابند تھے کہ اگر کسی سے محبت بھی ہو تو وہ اپنے نفس کی خود غرضی پر مبنی نہ ہو بلکہ خالصتاً للہ ہو۔

پس آپ کی خاص تعلیم یہی ہے کہ جو تعلق ہو وہ بے غرضانہ ہو اور رضا و تسلیم میں اسقدر انہماک ہو کہ نہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھیں نہ بد دعا کے لیے کیونکہ اپنی ذات کو خدا کے حوالے کر دینا اور راحت و مصیبت جو مقدر میں ہو اُس کو بے چون و چرا تسلیم کر لینا ہی شانِ عبودیت ہے۔

اور جس طور پر آپ تسلیم و رضا کو مقدم سمجھتے تھے اس کی صراحت بھی خود ہی فرماتے ہیں۔

"تسلیم و رضا جب ہے کہ شر کو بھی خیر سمجھے اور خیر تو خیر ہے ہی اور تکلیف بھی عاشق و معشوق کا راز و نیاز ہے۔"

چونکہ آپ سالارِ قافلۂ عشق تھے اور عاشقانہ جذبات میں شکوہ و شکایت بظاہر

ایک لازمی بات ہے۔ اس لیے کس قدر شد و مد سے اس کا انسداد فرماتے ہیں کہ اس راہ میں تکالیف و مصائب کا خیال بھی نہ آئے۔

حضرت رحؒ فرمایا کرتے تھے کہ "معشوق کا ترسانا اور حجاب و عتاب کرنا ہی تو رحم و فضل ہے۔"

غرض کہ آپ کی نگاہ میں نہ کوئی مصیبت مصیبت تھی نہ رنج رنج تھا۔ آپ عملیات تعویز گنڈا وغیرہ کوئی کام اس قسم کا پسند نہیں فرماتے تھے اور اس کو خلافِ تسلیم و رضا سمجھتے تھے۔ خود تو یہاں تک پابند تھے کہ کبھی کوئی خواہش نہیں فرمائی اور جو کچھ ظہور میں آیا گویا وہی آپ کی خواہشات پر مبنی تھا۔ آپؒ نے اپنے آپ کو بالکل رضائے الٰہی کے حوالے کر دیا تھا۔

(آنریبل) مولوی سید شرف الدین صاحب قبلہ جو پہلے بانکی پور پٹنہ کے بہت مشہور بیرسٹر تھے اور اب بہار ہائی کورٹ کے جج ہیں اور حضرتؒ کے بہت پیارے مریدوں میں سے ہیں۔ ناقل ہیں کہ وہ حضرت کے ہمرکاب گورکھپور میں منشی صفدر حسین صاحب سب جج کے یہاں مقیم تھے کہ ایک دن منشی صاحب ولایت کا خط جو ان کے بیٹوں کے پاس سے آیا تھا لیے ہوئے حضورؒ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے لڑکوں کا بارسٹری میں آخری امتحان ہونے والا ہے۔ اور اس کہنے سے ان کا مقصود یہ تھا کہ حضرت اُن کی کامیابیٔ امتحان کے لیے دعا فرمائیں، لیکن حضرتؒ نے ایک لفظ نہ کہا اور سکوت فرمایا۔ آخر وہ کبیدہ خاطر ہو کر باہر آئے اور مولوی سید شرف الدین بالقابہ سے کہنے لگے کہ ہمارے حضرتؒ کی عجب بے نیاز درگاہ ہے نہ کسی کی التجا قبول ہوتی ہے نہ کسی کے لیے دعا کی جاتی ہے۔ منشی صاحب کی یہ شکایت آمیز باتیں ختم بھی نہ ہونے پائی تھیں کہ حضرتؒ کا خادم دوڑا ہوا آیا اور اس نے کہا بیرسٹر صاحب کو اور منشی صاحب کو حضرتؒ بلاتے ہیں۔ چنانچہ یہ دونوں حاضرِ خدمتِ اقدس ہوئے تو حضرتؒ نے مولوی سید شرف الدین صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا:

"سنا بالسٹر! میں ایک مرتبہ بغداد میں تھا وہاں ایک شخص نے مجھ سے آ کر کہا کہ ایک عورت پر جن آتا ہے آپ چل کر اُتار دیں۔ میں نے کہا بھائی مجھے تو جھاڑ پھونک گنڈا تعویز کچھ

بھی نہیں آتا ہے میں کیونکر جن کو اتاروں گا اور وہاں جا کر کیا کروں گا۔ مگر جب اس شخص نے بہت اصرار کیا اور کسی طرح نہ مانا تو میں اس کے ساتھ ہو لیا اور اُس مکان میں پہنچا جہاں وہ آسیب زدہ عورت تھی۔ دیکھا تو اس وقت جن اس عورت پر مسلط تھا۔ میں نے جن سے پوچھا کہ تم اس عورت پر کیوں آتے ہو اس نے کہا میں اس پہ عاشق ہوں۔ میں نے کہا سچے عاشق ہو یا جھوٹے۔ جن نے کہا میں اس کا سچا عاشق ہوں۔ میں نے کہا جانتے ہو کہ سچے عاشق کی تعریف کیا ہے؟ سچا عاشق اس کو کہتے ہیں جو معشوق کی رضا جوئی کرے اور سر مُو اسکی مرضی کے خلاف نہ کرے اور تم جس کو اپنی معشوق کہتے ہو اُس کی مرضی کے خلاف کرتے ہو۔ اُسکی خوشی اِسی میں ہے کہ تم اس پر مسلط نہ ہوا کرو اس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے۔ جن نے کہا: " اچھا میں آج سے ـــ یہاں نہ آیا کروں گا " بھیے بالسٹر سمجھے! اچھا جاؤ "

تجرد

تسلیم و رضا کی طرح آپؒ شانِ تجرد میں بھی عدیم المثال اور دُنیا کی ہر ایک چیز سے بے تعلق تھے باوجود اس کے کہ آپؒ ایک دولت مند گھر میں پیدا ہوئے تھے۔ صاحبِ جائداد بھی تھے زر و مال بھی تھا۔ مگر ہوش سنبھالتے ہی سب سے قطع تعلق کر لیا اور درہم و دینار کو کوڑیوں کی طرح لُٹا دیا آپؒ کی جائداد جن اعزا و اقارب میں تقسیم ہوگئی۔ ان کے پاس اب بھی موجود ہے۔

آپؒ کے بزرگوں کا ایک نہایت عمدہ کتب خانہ تھا اس کی بھی پروا نہ کی اور نہ تمام عمر شادی کی ۱۳۲۵ھ میں ہر چند آپؒ کے اعزا نے آپؒ کی شادی کے لیے کوشش کی مگر آپؒ نے منظور نہیں فرمایا اور بے حد اصرار پر کلام مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ج

ترجمہ: (مسلمانوں تمہاری بیبیوں اور تمہاری اولاد میں سے تمہارے دشمن ہیں تو ان سے احتیاط کرتے رہو) حقیقت یہ ہے کہ آپؒ بطنِ مادر سے ہی عاشقِ الٰہی پیدا ہوئے تھے اور آپ کی نگاہوں میں وہ جمال عدیم المثال تھا جس کے سامنے عارضی حسن و جمال کی کوئی ہستی نہیں ہے ؎

ہمہ شہر پُر ز خوباں منم و خیال ماہے
چہ کنم کہ چشمِ بدخو نہ کُند بکس نگاہے

صرف شادی ہی سے آپ بے تعلق نہ تھے بلکہ تمامی اسبابِ زندگی سے آپؒ کو تنفّر تھا۔

آپؒ نے کبھی کسی چیز کو پسند نہیں فرمایا۔ آپؒ کا ہمیشہ سفر در وطن اور خلوت در انجمن پر عمل رہا۔

شاہ مقصود علی صاحب وارثی رحمتہ اللہ علیہ ایک مست و عاشق بزرگ تھے اکثر جب حضورؒ پُر نور کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوتے تو بحالتِ کیف و سرور کہتے تھے کہ میرے پیر دستگیر میں نسبتِ مسیحی خاص طور پر ہے۔ جس طرح جنابِ عیسٰی علیہ السلام نے منزلِ تجرید طے فرمائی وہی یہ منزلِ وارثی ہے۔ حضورؒ انور مبتسم ہوتے اور یہ ارشاد فرماتے تھے کہ "فقیر کا کوئی گھر نہیں ہے اور سب گھر فقیر کے ہیں۔"

حضورِ انور کے ارشاد کا ہندوستان میں ہر جگہ ظہور ہے، صدہا مکانات آپ کے نامِ نامی سے تعمیر ہو گئے، اکثر باغات و موضعات کو آپ کے اسمِ گرامی سے منسوب کیا گیا جیسے وارث منزل، وارث نگر، وارث باغ وغیرہ وغیرہ۔

غریب مریدین جن کے مکانوں پر حضورِ انور قیام فرماتے تھے ان کو جدید مکانات بنوانے کی استطاعت نہ تھی انہوں نے اپنے مکان کی ایک کوٹھری ہی حضورؒ کے اسمِ گرامی سے مخصوص کر رکھی تھی۔

بہتیری مستورات نے آپؒ کے عشق و محبت میں ترکِ لباس کیا اور احرام پہن لیا۔ شادی سے دست بردار ہو کر طلبِ حق میں مصائب و تکالیف کی خوگر ہو گئیں۔ جن میں اکثر نہایت مشہور خدا پرست گزری ہیں۔

خدائے وحدہٗ لاشریک نے آپؒ کے تجرّد میں بھی شانِ یکتائی رکھی تھی کہ شادی کے ساتھ جس قدر اسبابِ عیش و نشاط تھے وہ سب یک لخت ترک فرما دیئے تھے۔ نہ مکان تھا نہ کوئی سامانِ زندگی صرف آپؒ کی ذات محمود الصفات تھی اور خدائے واحد کا نام تھا۔

آپؒ مادرزاد ولی ہونے کے باعث سب کی نگاہوں میں محبوب و عزیز تھے۔ آپؒ کا معصومانہ انداز فطری تھا۔ تمام لوگ آپؒ سے عقیدت مند تھے اور دیوہ شریف میں آپ کے زمانۂ طفولیت ہی سے بڑے بڑے شریف گھرانوں میں پردہ نہیں ہوتا تھا۔ لوگوں کو آپؒ کی تشریف آوری کی تمنا رہتی تھی۔ آپؒ جب مکانوں میں تشریف لے جاتے تو چاروں طرف سے مستورات گھیر لیتی تھیں، سرِ اقدس میں تیل ڈالتی تھیں، پائے مبارک دباتی تھیں۔ بگر اللہ رے محویت کہ ابتدائے عمر سے آخر عمر تک حضور انورؒ نے کبھی کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا اور نہ کسی کی جرأت ہوئی کہ ہیبتِ حق سے آپؒ کے چہرہ مبارک پر نظر جما سکے۔ حالانکہ اکثر عورتوں کو آپؒ ماں اور بہن کے الفاظ سے خطاب فرماتے تھے اور بے تکلف باتیں کرتے تھے مگر یہ بے تکلفی بالکل معصوم بچّوں کی سی ہوتی تھی۔ نام بنام سب گھر والوں کی خیریت پوچھتے تھے اور سب پر شفقت فرماتے تھے مُرید و بے مُرید سب عورات آپؒ کے سامنے آتی تھیں۔ جو عورتیں دوسرے بزرگوں سے بیعت ہوتی تھیں وہ بھی آپ سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔

اس اعتبار سے بھی آپ کا تجرّد ایک خاص شان رکھتا ہے اور غالباً کمالِ تجرّد یہی ہے کہ کسی حال میں تغیّر پیدا نہ ہو۔ آپؒ کی پاک اور مقدّس زندگی تجرّد کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ مولوی رونق علی صاحب وارثی الرزاقی پیتھے پوری لکھتے ہیں کہ ہمارے پیتھے پور میں ایک بزرگ حاجی شاہ منصب علی صاحب گذرے ہیں جو مشاہیرِ روزگار سے تھے اور جنکی طرف خلق کی رجوعات بہت زیادہ تھی۔

ایک طبیبِ حاذق و نامور حکیم سلامت علی صاحب جو مذہب امامیہ رکھتے تھے وہ بھی شاہ صاحب ممدوح سے نہایت خلوص و محبّت رکھتے تھے اور حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں اکثر جاتے تھے۔

۱۲۹۳ھ کا واقعہ ہے کہ حضورِ پُر نور پیتھے پور تشریف لائے تو آپؒ کی آمد کی خبر سنکر حکیم سلامت علی صاحب بھی معززین پیتھے پور کے ہمراہ حضورؒ کی زیارت و قدمبوسی کے لیے گئے۔ حضورِ انورؒ کی خدمتِ اقدس میں اُسوقت مستورات کا مجمع تھا اور آپ زنانہ مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ زائرین کے پہنچنے پر حسب اطلاع

ہوئی تو پردہ ہوگیا اور سب حاضر ہوئے۔ حضرتِ اقدس پر اس وقت وجد کی کیفیت طاری تھی اور چشمانِ مبارک سرخ تھیں۔ چہرۂ مبارک پر بھی گلاب کی سی رنگت تھی جیسی کہ وقتاً فوقتاً بدلتی رہتی تھی، جب سب لوگ رخصت ہوئے تو اثنائے راہ میں مختلف باتیں آپس میں ہونے لگیں۔ حکیم سلامت علی صاحب نے فنِ طبابت کے نقطۂ خیال سے فرمایا کہ قوتِ تجرّد عجیب چیز ہے عورتوں کی صحبت اور پھر تحمّلِ عصمت اسی وجہ سے چہرۂ مبارک اور چشمہائے مبارک کی یہ کیفیت تھی۔ راستہ ہی میں حضرت حاجی شاہ منصب علی صاحبؒ کا مقام بھی تھا۔ چنانچہ سب لوگ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے حاجی شاہ منصب علی صاحبؒ نے جیسے ہی حکیم سلامت علی کو دیکھا جلال میں آگئے، فرمایا: "فقیروں کے معاملے میں حکمت کو کیا دخل، جب آپ کا یہ حال ہے تو عقل درست کیجئے اور میرے پاس نہ آیا کیجئے"

حکیم صاحب وہاں سے یہ سُن کر چل دیئے اور راستہ میں ہمراہیوں سے کہنے لگے کہ عجیب معاملہ ہے کہ ایک فقیر کی . . نے کا دوسرے فقیر کو علم ہوجاتا ہے۔ اس واقعہ سے حکیم صاحب اسقدر متاثر ہوئے کہ جب تک زندہ رہے فقرا سے ہمیشہ ڈرتے اور ان کا ادب و لحاظ کرتے رہے۔

غرض کہ آپؒ کی جو بات تھی وہ لاجواب تھی۔ ایک مرتبہ خود حضور انورؒ نے ایک خاص انداز سے فرمایا: "فقیری   ختنکہ پر ہے"، سامعین کو تعجب ہوا کہ یہ کیوں ارشاد ہوتا ہے کہ آپؒ نے خود ہی اس کی صراحت فرمائی اور ارشاد فرمایا: "باوجود اقتدار، خدا کے واسطے ایک عضوِ خاص کو بیکار کر دو اور کام نہ لو، شیطان کو بغل میں رکھ کر یادِ خدا کرنا بڑا کام ہے۔ از نفس خود سفر کردن بہت بڑی منزل ہے"

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت کے تجرّد میں کس قدر مجاہدہ کی شان تھی اور آپؒ کی نظرِ فیض اثر میں اس کی کیا اہمیت تھی۔ حق یہ ہے کہ آپؒ کی وسعتِ نگاہ نہایت بلند پایہ رکھتی تھی۔ جو عام عقول اور طبائع کے فہم و ادراک سے کہیں بالاتر ہے۔

آپ نے برسبیل تذکرہ ایک مرتبہ لنگوٹ بندگی یہ تعریف فرمائی کہ "لنگوٹ بند وہ ہے جو تمام عورتوں کو اپنی ماں اور بہن کی مثل جس طرح جانتا ہے اسی طرح خواب میں بھی وہ کسی عورت کو نفسانی خواہش کے ساتھ نہ دیکھے"

ان ارشادات سے بالتصریح یہ امر مترشح ہے کہ حضور انورؒ کی باریک اور دقیق نظر میں تجرّد کی کیا اہمیت تھی اور اصل تجرّد کسقدر دشوار اور ناممکن ہے۔

حق یہ ہے کہ تجرّد میں بھی جو قابلِ امتیاز شان آپؒ کی دیکھی گئی ہے وہ بے مثل ہے جس سے ثابت ہے کہ آپ مردِ میدانِ تجرید اور اس منزل میں بھی خدا کی طرف سے فردِ فرید تھے کہ مخالفین پر بھی آپؒ کے تجرّد و تقدّس کا سکہ جما ہوا تھا۔

صرف شادی نہ کرنا ہی تجرّد نہیں ہے بلکہ تمامی خواہشات اور عیش دنشا ط کو باوجود قوت و اقتدار ترک کر دینے اور ماسوی اللہ سے قطع تعلق کر لینے کا نام تجرّد ہے۔ اور یہی تجرّد ہے جس میں آپؒ فردِ روزگار تھے۔ جس طرح تجرّد میں آپؒ اپنی نظیر خود ہیں اسی طرح توکّل و استغنا میں بھی جسقدر استقلال حضورؒ کی ذاتِ بابرکات سے ظہور میں آیا ہے وہ اپنی نوعیت میں ایک خاص شان رکھتا ہے۔

توکّل و استغنا

آپ ابتدا سے نہایت مستغنی المزاج تھے اور دنیا کی کسی چیز سے آپؒ کی ذاتِ محمود الصفات کو قطعاً کوئی سروکار نہ تھا۔

آپؒ نذرانہ میں درہم و دینار نہیں لیتے تھے البتہ تحائف قبول فرماتے تھے اور وہ بھی اسی وقت حاضرین میں تقسیم کرا دیتے تھے۔ نقدی وغیرہ کا یہ دستور تھا کہ امراؤ رؤسا حضور پر نچھاور کر کے خیرات کر دیتے تھے۔ یہ بات آپؒ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ نے کبھی دستِ مبارک سے نقدی وغیرہ کو نہیں چھوا اور نہ اپنے پاس رکھا نہ خورد و نوش کا کوئی انتظام کیا جس مکان میں قیام تھا وہ بھی آپ کی ذاتی ملکیت سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ بستر، کمبل، فرد وغیرہ جو ضرورت کی چیزیں تھیں اُن سے بھی بے پروا رہتے تھے۔ جس کو چاہا بستر اٹھا کے دیدیا جس کو جی میں آیا فرد و کمل وغیرہ مرحمت

فرمادیا. کسی چیز کو اپنی راحت و آرام کے لیے مخصوص کر دینا جائز نہیں سمجھتے تھے۔

ایک احرام جو آپؒ کے جسم اقدس پر تھا وہ بھی آپؒ کا نہ تھا بلکہ دوسرے شخص کا ہوتا تھا کیونکہ جو بدلوانے کی نیت سے لایا اسی وقت ملبوس مبارک کو جسم سے علیحدہ کر دیا. خواہ وہ کیسا ہی بیش قیمت و نفیس کیوں نہ ہو۔ امراؤرؤسا بیش بہا تحائف بڑی بڑی قیمتی فردیں جامہ وار بن اور دیگر اشیا جو تکلفات میں مخصوص ہیں پیش کرتے تھے، مگر آپؒ نے کبھی کسی چیز کو اپنے لیے پسند نہیں فرمایا. البتہ چیزوں کی تقسیم سے نہایت خوش ہوتے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو اس کا شوق ہے۔ آپ کی خوشنودی کے لیے اکثر روساؤامرا تحائف پیش کرتے اور تقسیم سے لطف اٹھاتے تھے. یہ بات مشہور تھی کہ حضورؒ کی خدمت فیضدرجت میں جو شخص جس خیال اور ارادہ سے جاتا ہے اس کو وہی عطا ہو جاتا ہے۔

شیخ نہال الدین وارثی متوطن کرسی ضلع بارہ بنکی کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ بارگاہ عالی میں حاضر تھا ایک رئیس آپ کے لیے ایک فرد تیار کرا کے لائے جو نہایت بیش قیمت تھی اور کسی طرح ایک ہزار روپیہ سے کم قیمت کی نہ تھی اُن رئیس کے خانساماں کی اس پر نیت تھی. جس وقت رئیس موصوف نے فرد پیش کی. حضور نے بہت خوشی سے قبول فرمائی اور ان کی خاطر سے اُس کو اُسی وقت اوڑھ کے بیٹھ گئے. دو چار منٹ کے بعد وہ رئیس قدمبوس ہو کے چلے گئے. ان کے جاتے ہی ان کا خانساماں اپنے ہاتھ کی تیار کی ہوئی کچھ شیرینی لے کر حاضر ہوا آپؒ نے اس کے پیش کردہ تحفہ کو قبول فرمایا اور تقسیم کرنے کا حکم دیا اور فرد اتار کر اس خانساماں کو مرحمت فرمادی۔

روزمرہ اسی قسم کے واقعات پیش آیا کرتے تھے باوجود اس بے تعلقی و بے پروائی کے کوئی سائل آپ کے در سے خالی نہیں جاتا تھا. خدام اور مریدین اس کو اس قدر دیتے تھے جو اس کی ضرورت سے بھی زیادہ ہوتا تھا۔

غربا کے ہاں جب لڑکے لڑکیوں کی شادی وغیرہ کا وقت آتا تو وہ آستانہ عالی

پر حاضر ہوتے اور عقیدت مند امر احضور کی خوشنودی کے لیے ان کی حاجت سے زیادہ ان کی امداد کرتے تھے۔

خود حضور انورؒ جیسے مستغنی المزاج اور بے پرواہ تھے اسمیں تو ایک شانِ خصوصیت ہے مگر غلامانِ خاص کو بھی یہی ہدایت تھی اور ہدایت ہی نہیں بلکہ خلافِ توکل افعال پر گرفت فرماتے تھے۔

چنانچہ حافظ گلاب شاہ صاحب وارثی رحمتہ اللہ علیہ کا واقعہ ہے جو آگرہ میں گذرے ہیں اور جن کے فیوض و برکات سے ایک عالم مستفیض تھا۔ علاوہ دیگر فیوض و برکات کے۔ حافظ صاحب موصوف کا ایک ادنیٰ چشمۂ فیض یہ جاری تھا کہ مریضوں کو پانی دم کر کے دیا کرتے تھے۔ جس سے خواہ کیسا ہی مریض کیوں نہ ہو اس کو شفا ہو جاتی تھی۔ اور دُور دراز مقامات سے لوگ اس مقصد کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

مولوی علی احمد خاں صاحب وارثی وکیل آگرہ جو ایک ثقہ و دیندار بزرگ ہیں تحریر فرماتے ہیں کہ حافظ گلاب شاہ صاحب کی خدمت میں صدہا بوڑھے بچے جوان حاضر رہتے تھے۔ اور دم شدہ پانی سے صحت یاب ہو جاتے تھے۔ صبح سے دروازہ پر مبتلائے آفات اور مریضوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ آٹھ دس بھشتی پانی کی مشکیں لیے ہوئے موجود رہتے تھے اور آٹھ دس کمہار ظروف گلی کے ٹوکرے لیے ہوئے حاضر رہتے تھے جو خوب فروخت ہوتے تھے۔

حافظ گلاب شاہ صاحب کا دم کیا ہوا پانی امراض و آفات کے لیے تیر بہدف تھا۔ اسی زمانہ میں اتفاقِ وقت سے صاحب کلکٹر بہادر آگرہ کی میم صاحبہ کو دردِ زہ شروع ہوا چار روز متواتر اسی کرب و پریشانی میں گذر گئے اور کوئی ظہور نہیں ہوا بڑے بڑے ڈاکٹر علاج و معالجہ سے عاجز آگئے کسی صاحب نے موصوف سے بیان کیا کہ یہاں پر ایک درویش ہیں وہ ہر مرض کے لیے پانی دم کر کے دیتے ہیں۔ چنانچہ صاحب موصوف نے بھی پانی منگایا اور استعمال کرایا۔ استعمال کرتے ہی ساری شکایتیں رفع ہو گئیں، بچہ پیدا ہوا اور صاحب کلکٹر کو حافظ گلاب شاہ صاحب سے عقیدت

پیدا ہو گئی چنانچہ صاحب کلکٹر نے حکام بالا سے سعی و کوشش کرنے کے بعد ایک موضع کی سند جس کی آمدنی پانچ ہزار روپیہ سالانہ تھی۔ حافظ گلاب شاہ صاحب کی خدمت میں تحصیلدار صاحب کی معرفت بھیجی جس کو اُس وقت حافظ گلاب شاہ صاحب نے لینے میں تامل فرمایا، اور ایک عرضداشت دیوہ شریف میں حضورِ پرنور کی خدمت عالی میں ارسال کی کہ ایسا معاملہ ہے جو ارشادِ عالی ہو تعمیل کی جائے آپؒ نے اس درخواست کو سن کر فرمایا:

"گلاب شاہ کو خود ہی انکار کر دینا لازم تھا۔ جو خدا کہ کل امراض کو دور کر سکتا ہے وہی بھوک پیاس کی زحمت کو بھی مٹا سکتا ہے۔ جو طمع میں گھر جائے وہ ہمارا نہیں ہے :

زہد و تقویٰ چیست اے مردِ فقیر　　لا طمع بودن ز سلطان و امیر

حافظ گلاب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس ارشاد کو سن کر نہایت خائف ہوئے اور انکار کر دیا سند واپس کر دی۔ صاحب کلکٹر نے حافظ صاحب کے مکان سے متصل ایک مسجد تعمیر کرا دی جو موجود ہے۔

غرضکہ توکل و استقامت کے بارہ میں آپ جس اعلیٰ پیمانہ پر — خود پابند تھے اسی پیمانہ پر اپنے خاص غلاموں کو دیکھنا چاہتے تھے۔ حالانکہ حضورِ انور میں یہ باتیں فطرتی طور پر تھیں۔ مگر اسی کے ساتھ دوسروں کی ضروریات کا آپ کو احساس و خیال تھا۔ جیسا کہ آپؒ نے ارشاد فرمایا :

"بڑی فقیری یہ ہے کہ ہاتھ نہ پھیلے" اس پر حاجی اوگھٹ شاہ وارثی نے عرض کیا کہ "اگر مانگے نہیں اور بلا مانگے کوئی دے تو کیا کرے ؟"

فرمایا کہ "بلا مانگے دے تو لے لے !"

حضورِ انور نے دنیا کی حالت کا احساس فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا، خود اس کے پابند نہیں تھے حتیٰ کہ کبھی درہم و دینار کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔

اس ارشاد سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ نذرانہ وغیرہ جو بزرگانِ دین میں رائج ہے اس کو جائز خیال فرماتے تھے۔ مگر خود اپنی ذات کے لیے اس کو روا نہیں رکھتے تھے۔

بلکہ آپؒ کی نگاہ میں اصلی توحید یہ تھی کہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

"توحید آجکل ٹکے سیر ہے، بھیک مانگتے ہیں۔ بڑی چیز یہ ہے کہ مر جائے ہاتھ نہ پھیلائے۔ توحید کی قدر آجکل نہیں ہے۔" سچ ہے کہ ؎

آنرا کہ ترا شناخت جاں را چہ کند
فرزند و عیال و خان و ماں را چہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی
دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

حضورؒ کی نظر کیمیا اثر میں دنیا کی نعمتوں میں سے کوئی چیز وجاہت نہیں رکھتی تھی اور ہمیشہ اسکے پابند رہے کہ اپنی زبانِ مبارک سے نہ پانی طلب کیا نہ کھانا نہ کسی ایسی چیز کی خواہش فرمائی جو روزمرہ کی ضروریات میں داخل ہیں خود ہی خدام نے وقت اور موقع کے لحاظ سے پانی یا کھانا پیش کیا تو قبول فرمالیا۔ ورنہ زبانِ مبارک سے کبھی کوئی چیز طلب نہیں فرمائی کسی چیز کو طلب فرمانا سوال سمجھتے تھے۔

مالِ دنیا ایسی چیز ہے کہ اس سے بچنا نہایت دشوار منزل ہے اس لیے آپؒ کے بعض خدام نے آپؒ کی نچھاور وغیرہ کا روپیہ جمع کیا جس حرکت پر اکثر آپ ان کو ہدایت فرماتے اور جب وہ عذر وغیرہ کرتے تھے کہ ہم کوئی چیز نہیں رکھتے تو آپ یہ شعر پڑھتے تھے۔ ؎

گور سے کپٹ منت سے چوری   کیا ہوئے اندھا کیا ہوئے کوڑھی

آپؒ ہر چیز سے مستغنی تھے اور بالکل بے پرواہ حتیٰ کہ اپنے راحت و آرام کے لیے بھی کسی چیز کو مخصوص نہیں فرماتے تھے۔ نہ کسی شئے کو اپنی ملکیت سمجھتے تھے۔ دونوں ہاتھ جود و عطا کیلیے مخصوص تھے آپؒ کو ہر ایک چیز سے بالکل بے تعلقی تھی۔ البتہ اپنی ملکیت میں اگر کسی شئے کو سمجھتے تھے تو وہ دو چیزیں تھیں ایک تو مٹی کے ڈھیلے جو طہارت کے لیے ضروری ہیں دوسرے دانت صاف کرنے کی خلالیں۔ چنانچہ بستر کے قریب یہ دونوں چیزیں چنی ہوئی رہتی تھیں اور موسمِ گرما میں جب آستانہ عالی کے باہر استراحت

فرماتے تھے اور رات کو کسی حصہ میں اتفاق سے پانی برستا تھا تو آپؒ بستر چادر وغیرہ کوئی چیز دستِ مبارک سے نہیں اٹھاتے تھے سب کو بھیگتا ہوا چھوڑ دیتے تھے البتہ خلالیں اور مٹی کے ڈھیلے دونوں ہاتھوں میں لے لیتے تھے اور اندر تشریف لے آتے تھے۔ گویا زندگی میں انہیں دو چیزوں کو کارآمد سمجھتے تھے۔ اور اگر آپؒ کی ملکیت کا کسی شے پر اطلاق ہوسکتا تھا تو وہ یہی دو چیزیں تھیں۔ غرض کہ آپؒ کا توکل و استغنا بھی ایک شان رکھتا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اصل توکل و استغنا کیا چیز ہے اور کس قدر اہمیت رکھتا ہے۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○

ترجمہ: ایمان والوں کو چاہیئے کہ صرف خدا ہی پر بھروسہ کریں۔

طریقِ اکل و شرب

آپؒ کے توکل و استغنا کی بھی ہر بات میں جھلک نظر آتی ہے۔ چنانچہ اکل و شرب میں بھی اسقدر استغنا و توکل تھا کہ کبھی زبان مبارک سے کوئی چیز طلب نہیں فرماتے تھے اور نہ کسی چیز کی خواہش ظاہر کرتے تھے۔ خدام خود ہی پیش کر دیتے تھے تو قبول فرما لیتے تھے۔ کسی قسم کا کوئی انتظام کھانے وغیرہ کے متعلق یا کسی کام کے لیے کرنا آپؒ کے نزدیک خلافِ توکل تھا۔

آپؒ ایامِ طفولیت سے دائم الصوم تھے۔ آپؒ کی عمر شریف پچاس سال سے زائد ہوگی جب شکوہ آباد میں مزاجِ مبارک ناساز ہوگیا۔ اس علالت کے بعد آثارِ ضعف نمودار ہوگئے اس لیے آپؒ روزانہ غذا تناول فرمانے لگے مگر وہ غذا بالکل برائے نام ہوتی تھی۔

قیامِ دیوہ شریف میں معمولاً سید معروف شاہ صاحب جانثار و خادم قدیم بارگاہِ عالی معہ خاصہ حاضر ہوتے تھے۔ جب دسترخوان بچھایا جاتا تھا تو سید معروف شاہ صاحب قبلہ ہر ایک چیز کی طرف اشارہ سے بتلاتے جاتے تھے کہ یہ فلاں چیز ہے اور یہ فلاں اور آپؒ سب میں سے تھوڑا تھوڑا صرف چٹکی سے اٹھا لیتے تھے۔ ہر ایک کھانے کی مقدار اتنی قلیل ہوتی تھی اس سے یہ گمان نہیں ہوسکتا تھا کہ آپؒ کو کسی چیز کے

ذائقہ کی خبر ہوئی کھانے میں بہت جلدی فرماتے تھے جیسے کوئی کڑوی دوا حلق سے اتارتا ہے۔

کبھی ست بجا بنا کر بھی غذا استعمال فرماتے تھے۔ سب چیزیں ماشوں کے انداز سے اٹھا کر ایک پیالہ میں رکھ لیں اور پانی ملا کر نوش فرما لیا۔ فرنی اُلٹے چمچے سے تناول فرماتے تھے۔

مولینا مولوی سید عبدالغنی صاحب وارثی بہاری مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں کہ سن ۱۸۹۰ء میں جب آپ صوبۂ بہار میں تشریف لے گئے تھے اور بلھی میں قیام فرمایا تھا (اس زمانہ میں آپ کے اکل وشرب کا یہ انداز دیکھا گیا ہے) تو حاجی محمد اسماعیل صاحب رئیس بلھی کی بیوی صاحبہ جو آپ کی زمانۂ دراز کی جاں نثار مریدہ تھیں۔ آپ کے لیے اپنے ہاتھ سے نہایت پر تکلف اور نفیس کھانے تیار کر کے حاضر خدمت عالی کرتی تھیں لیکن ان کھانوں میں سے ذرا ذرا سا چکھ لیتے تھے اور کل کھانے تقسیم فرما دیا کرتے تھے اور صرف دن میں ایک وقت اُبالی ہوئی کھچڑی جو نور محمد شاہ صاحب خادم تیار کر کے پیش کرتے تھے اس کے دو چار لقمے تناول فرماتے تھے۔

حضور انور کو کھانے پینے کی چیزوں سے ایسی بے رغبتی تھی کہ لوگوں کو ہر چیز بتانے کی ضرورت ہوتی تھی کہ یہ فلاں چیز ہے۔ چنانچہ مولوی حامد حسین صاحب قادری بچھرایونی پروفیسر برودھ کالج لکھتے ہیں کہ مجھ سے میر عارف علی صاحب رضوی مقیم ریاست بردہ جو ایک ہفتاد سالہ شیعہ بزرگ ہیں بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ایک مرتبہ باندہ میں تشریف لائے اور حافظ احمد خان صاحب تحصیلدار باندہ کے مکان پر قیام فرمایا۔ ڈپٹی احمد حسین صاحب شاہجہاں پوری وغیرہ دیگر معززین نے حضرت کو بھی مدعو کیا۔ تحصیلدار باندہ کے برادر عم زاد احمد حسین خان صاحب کردی (جس کو ترہواں بھی کہتے ہیں) میں تحصیلدار تھے (یہ مقام کردی باندہ سے تقریباً پندرہ کوس کے فاصلے پر ہے) انہوں نے بھی حضور کو مدعو کیا۔ کردی کے راستہ میں باندہ سے پانچ کوس پر میرا ایک موضع تھا جسے کھرنڈ کہتے تھے۔ اس زمانہ میں کروی جانے والوں کو اس گاؤں سے ہو کر جانا پڑتا تھا۔ جب حضور انور نے باندہ سے کردی کا قصد فرمایا تو باندہ سے مولوی سید عبدالہادی

صاحب متوطن اناؤ نے جو بڑے عالم تھے اور میرے استاد تھے مجھکو لکھا کہ حضرت آپ کے موضع سے گذریں گے مہمان داری کا شرف حاصل کیجئے۔ چنانچہ حضرت میرے یہاں تشریف لائے اور میری دعوت قبول فرمائی اس زمانہ میں حضرت کی دعوت میں ترکاریاں چٹنیاں اچار وغیرہ پیش ہوتے تھے گوشت پیش نہیں کیا جاتا تھا میرے یہاں کھانے میں کیت کی چٹنی بھی تھی مجھے اکثر یہ بات یاد آجاتی ہے کہ حضرتؒ نے کیت کی چٹنی کو چکھکر ارشاد فرمایا کہ "یہ کیا ہے" میں نے کہا ـــــــ "حضورؒ کیت کی چٹنی ہے!"

آپؒ نے فرمایا "کیت کی بھی چٹنی بنتی ہے ہمیں اس سے پہلے نہیں معلوم تھا" یہ چٹنی بہت پسند فرمائی۔ جب حضورؒ رخصت ہوئے تو میں دور تک پہنچانے گیا۔ اور وقتِ واپسی بھی دعوت کے لیے عرض کیا جو حضورؒ نے منظور فرمائی۔ حضورؒ انور کھانے میں کسی نہ کسی چیز کی بہت تعریف فرما دیتے تھے مگر ایسی بے تعلقی تھی کہ کیت کی چٹنی کو اسقدر تعجب کی نگاہ سے ملاحظہ فرمایا۔

یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ آپؒ نے کسی چیز کے ذائقہ سے حظ نہیں اٹھایا۔ آپؒ نے گیارہ سال کی عمر تک اپنے مکان پر کھانا تناول فرمایا۔ اس کے بعد ہمیشہ توکل ہی پر بسر ہوئی۔

آپؒ پیشتر سے دعوتوں کا تعین بھی خلافِ توکل تصور فرماتے تھے۔ ہر شخص کی دعوت بخوشی تناول فرمالیتے تھے اگر کوئی ذی مقدور آپؒ کے لیے پرتکلف اور نفیس کھانا حاضر کرتا اور کوئی غریب اپنا سادہ کھانا دال دلیے کی قسم سے پیش کرتا تھا تو آپؒ دونوں کے پیش کردہ طعام کی برابر قدر فرماتے تھے۔ کبھی کسی کو اس بات کی ذرہ برابر شکایت پیدا نہیں ہوئی کہ ہماری چیز کی کم قدر ہوئی۔ دونوں اپنی اپنی خوش نصیبی پر ناز کرتے تھے۔

مولوی حسین علی صاحب نوابؔ وارثی زمیندار سادہ مئو ضلع بارہ بنکی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عشرۂ محرم میں حضورؒ انور ردولی شریف میں قاضی مظہر الحق صاحب کے مکان پر قیام پذیر تھے۔ میں تعزیوں کے دفن ہونے کے بعد مکان پر آیا تو میں نے اپنی لڑکی سے کہا حضورؒ پرنور کے لیے حلوہ تیار کردو مگر حضرتؒ اقدس بادام بالکل استعمال نہیں فرماتے بادام نہ ڈالنا۔ اس نے فوراً تیار کر دیا۔ جب میں لیکر چلا تو لڑکی نے ہنس کر کہا کہ آپؒ

لیے تو جا رہے ہیں حضرتؒ نوش فرمائیں جب بات ہے۔

میں حاضرِ خدمتِ عالی ہوا اور وہ حلوے کا برتن پیش کیا تو آپؒ نے نور محمد شاہ خادم سے فرمایا کہ اس کو تقسیم کردو مجھے اس ارشاد پر ہنسی آگئی۔ حضورِ انورؒ نے فرمایا" کیسے ہنسے تو میں نے عرض کیا کہ چلتے وقت میری لڑکی نے کہا تھا کہ لیے تو جاتے ہو حضرتؒ نوش فرمائیں تب بات ہے۔ یہ سُن کر فرمایا:

"ہم کھائیں گے"

چنانچہ فوراً خادم نے پانی حاضر کیا۔ آپؒ نے تین مرتبہ انگشتِ مبارک سے اٹھا کر نوش فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ حضورؒ بس اب خاطر ہوگئی یہ خلافِ مزاج مبارک ہے۔ پھر حضورِ انورؒ نے تقسیم کا حکم دیا۔ غرضکہ حضورِ انورؒ کو کسی شے سے رغبت نہ تھی۔ آخر زمانہ میں جب دیوہ شریف کو حضورؒ کے مستقل قیام کی عزت نصیب ہوئی ہے تو شاہ فضل حسین صاحب وارثی سجادہ نشین شاہ ولایت اور سید معروف شاہ صاحب وارثی کے علاوہ اکثر امرا نے حضورِ انور اور نیز مہمانوں کے لیے اپنی طرف سے کھانے کے انتظامات کیے تھے۔ چنانچہ روزانہ حضورِ انورؒ کی خدمتِ عالی میں متعدد دسینیاں کھانوں کی پیش ہوتی تھیں مگر آپؒ کی خوراک ایک وقت میں ایک تولہ سے زیادہ نہ تھی اور آخر زمانہ میں دونوں وقت میں ایک تولہ کی مقدار رہ گئی تھی جس سے ظاہر ہے کہ آپؒ کی بالکل روحانی زندگی تھی۔ غذا وغیرہ بالکل برائے نام تھی۔ برف کا پانی آپؒ نے کبھی استعمال نہیں فرمایا۔ البتہ شورے سے ٹھنڈا کیا ہوا پانی استعمال فرمایا ہے۔

سرکار عالم پناہؒ نے کسی چیز کو ناپسند نہیں فرمایا۔ آپؒ آپنے لیے کبھی کوئی چیز طلب نہیں فرماتے تھے۔ البتہ مہمانوں کے لیے ارشاد فرماتے تھے کہ ان کو کھانا کھلادو اور جب تک مہمانوں کو کھانا نہیں پہنچ جاتا تھا خود تناول نہیں فرماتے تھے۔

راقم الحروف نے حضورِ انور کے خدامِ عالی مقام اور جانثارانِ قدیم سے اس بات کی تحقیق کی کہ حضورِ انور کو کھانوں میں کونسی زیادہ مرغوب تھی تو ان سے مختلف باتیں معلوم ہوئیں کسی نے کہا "شیر برنج پسند فرماتے تھے" کسی نے بیان کیا" دہی اور خشکہ زیادہ مرغوب تھا" کسی نے شامی کباب بتائے" کسی نے" ساگ پڑی ہوئی دال"

کسی نے "خرفہ اور بتھوے کا ساگ بتایا"۔

غرضکہ مختلف بیانات پائے گئے جن سے اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ کونسی چیز خاص طور پر مرغوب طبع لطیف تھی۔ بلکہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپؒ کو کسی چیز سے رغبت نہ تھی۔ ہر شخص نے اپنے خیال سے ایک ایک چیز تجویز کر لی تھی۔

بات یہ ہے کہ جو شخص جس چیز کو حضورؒ کے لیے لایا اُسی پر اظہار پسندیدگی فرمایا خود کسی چیز کی جانب رغبت نہیں تھی اور نہ کسی چیز سے کراہت تھی۔ آپ لحم البقر استعمال نہیں فرماتے تھے۔ مگر جب آپؒ کو یہ معلوم ہوا کہ آپ کی تقلید میں آپؒ کے فقرا بھی اس کو چھوڑتے جاتے ہیں تو آپؒ نے صرف ایک مرتبہ گائے کے کباب کو انگلی سے چکھا ہے تاکہ ایک جائز چیز سے تنفر نہ پیدا ہو جائے۔

البتہ آپؒ نے مچھلی کبھی نہیں تناول فرمائی اور نہ کبھی اس کی وجہ بتائی جس مکان میں آپؒ کے لیے کھانا تیار ہوتا تھا۔ اُس میں بھی مچھلی نہیں پکتی تھی۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے ناواقفیت سے وہاں مچھلی پکائی تو چھپر میں آگ لگ گئی جس سے ظاہر ہوا کہ حضورؒ کے واسطے جہاں کھانا تیار ہو وہاں مچھلی نہیں پکنی چاہیئے۔ چنانچہ دعوتوں میں بھی لوگ حضورؒ کے لیے مچھلی نہیں پیش کرتے تھے۔ بعد تناول طعام آپؒ کو خلال فرمانے کی عادت تھی۔ اب آخر عمر میں ایک دانت بھی نہیں رہا تھا مگر حسب عادت خلال ضرور فرماتے تھے بلکہ خلالیں ہر وقت پاس رہتی تھیں۔ عمر بھر توکل پر بسر ہوئی۔ امراغر باجود عوت کی استدعا کرتے آپؒ خوشی سے منظور فرماتے تھے۔" البتہ جن کے ذرائع معاش ناجائز ہوتے تھے ان کے یہاں کے کھانے سے احتیاط فرماتے تھے"۔

یہ بات مشہور تھی اس لیے ایسے کسی شخص کو عرض کرنے کی جرأت بھی نہ ہوتی تھی ناجائز تو ناجائز ہے ہی اگر نارضامندی یا نااتفاقی کی دعوت ہوتی تھی تو آپؒ اس سے بھی احتراز فرماتے تھے۔ مولوی رونق علی صاحب وارثی الرزاقی لکھتے ہیں کہ میرے خاندان میں ایک بیوی صاحبہ حضورؒ سے ارادت رکھتی تھیں مگر اُن کے شوہر کو حضورؒ سے بیعت نہ تھی۔ اُن بیوی صاحبہ کو ترکۂ پدری میں کچھ جائیداد ملی تھی۔ انہوں نے حضرت کی دعوت کا اہتمام کیا مگر اُن کے شوہر مصارف کی زیادتی کے باعث ان کے ہمخیال

نہ تھے۔ ان بیوی صاحبہ نے بغیر رضامندی اپنے شوہر کے اپنی جائیداد کے زعم میں حضور کی خدمتِ عالی میں دعوت کے لیے عرض کیا۔ آپؒ نے تبسم سے ارشاد فرمایا:

"پہلے میاں بیوی صلاح کرلو۔" وہ ساکت ہوگئیں۔ کچھ عرصہ کے بعد خود ان کے شوہر صاحب نے بخلوص و محبت آپؒ کی دعوت کا اہتمام کیا تو آپؒ نے بطیب خاطر قبول فرمائی۔

تناولِ طعام کے وقت فرقِ اقدس کو تہہ بند کے دامن سے ڈھانک لیتے تھے۔ سرِ مبارک کھول کر کبھی کھانا نہیں کھاتے تھے۔ کھاتے وقت نشست اکڑوں ہوتی تھی اور بعد تناولِ طعام استنجہ کے لیے تشریف لے جانا معمول میں داخل تھا۔ کھانے کے بعد دن میں قیلولہ اور شب میں چہل قدمی فرمایا کرتے تھے۔

لباس

بچپن سے آپؒ بند دار اچکن، غرارہ دار پاجامہ، دو پلڑی یا کامدار ٹوپی اور سلیم شاہی جوتے پہنتے تھے جو شرفائے اودھ کا قدیمی لباس ہے۔

مگر ۲۰ سال کی عمر شریف میں جب حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے تو حج کے بعد آپؒ نے احرام شریف نہیں اتارا اور یہ دربارِ خداوندی کا لباس ہمیشہ کے لیے زیبِ جسم فرمالیا۔ اور اسی مقدس لباس کو زیبِ جسم فرمائے ہوئے ہندوستان تشریف لائے۔

آپؒ سے پیشتر ہندوستان میں کسی درویش نے لباس میں یہ سادگی اور یکتائی اختیار نہیں کی تھی کہ ایک ہی کپڑا پورے بدن کے لیے کافی ہو اور لباس میں بھی شانِ عشق اور رنگِ توحید کی کھری ہوئی جھلک نظر آئے۔ یہ سادہ اور بے تکلف لباس بھی جسمِ لطیف پر نہایت محبوب نظر آتا تھا۔ دیگر اوصاف کی طرح جامہ زیبی میں بھی آپ فرد تھے۔ حسرت موہانی سے:

جامہ زیبی نہ پوچھیے اُن کی   جو بگڑنے میں بھی سنور جائیں

حضورؒ انور کو قدیم طرز کے رنگ نہایت مرغوب تھے. زرد رنگ کا احرام زیادہ استعمال فرماتے تھے۔

مولوی رونق علی صاحب وارثی الرزاقی اپنے جدِّ امجد مولوی شیخ قدیر علی صاحب مرحوم مغفور کی روایت سے لکھتے ہیں کہ جب حضورؒ پرنورؒ پہلی مرتبہ پیتھے پور تشریف لائے ہیں تو یہ دیکھا گیا ہے کہ اس وقت زرد ہارسنگھار اور ٹُن کے پھولوں کا یا ببول کی چھال کا رنگ زیادہ استعمال میں آتا تھا. مگر ان مختلف رنگوں کی بھی کوئی قید نہ تھی جو جس رنگ کا تہبند لایا اس کو بخوشی زیبِ جسم فرمالیتے تھے. زرد رنگ اور باشی رنگ کی نسبت لوگوں کا خیال ہے کہ زیادہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

حضورؒ انور کے ملبوس مبارک کی جو رنگت بھی ہوتی وہ جسمِ لطیف پر نہایت خوشنما ہوجاتی تھی۔

وہ جامہ زیبی وہ پیاری پھبن وہ لباسِ اطہر کی بھینی بھینی خوشبو ایسی عجیب کیفیت پیدا کرتی تھی کہ دل بے قرار ہوجاتا اور بے ساختہ زبان سے نکل جاتا تھا:

چشم پیدا کُن کہ بینی آشکارا و نہاں
در لباس گلرخاں رنگِ نبیؐ بوئے علیؑ

کہتے ہیں کہ بزرگانِ دین کی پرستش بعدِ وصال زیادہ ہوا کرتی ہے، مگر آپؒ کی حیاتِ ظاہری بھی عجیب حیرت انگیز تھی بے شمار خلق خدا منتیں اور مُرادیں مانگتی تھی کہ اگر ہمارا فلاں کام ہوگیا تو احرام شریف لیکر آستانۂ عالی پر حاضر ہوں گے. چنانچہ وابستگانِ دامانِ دولت اپنی منّت کے موافق نہایت جلوس کے ساتھ اس مقدّس لباس کو لاتے تھے. ایک بڑی سینی میں شیرینی کے ساتھ احرام شریف رکھا جاتا تھا، شربت کی گاگریں ہمراہ ہوتی تھیں گلاب پاشی ہوتی جاتی تھی قوالوں کی ٹولیاں راستہ بھر نغمہ سرائی کرتی جاتی تھیں خلاصہ یہ ہے کہ جو تزک و احتشام اور اس وقت کا جوش و خروش ہوتا تھا وہ بیان سے باہر ہے اور جو ہمخیال و یک رنگی اتحادِ قلبی و انوارِ وحدت عام طور پر دِلوں میں جاگزیں ہوتے تھے اُن کی تصویر الفاظ میں کھینچکر دکھانا ناممکن ہے ۔ :

فروغ شاہجہانپوری

احرام کی بہار وہ ہر رنگ کی پھبن — مثلِ شعاعِ مہر چمکتا ہے سب بدن
روشن ہے روئے پاک سے ہر بزم و انجمن — خوش رنگ جس طرح سے چمن میں گلِ چمن

زینت ہے جسکی وہ گُلِ رُوئے سبد یہ ہے
باغِ جہاں میں مرجعِ ہر نیک و بد یہ ہے

وہ بھیڑ رہتی ہے درِ دولت پہ ہر گھڑی — خلقِ خدا ہے اٹھ پہر ڈیوڑھی پہ آپڑی
چُپ چاپ کھڑا ستوں بھی لیے ہاتھ میں چھڑی — ہر سُو رواں ہے دیدۂ مشتاق سے جھڑی

یوں قمریوں کا عشق ہے اُس سروِ باغ پر
گرتے ہیں جس طرح سے پتنگے چراغ پر

آپؒ احرام شریف زیبِ جسم فرمانے کے بعد اُترے ہوئے لباس کو ہمیشہ کے لیے علیٰحدہ فرما دیتے تھے۔ جس میں سے نصف لانے والے کو اور نصف دیگر مستحقین کو مل جاتا تھا۔ اور اس کے حصول کی ایک خاص مسرت ہوتی تھی اور اس کا ایک ایک تار تبرکاً تقسیم ہو جاتا تھا۔

جس قدر یہ لباس اپنی شان و عظمت میں تقدّس اور برتری رکھتا ہے اسی طرح حضورؒ کی نگاہ میں اس کی اہمیت بھی تھی۔

چنانچہ آپؒ جن طالبانِ الٰہی کو یہ متبرک لباس عطا فرماتے تھے ان کو اس کے ظاہری و باطنی آداب بھی تعلیم فرماتے تھے جو برائے خاص سخت مجاہدے تھے جن کے آپ خود پابند تھے۔ مثلاً سوائے زمین کی نشست کے چارپائی تخت کرسی وغیرہ کی نشست سے بالکل کنارہ کشی اختیار کرنی۔ سفر میں سوائے جہاز اور ریل کے کسی جاندار سواری پر سوار نہ ہوں۔ اور اگرچہ آپؒ نے بعض حالتوں میں خاص وجوہ سے معدودے چند فقرا کو معمولی سواریوں کی اجازت بھی دی ہے۔ مگر یہ حکم عام نہ تھا جرابیں اور جوتے وغیرہ پہننے کی قطعی ممانعت تھی۔ صراحتہً یا کنایتہً سوال سے بھی نہایت پابندی کے

ساتھ مختزر رہنے کی ہدایت اور بے لاگ اور بے غرض رہنے کی تعلیم تھی۔ تسلیم رضا، توکل واستغنا، زہد و ریاضت اس جامۂ متبرکہ کا حقیقی لباس ہے۔

وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَيْرٌ۔

آپ اکثر طالبِ حق کو یہ لباس مرحمت فرماتے وقت ارشاد فرماتے تھے

کہ: "لو یہی لباس زندگی ہے اور یہی کفن ہے!"

جس سے ظاہر ہے کہ گویا اپنی ہستی کو مٹا دینے کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ آپؒ کے فقرا اسی لباس میں دفن بھی کیے جاتے ہیں اور جو باطنی تعلیم اس لباس سے متعلق ہوتی تھیں وہ نامِ نہ تھیں جو تحریر میں آسکیں۔ بہ اعتبارِ ظاہر بھی اس لباس کا استعمال ایک امرِ دشوار ہے کہ تمامی عیش و تنعم کے اسباب کو خیرباد کہنا پڑتا ہے اور اگر اس ارشاد کی تعمیل میں ثابت قدمی ہو کہ "لو یہی کفن ہے" تو طالبِ حق کے لیے یہ مجاہدہ کوئی معمولی مجاہدہ نہیں ہے۔ آنِ واحد میں اور سے اور حالت پیدا کرنے میں کافی سے زیادہ موثر ہے۔ آپؒ بہ نفسِ نفیس اس مقدس لباس ... ان قیود کے بدرجۂ اتم پابند تھے جو بارگاہِ الٰہی میں اس لباس کو پہن لینے کے بعد ہر حاجی پر فرض ہو جاتا ہے۔ سرخ، سیاہ اور سفید رنگ آپؒ نے کبھی استعمال نہیں فرمایا نہ دوشالہ وغیرہ آپؒ کے استعمال میں آیا۔ خالص ریشم کا تہمد بھی آپؒ نے نہیں پہنا۔ البتہ ٹسر کا تہبند زیبِ جسم فرمایا ہے۔ کچے رنگ کو استعمال نہیں فرماتے تھے، پختہ رنگ مرغوبِ خاطرِ اقدس تھا۔

نفیس فردیں جامہ واریں قبول فرما لیتے تھے مگر برتتے نہیں تھے کسی نہ کسی کو مرحمت فرما دیتے تھے البتہ کمل شوق سے اوڑھتے تھے۔ آپؒ کی وضعداری خاص طور پر مشہور تھی کہ جو بات آپؒ سے ظہور میں آتی ہے وہ مستقل ہوتی ہے۔

آپؒ کا جو طریقۂ اکل و شرب اور جو لباس تھا اس میں بھی وضعداری کی پوری شان تھی۔ جو بات وضع میں داخل ہو گئی وہ اسی حالت میں رہی۔ اس میں کوئی تغیر نہ ہوا۔

پابندئ وضع

وضع کی پابندی جیسی حضور انور کی ذاتِ محمود الصفات میں دیکھی گئی ہے۔ وہ دید ہے نہ شنید۔ جس سے ظاہر ہے کہ مزاجِ عالی میں اعلیٰ درجہ کا استقلال اور یک رنگی تھی۔

حقیقتہً وضعداری و استقلال خاص جوہر ہیں جو مردانِ خدا ہی میں کمال کے ساتھ ہوتے ہیں ہر شخص اُنکا پابند نہیں ہو سکتا۔

آپ کی دیگر صفات کی طرح آپؒ کی باوضعی بھی ضرب المثل ہے جو بات ابتدا میں آپؒ سے سرزد ہو گئی وہ گویا وضع میں داخل ہوئی۔ ممکن نہیں کہ کسی حالت میں اسمیں تغیر و تبدل ہو سکے۔ جس شخص کے مکان میں حضورؒ انور پہلے پہل مقیم ہوتے تھے بس ہمیشہ کے لیے اُسی مکان میں حضورؒ کے قیام کا شرف حاصل رہتا تھا کبھی اس میں تبدیلی نہیں ہوتی تھی۔ بڑے بڑے امرا و رؤسا التجا کرتے تھے مگر آپؒ غریب میزبان کی دلشکنی گوارا نہیں فرماتے تھے۔

اب آخر زمانہ میں جب کہ بسبب ضعف و نقاہت آپؒ سفر نہیں فرماتے تھے اور آپؒ کے متمول مریدین و معتقدین حضورؒ کو خود جا کے لاتے تھے تو بھی آپؒ ان کے مکان پر قیام نہیں فرماتے تھے۔ اُس شہر میں جہاں پہلی مرتبہ اقامت فرمائی تھی وہیں قیام فرماتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ جس شہر یا قصبہ وغیرہ میں جس راستہ سے پہلی مرتبہ تشریف لیجاتے بس وہی راستہ ہمیشہ کے لیے مخصوص ہو جاتا تھا۔ ہرگز اُس راستہ کو نہیں بدلتے تھے۔ اگر زائرین کی کثرت یا آپؒ کے استغراق و محویت کے باعث راستہ بدل جاتا تھا تو یاد آتے ہی پلٹ آتے اور اسی قدیم راستہ سے مسافت طے فرماتے اور ارشاد فرماتے تھے "ہمارا قدیم راستہ وہی ہے"۔ گویا راستہ سے بھی آپؒ کو خاص اُنس ہو جاتا تھا۔

اثنائے راہ میں ابتداً جس جگہ آپؒ نے سکون لیا پھر جب کبھی اُس راستہ سے تشریف لائے تو وہی جگہ سکون کے لیے مخصوص ہوئی۔ آپؒ کا استقلال ہر کام میں بدرجہ کمال تھا جس قسم کی جو بات حضورؒ کی وضع میں داخل تھی وہ نہایت پختگی کے ساتھ تھی۔

مولوی رونق علی صاحب وارثی الرزاقی تحریر فرماتے ہیں کہ موضع گورہ ضلع بارہ بنکی میں (جو دیوہ شریف سے جانب شمال واقع ہے) آپؒ جب ابتدا میں تشریف لے گئے تھے تو راستہ میں ایک باغ تھا جس میں آپؒ نے ایک درخت کے سایہ میں آرام فرمایا تھا۔ پندرہ سولہ سال کے بعد جب پھر موضع مذکور حضورؒ نے قدوم میمنت

لزوم سے شرف بخشا تو ضعف کے باعث پالکی میں تشریف رکھتے تھے اور یہاں زمانہ کے انقلاب نے اُس باغ کا نشان بھی مٹا دیا تھا لیکن جس وقت اس مقام پر پالکی پہنچی جہاں وہ باغ تھا تو آپؒ نے فوراً پالکی رکوا دی اور اس میں سے اتر کر اسی مقام پر پہنچے جہاں زیر درخت آرام فرمایا تھا۔

اور ہمراہیوں سے ارشاد فرمایا کہ "جب ہم پہلی مرتبہ اس راہ سے گذرے ہیں تو یہاں ایک سایہ دار درخت تھا، جو بہت اچھا تھا" تھوڑی دیر وہاں سکون فرمانے کے بعد آپؒ پالکی میں سوار ہوئے۔

آپؒ جس مکان میں یا جس قطعۂ زمین میں جس سمت کو رُخ کر کے پہلی مرتبہ بیٹھے اُٹھے، استراحت فرمائی اسی طرح ہمیشہ عمل در آمد رہا اور ایک ہی وضع قائم رہی۔ کبھی اسمیں تغیر و تبدل نہیں فرمایا۔

جناب مولینا مولوی حاجی عابد حسین صاحب فتحپوری جو فی زمانہ اودھ میں مشہور و معروف بزرگ ہیں (اپنے پیرو مرشد برحق مولینا شاہ نذیر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ اکثر آیا کرتے تھے اور بعد وصال جناب ممدوح الشان بھی اپنی وضع پر قائم رہے) تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت مولینا و مرشدنا (شاہ نذیر علی صاحبؒ) کے حصولِ قدمبوسی سے بہت قبل حالتِ طفولیت سے مجھے جناب حاجی صاحبؒ قبلہ کی زیارت کا اکثر موقعوں پر اتفاق ہوا لیکن اُس وقت سے رحلت کے وقت تک میں نے ان کو ایک ہی حال پر پایا کبھی کوئی تغیر نہیں دیکھا اور نہ کبھی کوئی خواہش دیکھی۔"

اس سے ظاہر ہے کہ دیگر سلاسل کے محترم بزرگوں نے بھی حضور پُرنور کی پابندیٔ وضع پر غور کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپؒ کی پاسداریٔ وضع میں بھی رنگِ وحدت تھا کہ جو بات تھی وہ ایک حالت پر تھی اسمیں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا تھا۔ آپؒ کا لباس طریقۂ اکل و شرب نشست و استراحت عادات و صفات سب میں پابندیٔ وضع کا اظہار تھا۔ آپؒ کی وضع داری بھی ایک خاص شان رکھتی تھی۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؒ کی ذات محمود الصفات میں جو بات تھی وہ استقلال و پختگی

کی ایک بیّن مثال تھی۔

نشست واستراحت

حضورؒ کی نشست واستراحت میں بھی اسقدر وضعداری تھی کہ ہمیشہ ایک ہی حالت قائم رہی۔ آپؒ کی ہمیشہ یہ عادت تھی کہ بعد تناول طعام صرف دو سکنڈ کے لیے بائیں کروٹ پر استراحت فرماتے تھے اور دو سکنڈ کے بعد سیدھی کروٹ بدل لیتے تھے اور ہمیشہ اسی کروٹ سے رہتے تھے۔ چت ہوکر آپؒ نے عمر بھر آرام نہیں فرمایا حتیٰ کہ تناول طعام کے بعد جب دو سیکنڈ کے لیے آپؒ بائیں پہلو پر لیٹتے اور فوراً ہی کروٹ بدل لیتے تھے تو چونکہ چت ہونا منظور نہ تھا اس لیے بیٹھکر کروٹ بدلنے کا دستور تھا۔ حالانکہ صرف ایک ہی کروٹ میں رہنے کے باعث حضورؒ کے سیدھی جانب کے کولے میں زخم بھی ہوگیا تھا۔ یہ بات مشہور ہے کہ حضورؒ انور نے تمام زندگی ایک ہی کروٹ میں بسر فرمائی۔ آپؒ نے کبھی تکیہ سرہانے نہیں رکھا نہ زیر کمر تکیہ رکھ کر نشست فرمائی ہمیشہ ہاتھ کا تکیہ رہتا تھا۔

ایک مرتبہ مولوی احمد حسین صاحب رئیس رہرہ مئو ضلع بارہ بنکی نے حضورؒ کے بستر میں دو تکئے رکھ کر لپیٹ دیئے تو آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ "ہم تکیہ کو پسند نہیں کرتے۔"

آپؒ پیرانہ سالی میں جبکہ قوائے جسمانی میں نہایت ضعف آگیا تھا اور نشست و برخاست میں ضعف کے باعث تکلف ہوتا تھا تو خدام کوئی کپڑا سہارے کے لیے رکھدیا کرتے تھے۔ آپؒ کی نشست کا بھی ہمیشہ وہ انداز رہا جس میں تکیہ کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

آپؒ تین طرح کی نشست فرماتے تھے تناول طعام کے وقت خصوصیت کے ساتھ اکڑوں نشست ہوتی تھی اور اسی نشست سے زیادہ تر بیٹھنے کی عادت تھی۔ اکڑوں بیٹھنے میں دونوں ہاتھ زمین پر رکھے رہتے تھے یہ خاص صورت نشست کی تھی کبھی دوزانو اور کبھی یک زانو بھی نشست فرماتے تھے۔

آپؐ کی نشست کا کچھ ایسا انداز تھا کہ صاف طور پر حضورؐ انور کے اعضائے لطیف الف اور لام اور ہ کی شکل پیدا کرتے تھے جس سے لفظ اللہ صاف پڑھنے میں آتا تھا حتیٰ کہ دستِ راست کی مٹھی بند رہتی تھی ہ کی شکل ظاہر کرتی تھی. گویا نشست بھی عملی طور پر یادِ الٰہی سے خالی نہ تھی استراحت میں سرِ اقدس میم کی شکل پیدا کرتا تھا اور دستِ مبارک کا تکیہ ح کی صورت میں ہوتا تھا اور کمر شریف کسی قدر خم ہوتی تھی جو میم مکرر بن جاتی اور پائے مبارک دال کی شکل میں ہوتے تھے اس طرح لفظ محمد بے تکلف پڑھا جاتا تھا۔

اکثر بزرگوں نے ایک ہی طرز میں ان مقدس الفاظ کو مطالعہ کیا ہے اور نشست و استراحت میں لفظ اللہ و محمد صاف پڑھا ہے. گویا بیٹھنے میں اندازِ عاشقی اور استراحت میں شانِ محبوبی جلوہ گر تھی. زانو پر زانو رکھ کر یا چار زانوں ہو کر کبھی نشست نہیں فرمائی. آپ کی نشست کا کچھ ایسا دلفریب انداز تھا کہ دیکھنے والوں کی طبیعت نہیں بھرتی تھی جی چاہتا تھا کہ بیٹھے ہوئے دیکھتے ہی رہیں۔

غرض کہ خداوند کریم اپنے جن مقبول اور برگزیدہ بندوں کو اپنی قدرتِ کاملہ کا نمونہ بنا کر دنیا میں بھیجتا ہے، ان کی ہر ایک ادا محبوب ہوتی ہے. حضورؐ انور حسن و جمال میں بھی آفتاب تھے جس کے نظارہ سے :- خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ کا منظر پیشِ نظر ہو جاتا تھا. از حسرت موہانی ہے :

وہ روئے زیبا ہے جانِ خوبی	ہیں وصف جس کے سارے کتابی
پیراہن اس کا ہے سادہ رنگیں	یا عکسِ مے سے شیشہ گلابی،
پھرتی ہے اب تک دل کی نظر میں	کیفیت ان کی وہ نیم خوابی
یارِ من باکمالِ رعنائی	خود تماشا و خود تماشائی
شد بوجہِ نظارہ دامن گیر	گشت مطلق بدام قید اسیر
از تقاضائے شوقِ جلوہ گری	آمد اندر حصار شیشہ پری

سراپائے مبارک

حضورؐ انور حسن و جمال کے اعتبار سے بھی سراپا انتخاب تھے جیسی دستِ قدرت

نے حسن و خوبی کے ایسے چار چاند لگا دیئے تھے کہ دیکھنے والے انوار الٰہی کا مشاہدہ کرتے تھے اور زبانِ قلب کلامِ الٰہی سے اس حسنِ دل افروز کی داد دیتی تھی:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ

(ہمنے انسان کو بہتر سے بہتر ساخت کا پیدا کیا)

تمام جسمِ اطہر نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ چہرۂ انور کا گندمی سرخی مائل رنگ نہایت دلفریب تھا۔ جسمیں وہ چمک اور روشنی تھی کہ اس سے انسان حیرت زدہ و ششدر ہو جاتا تھا اور رعبِ حسن سے نظر جما کر دیکھنے کی تاب نہیں ہوتی تھی ؎

قندیل ماہ آئینۂ مہر لمع برق

اک عکس ہے یہ آئینۂ رُخ کی تاب کا

حضور کا چہرۂ انور جس طرح بہ اعتبار حسن و جمال وجیہ و خوبصورت تھا اسی طرح اس میں کشش حسن اور فریفتہ و شیفتہ کر لینے کی قوتِ جاذبہ بھی کمال کے ساتھ تھی جس سے مخلوقِ الٰہی پروانہ وار شمعِ جمال پہ نثار ہوتی اور رُخِ پُر نور کو دیکھ کر اظہر من الشمس ہو جاتی تھی کہ آپؐ خاندانِ رسالتؐ کے چشم و چراغ ہیں۔ آپؐ کے جمال عدیم المثال نے بھی آفتابِ رسالتؐ سے کسبِ ضیا کیا ہے اور یہ وہ آفتاب نہیں جو غروب ہونے والا ہو ؎:

بصورتِ تو نگارے نہ آفرید خدا

ترا کشیدہ و دست از قلم کشید خدا

چہرۂ انور کا رنگ اکثر متغیر رہتا تھا، کبھی سُرخ اور کبھی سفید ہو جاتا تھا۔ اور بعض اوقات اس میں ماہتاب کی طرح چمک پیدا ہو جاتی تھی جس سے نظر بھر کے دیکھنا مشکل تھا حالانکہ آپؐ کے چہرہ کی گندمی رنگت تھی۔ ایک خاص بات یہ تھی جس کو بہت کم لوگوں نے دیکھا ہے کہ حضورؒ انور صبح کو اس وقت تک چہرۂ انور سے چادر نہیں ہٹاتے تھے جب تک اندر ہی اندر روئے مبارک کو دھو نہیں لیتے تھے چنانچہ سید معروف شاہ صاحب نے حسنِ اتفاق سے حضورؒ انور کے بغیر دھوئے چہرۂ مبارک کی زیارت کی ہے ان کا بیان ہے کہ آفتاب کی طرح چمک تھی جس سے

نگاہوں میں خیرگی پیدا ہوتی تھی۔

حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حکیم ضمیر احمد صاحب بچھرایونی کو بھی یہ سعادت نصیب ہوئی ہے وہ چہرۂ انور میں مہرِ منور کی چمک دیکھ سرِ ششدر رہ گئے تھے۔

قاضی محمد الیاس صاحب وارثی غازی پوری لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضورِ انور کی خدمت عالی میں حاضر تھا۔ شب کا وقت تھا ۸ بجے ہوں گے چراغ روشن تھا اتفاق سے گل ہو گیا۔ میں نے اس تاریکی میں حضورِ انور کی ایسی روشنی دیکھی کہ خدا علیم ہے وہ قابلِ تحریر نہیں ہے اور نہ ظاہر کرنے کی بات ہے۔ میں اس خیال میں ایک گھنٹہ تک حیرت زدہ سا رہا۔

حضورِ انور کے چہرۂ انور میں جو روشنی اور حسن دلفریب تھا اس کے کرشمے کچھ وہی لوگ جانتے ہیں جن پران مقدس انوار کا انکشاف ہوا ہے۔ تمام جسم خدا نے نور کے سانچے میں ڈھالا تھا۔ حضورِ انور کا قدِ رعنا کسی قدر لمبا مگر نہایت موزوں تھا۔ جسمِ اطہر متوسط تھا نہ موٹا نہ دُبلا مگر کثرتِ ریاضتِ شاقہ کے باعث نہایت نحیف و ناتواں ہو رہا تھا اور موردِ افضالِ خداوندی تھا جیسا کہ کلامِ پاک میں وارد ہے۔

وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ

(اور ہمارا منشا یہ تھا کہ جو لوگ ملک میں کمزور کر دیئے گئے تھے اُن پر احسان کریں اور ان کو سردار بنائیں اور ان کو وارث ٹھہرائیں۔)

فرقِ مقدس بڑا اور گول تھا جس سے سرداری نمایاں تھی اور آپؒ کی بلندیٔ مرتبت پر دلالت کرتا تھا۔ آپؒ کے سرِ مبارک میں یہ بات عام طور پر مشاہدہ کی گئی ہے کہ اپنے جدِ امجد حضور سرورِ عالم فخرِ بنی آدم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے فرقِ اقدس کی طرح سب سے بلند رہتا تھا۔ ہزاروں شخصوں کے مجمع میں آپؒ ہی کا سرِ مبارک سب سے اونچا رہتا تھا۔ سرِ مبارک پر گھونگر والے بال تھے جو سنتِ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے موافق تابہ دوش یا تا بنا گوش رہتے تھے ۔ ے

یہی سبب تھا جو زُلفوں کو تھے بڑھائے ہوئے
کہ آج سارے زمانے پہ ہیں وہ چھائے ہوئے

پیشانی مبارک فراخ و کشادہ اور انوارِ خداوندی سے نورٌ علیٰ نور بنی ہے :

اے صبحِ سعادت ز جبینِ تو ہویدا
ایں حُسن چہ حُسن ست تبارک و تعالیٰ

بھویں کسی قدر دراز اور محراب دار تھیں، پلکیں جھکی ہوئی تھیں، آنکھیں بڑی بڑی حیاپرور سُرمگیں تھیں جو خدا بینی کے لیے وقف تھیں اور ہمیشہ نیچی رہتی تھیں آنکھ اُٹھا کر کسی کو دیکھنے کی عادت نہ تھی۔ اگر حسنِ اتفاق سے کسی کی جانب نظر اٹھ جاتی تو وہ مدہوش ہوجاتا اور زبانِ حال سے عرض کرتا تھا :

دُزدیدہ فگندے بمن از ناز نگاہے
قربان نگاہے تو شوم باز نگاہے

حضوؒر کے جمال عدیم المثال کے رُوبرو زائرین کے حواس بجا نہیں رہتے تھے اور اس کا تجربہ صرف مریدین ہی کو نہیں ہے بلکہ دیگر اصحاب کو بھی ہوا ہے۔

مولانا ناظم علی صاحب فضلی نائب مہتمم مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ تحریر فرماتے ہیں کہ مجھکو بچپن سے لے کرتا زمانِ شباب بارہا خدمتِ عالی میں حاضری کی نوبت آئی لیکن نہ ہوش تھا نہ تمیز اور نہ یاد ہے کہ کیا کیا واقعات پیش آئے سوا اس کے کہ سامنے جاکر از خود رفتہ ہو جاتا تھا لیکن خدمتِ عالی میں حاضری کا بہت شوق تھا حاجی صاحب قبلہؒ کے جمال علی الخصوص آنکھوں پر مجھے زیادہ فریفتگی تھی"۔

چہرۂ انور کی طرح آپؒ کی چشمانِ مبارک کو بھی نظر جما کے دیکھنے کی کسی کو تاب نہیں تھی، حضوؒرِ انور کی آنکھیں جس قدر خوشنما اور حُسن میں بھری ہوئی تھیں اسی طرح تاثیر میں بھی کششِ مقناطیس کو مات کرتی تھیں۔

جاں نثاروں کا ہر وقت مجمع رہتا تھا جس سے عجیب دل آویز منظر پیش نظر ہوتا

اور بیساختہ زبان سے نکل جاتا تھا کہ سے: (حضرت شفق)

کعبہ و بتخانہ والے آ کے قابو میں ترے
سر بسجدہ رہتے ہیں محراب ابرو میں ترے

بینیٔ مبارک کسی قدر ملی ہوئی اور اونچی تھی۔ دہنِ مبارک متوسط تھا نہ زیادہ کشادہ نہ تنگ۔ دونوں لب گلاب کی سی پنکھڑیاں۔ دندانِ مبارک نہایت صاف و شفاف نہ چھوٹے نہ بڑے، موتیوں کی سی لڑی معلوم ہوتے تھے۔ سے (جناب اسحٰق مرحوم وارثی)

دیتے ہیں آپؐ کے دندانِ مبارک سے مثال
سلکِ گوہر کی کہاں جا کے لڑی ہے لقدیر

خطِ لطیف بھرا ہوا تھا۔ ریشِ مبارک گنجان اور ایک مشت لانبی تھی جو زیرِ چہرۂ نورانی عجیب نظارۂ حسن پیش کرتی تھی۔ جس سے رعبِ جمال کے علاوہ حضورِ انور کے مقدس اور بزرگ ترشرف و اقتدار پہ جاں نثاری کی اُمنگ پیدا ہوتی تھی اور زبان و دل تصدیق کے ساتھ اقرار کرتے تھے کہ اے بادشاہِ حسن تو شمعِ عالم افروز ہے۔ تو آفتابِ نیمروز ہے۔ تیرے مقدس اور بزرگ چہرہ میں یوسفِ طیبہ کے حسنِ دلکش کی جھلک ہے سے:

تیرے شرف پہ عزم قسم کا کیے ہوئے
پھرتی ہے رحل ہاتھ میں قرآں لیے ہوئے

گردن نہایت خوشنما اور اونچی تھی دونوں شانے گول اور لانبے تھے دونوں ہتھیلیاں گوشت سے بھری ہوئی انگلیاں لمبی لمبی پتلی پتلی نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے مزین تھیں۔ ناخنِ پاک ہلالِ نو کا منظر دکھاتے تھے۔ دونوں ہاتھ دستگیریٔ خلق کا بیڑا اٹھائے ہوئے تھے جن سے بمصداق ئے یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ عقدہ کشائے جود و عطا کی نسبت جاری تھی، دونوں کلائیاں میں شانِ اللّٰہی نمایاں تھی وست و بازو کی قوتِ کاملہ کو دیکھ کر آپؐ کے جدِ اعلیٰ قوتِ بازوئے رسولِ خدا جناب علیٔ مرتضیٰ کی یاد تازہ ہوتی تھی سے:

آفریں بر دست و بر بازوئے تو

سینۂ صافی آئینہ کی طرح صاف تھا جس میں اسرارِ خداوندی محفوظ تھے۔

(شیداں میاں وارثی لکھنوی)

سینۂ پاک ہے گنجینۂ رازِ احدی کینہ و بغض و حسد کبر و کدورت سے بری

یہ صفائی کبھی آئینہ میں دیکھی نہ سُنی اہل دل سمجھیں نہ کسطرح بزرگی اسکی

زہد زاہد کو دل افگاروں کو الفت بخشی

جس کو سینہ سے لگایا اُسے نعمت بخشی

اور اسی سینہ کے پہلو میں ہے دل کا بھی مقام وصف اس دل کا ہو یہ دل نہیں رکھتا یہ غلام

ذکر و اشغال میں مصروف یہ رہتا ہے مدام الغرض یادِ الٰہی میں کٹی عمر تمام

بھول کر لذتِ دنیا کی طرف چاہ نہ کی

سینکڑوں عشق میں صدمے سہے پر آہ نہ کی

کمر شریف کسی قدر پتلی اور نازک تھی پائے مبارک متوسط تھے نہ بہت چھوٹے نہ بڑے غرض کہ تمام اعضائے لطیف نہایت متناسب و موزوں تھے اور ایک خاص شانِ حُسن رکھتے تھے۔ جن سے عالمِ پیری میں بھی خاص کشش و دلفریبی ظاہر ہوتی تھی۔

ے : ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

حقیقتہً آپ کا حُسن و جمال بفحوائے اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ آئینۂ جمالِ الٰہی تھا جس پہ ایک عالم کو گرویدگی تھی۔ حضورِ انور کو دیکھ کر خدا کی یاد آتی تھی اور نظارۂ جمال عدیم المثال سے حبیبِ خدا کے حسنِ عالم افروز کا عکس قلوب میں پرتو فگن ہوتا تھا :

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ بِعَدَدِ کُلِّ حُسْنِہٖ وَجَمَالِہٖ

حضورِ انور کی شمعِ جمال پر پروانوں کا کوئی شمار نہ تھا۔ اس حسنِ عالمتاب نے بیحد و بے حساب مخلوقِ الٰہی کے دلوں پر فتح حاصل کی اور ایسی فتح کہ جس نے قلوب کی حالت

بدل دی۔ جاں نثاری کے لیے خود عشاق سربکف نظر آتے اور زبان حال سے یہ کہتے تھے ؎ :

دست از طلب ندارم تا کام من بر آید
یا تن رسد بجانان یا جان ز تن بر آید
جاں برلب ست در دل حسرت کہ از لبانش
بگرفت ہیچ کامے جاں از بدن برآید

حضورؒ انور بوستان رسالتؐ کے ایک تر و تازہ پھول تھے اور جناب محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثنا کے جسم لطیف کی طرح حضورؒ انور کے جسم اطہر سے بھی خوشبو آتی تھی۔ ؎ :

ہر گلے نو کہ شد چمن آرا   اثر رنگِ فیضِ صحبت اوست

جسم اطہر کی خوشبو کا علاوہ مریدین عقیدت گزین کے دیگر اصحاب کو بھی احساس ہوا ہے۔

منشی صمد مست خان صاحب متوطن گنج مراد آباد ضلع اناؤ جو حضرت مولینا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رضی اللہ عنہ سے شرف بیعت رکھتے ہیں (حضورؒ انور کی تشریف بری گنج مراد آباد کے متعلق) لکھتے ہیں کہ یہ بات اور عجیب تھی کہ حاجی صاحب کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ جس گلی سے گذر آپؒ کا ہوتا تھا وہ گلی معطر ہو جاتی تھی جس کی وجہ سے تلاش کنندہ خود تلاش کر لیتا تھا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ بات میرے ہی دماغ کو محسوس ہوتی تھی یا دوسروں کو بھی لیکن چند آدمیوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ان کو بھی اس کا احساس تھا۔"

آپؒ کی ذات بابرکات کی طرح آپؒ کا حسن بھی لاجواب تھا جس سے نگاہوں کو خیرگی پیدا ہوتی تھی اور نظر بھر کر دیکھنے کی تاب نہیں ہوتی تھی۔ ؎ : (حسرت موہانی)

اہل نظر کو بھی نظر آیا نہ روئے یار
یاں تک حجابِ نور نے مستور کر دیا

سچ ہے وہ صنّاعِ حقیقی جن مقدّس نفوس کو مدارجِ عالی عطا فرماتا ہے ان کو حُسن و جمال کے اعتبار سے بھی ممتاز و شہرۂ آفاق کر دیتا ہے فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ۔ (حسرت موہانی)

محبوبی و رنگینی ہیں جسد و بدن تیری
سرشارِ محبت ہے خوشبوئے دہن تیری
غارتگرِ تمکیں ہے آشوبِ دل و دیں ہے
یہ طرزِ نکو تیرا یہ وضعِ حسن تیری

صفت تنزیہی

جس طرح کا حسن عالم افروز ظاہر میں محبوب و دلفریب تھا اسی طرح وہ رعنائی و خوبی کے علاوہ دیگر صفات سے بھی آراستہ تھا۔

یہ مثال بالکل صحیح ہے کہ آپؐ کا وجود سراپا محمود ایک آئینۂ وحدت تھا جسمیں دوئی کا نام نہ تھا جو روبرو آیا وہ حیرت زدہ ہوکر رنگِ وحدت میں مستغرق ہوگیا۔ یہ آپ کی بزمِ وحدت کا ادنیٰ کرشمہ تھا کہ خواہ کتنی ہی کثرت ہو مگر وحدتِ قلبی کے باعث سب ایک ہی خیال اور ایک ہی رنگ میں متحد نظر آتے تھے ۔

با وحدتِ حق زکثرتِ خلق چہ باک
صد جائے اگر گرہ زنی رشتہ یکیست

جس طرح خدائے واحد نے نسبتِ توحید میں آپؐ کو ممتاز فرمایا اور بہ اعتبار حسن و جمال یکتا و بے نظیر بنایا اسی طرح جسدِ اطہر میں تنزیہی بھی عطا فرمائی تھی کہ جسم اطہر بعض اوقات محسوس نہیں ہوتا تھا جس سے ظاہر ہے کہ آپ نور ہی نور تھے بقول خاقانی ۔

عقل و جانست بہ یسین چو یاسین جفتند
تن چو نون کز نقش دور کنی تا بسنند

آپؐ کے جسمِ اطہر پر بظاہر جسم کا اطلاق ہوتا تھا مگر حقیقۃً عقل و روح کے سوا کچھ

نہ تھا یا نفی و اثبات کا منظر تھا کہ کبھی سب کچھ ہے اور کبھی کچھ بھی نہیں۔ حق یہ ہے کہ آپؒ میں جو خاص صفات نظر آتے تھے وہ عجیب حیرت انگیز ہوتے تھے۔ جو باتیں سنا کرتے تھے وہ حضورؒ انور کی ذات محمود الصفات میں آنکھوں سے دیکھی ہیں۔

مولوی رونق علی صاحب وارثی الرزاقی پیتھے پوری لکھتے ہیں کہ میرے والد ماجد شاہ مقصود علی صاحب پیتھے پوری جو حضور کے ہم مکتب بھی تھے، بیان فرماتے تھے کہ اکثر پائے مبارک دبانے کے وقت حضورؒ انور کا جسم اطہر محسوس نہیں ہوتا تھا۔

حاجی حافظ احمد علی صاحب متوطن مٹوارہ وخیرات علی شاہ صاحب پیتھے پوری میاں بھورے شاہ صاحب نے بھی اس کا تجربہ کیا ہے۔

سیدنا معروف شاہ صاحب قبلہ وارثی تحریر فرماتے ہیں کہ میری بڑی ہمشیر جو حضورؒ انور سے بیعت تھیں ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ "اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ جب حضورؒ کے پائے مبارک دبانے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو حضورؒ کے جسم لطیف کا پتہ نہیں چلتا۔"

اُن کے اس بیان پر میں نے خود تجربہ کیا اور بوقت شب حضورؒ کے پائیں بستر پر سوتا رہا چنانچہ مجھے بیشتر اوقات دونوں پاؤں دبانے کی عزت نصیب ہوئی۔ اکثر یہ کیفیت میرے مشاہدے میں آئی کہ جب پاؤں چپی کی غرض سے حضور کے پائیں بستر پہ بیٹھا تو جسم اطہر بالکل محسوس نہ ہوا۔ ہر طرف دیکھ بھال کر اپنے بستر پہ آکر لیٹ گیا تو حضورؒ انور نے آواز دی "معروف شاہ سوتے ہو؟" میں اس ارشاد پر فوراً بستر مبارک پر پہنچ جاتا اور پاؤں دبانا شروع کر دیتا تو آپؒ مختلف مقامات کے واقعات بیان فرمانے لگتے تھے۔

سید معروف شاہ صاحب قبلہ کا بیان ہے کہ میں نے اکثر ایسے واقعات سے لوگوں کو متحیّر دیکھا ہے مگر جن کو حضورؒ کی صحبت کا شرف حاصل تھا ان کے نزدیک یہ واقعات کچھ بھی تعجب خیز نہ تھے۔

مولوی رونق علی صاحب وارثی الرزاقی تحریر فرماتے ہیں کہ میاں نعمت علی شاہ صاحب وارثی ساکن موضع سہارا جو نہایت ذاکر و شاغل بزرگ اور حاضر باش

آستانۂ عالی میں بیان فرماتے ہیں کہ حضورِ انور کے زمانۂ علالت کے بعد اور پالکی کی سواری سے قبل حضورِ انور کو جب پیادہ پائی میں ضعف اور رفتار میں تکلف ہوتا تھا تو خدام ہمراہی آپ کو ایک چادر میں لٹاتے اور چادر کے چاروں گوشوں کو پکڑ لیتے تھے اور بے تکلف لیے چلے جاتے تھے۔ حضورِ انور کا جسم لطیف پھول کی طرح ہلکا ہو جاتا تھا اور بات کی بات میں مسافت طے ہو جاتی تھی۔

چنانچہ دیوہ شریف سے کرسی تک میں بھی اس خدمت میں شریک رہا ہوں۔

عین الیقین میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورِ انور حافظ رمضان علی صاحب کے مکان پر رونق افروز تھے، معتقدین کا مجمع تھا حافظ صاحب موصوف نے بہ سبیل تذکرہ حضور سے عرض کیا کہ "سنا ہے حضرت سید السادات شاہ عبدالرزاق صاحب بانسوی رضی اللہ عنہ کی کمر شریف سے پٹکہ نکل گیا تھا مگر یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی آپ نے ارشاد فرمایا: "ہماری کمر میں ایک مضبوط چادر باندھو" تعمیل ارشاد کی گئی اور چادر کو کھینچا گیا تو بندھا بندھایا پٹکا نکل آیا اس پر تمام حاضرین سخت متعجب ہوئے۔ یہی نہیں بلکہ جس چیز سے جو کام حضورِ انور لینا چاہتے تھے وہ اُس سے ظہور میں آجاتا تھا۔ چنانچہ لکڑی سے بھی رومال کے نکل آنے کا ایک واقعہ ظاہر ہوا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

مولوی احمد حسین صاحب وارثی متوطن رہرامئو کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میرے مکان پر حضرت اقدس شاہ عبدالرزاق بانسوی کی اس خرق عادت کا ذکر ہو رہا تھا کہ آپ کی کمر مبارک سے پٹکہ نکل گیا تھا کہ اثنائے ذکر میں حضورِ انور میرے مکان کے اندر سے باہر تشریف لائے اور ان کے مشتبہ بیانات کو سُن کر ارشاد فرمایا:

"یہ کیا ہرزہ سرائی ہے۔ عشاق کو اللہ کی طرف سے ہر حال میں ایک حال ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز سے اور ہر مخلوق سے جو چاہیں کرا دیں۔ تمام صفات عشق ذات میں فنا ہو جاتے ہیں۔ اسمیں گم ہو جانے کو ہی وصال کہتے ہیں اور خودی میں نہ رہنا

ہی کمال ہے۔ عشاق جب اس درجہ پر پہنچتے ہیں تو اپنی ہستی کو نیست کر دیتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب آفتاب فلک پر نور افشاں ہوتا ہے تو ستارے مخلوق کی نگاہوں سے کالعدم ہو جاتے ہیں۔ جس طرح کواکب کا وجود آسمان پر ہے اسی طرح عشاق کا وجود معشوق میں ہے بمصداق مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ (جو اللہ کا ہوا اللہ اس کا ہوا) عاشق و معشوق ایک ذات ہو جاتے ہیں۔ پس اسمیں تعجب کی کونسی بات ہے۔ کہ وہ آفتابِ حقیقی تمام انوار و اوصافِ عشاق کو اپنے میں جذب کر لے۔"

اس ارشاد پر چند ساعت تک جملہ حاضرین پر ہیبت و سکوت طاری رہا اس کے بعد حضور انور قصبہ مسولی کو تشریف لے گئے اور شیخ مظہر علی صاحب قدوائی کے مکان میں رونق افروز ہوئے۔ مولوی احمد حسین صاحب وارثی متوطن رہرہ مئو تحریر فرماتے ہیں کہ چند روز کے بعد جب اس واقعہ کا خیال بھی نہیں تھا حضور انور نے ایک چھڑی جو کبڑی کی طرح تھی اور اس پر سفید رومال بندھا ہوا تھا شیخ مظہر علی قدوائی کو مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ گورکھ دھندا ہے اس رومال کو کبڑی سے کھینچو تو گرہ قائم رہے گی اور رومال لکڑی سے علیحدہ ہو جائے گا تعمیل ارشاد کی گئی تو واقعی ایسا ہی ہوا۔ شیخ مظہر علی صاحب قدوائی حضور انور کی خدمتِ عالی میں بیباک تھے اس لیے انہوں نے عرض کیا کہ غلام اس بندھی ہوئی لکڑی سے قائل نہیں ہوا میں خود اپنے ہاتھ سے گرہ لگاؤں اور پھر نکل آئے تو بیشک قائل ہو سکتا ہوں۔ آپ نے منظور فرمایا چنانچہ قدوائی صاحب نے اپنے ہاتھ سے خوب مضبوطی کے ساتھ گرہ لگائی اور کبڑی حضور انور کے دستِ مبارک میں رہی دونوں سرے رومال کے شیخ مظہر علی قدوائی کے ہاتھ میں تھے۔ انہوں نے جیسے ہی رومال کھینچا وہ صاف نکل آیا ہر شخص متحیر تھا کہ کبر چوب سے اس طرح رومال برآمد ہوا گویا بندھا ہی نہ تھا۔ حضور انور تبسم فرماتے ہوئے بستر پر رونق افروز ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ "اس صنعت کو میں نے ملکِ عرب میں ایک استاد سے سیکھا ہے۔" مولوی احمد حسین صاحب کا بیان ہے کہ جب ہم اور شیخ مظہر علی صاحب قدوائی حضور کی خدمت سے علیحدہ ہوئے

تو دو گھنٹے گذرنے کے بعد یہ حقیقت خیال میں آئی کہ یہ کمر سے ٹپکا کے نکل آنے کا جواب ہے۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ حضورِ انور کے دست مبارک میں آکر چوبِ خشک میں بھی وہی تاثیر پیدا ہوگئی۔ سچ ہے ہے :

(جناب اسحٰق وارثی مرحوم)

خاک کو ایک نظر ان کی بنائے اکسیر

قطرہ ان ہاتھوں میں آجائے تو دریا ہو جائے

حضورِ انور کے جسمِ لطیف کی خوبی و نفاست بھی حسن و جمال کی طرح مشہورِ عالم ہے۔ سید علی حامد شاہ صاحب قادری چشتی سجادہ نشین ساںڈی ضلع ہردوئی رقمطراز ہیں کہ شیخ عظمت علی صاحب متوطن ملاواں ضلع اناؤ جو ایک ثقہ اور صداقت شعار بزرگ ہیں، بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ حضورِ انور کے ساتھ میں شریکِ سفر تھا بارش کی وجہ سے جابجا پانی بھرا ہوا تھا۔ موضع کوست کے مقام پر جہاں راستہ میں بہت پانی تھا آپؒ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ "تم ہم کو گود میں لے لو" میں اپنی جسامت سے ششدر رتھا کہ کس طرح حضور کو گود میں اٹھا سکتا ہوں۔ مگر ارشادِ عالی کے خلاف کیا عذر کرسکتا تھا میں نے تعمیل حکم کا ارادہ کیا تو قصد کرتے ہی مجھے حیرت ہوگئی بالکل ایسا معلوم ہوا کہ چھ مہینے کا بچہ گود میں ہے۔ میں حضورؒ کو لیے ہوئے آسانی سے پار ہوگیا۔ آپؒ کا جسمِ لطیف پھول کی طرح رکھا تھا جس کی لطافت و نفاست کا جب کبھی مجھے خیال آتا ہے تو تعجب ہوتا ہے۔

غرضکہ آپ کا جسدِ اطہر سراپا نور تھا۔ بظاہر تو وہ جسمِ اطہر ضرور جسم کی صورت میں تھا مگر حقیقتہً قدِ آدم ایک آئینہ تھا جس میں ذات و صفاتِ الٰہی کا مشاہدہ ہوتا تھا :

او در دلِ من ست و دلِ من بدست او

چوں آئینہ بدستِ من و من در آئینہ

حضورِ انور کے جسدِ اطہر یا صفت تنزیہی کے مشاہدات صرف مریدین معتقدین اگیں ہی کو نہیں ہوئے بلکہ دیگر سلاسل کے محترم اور واجب التعظیم بزرگوں نے بھی

مشاہدہ کیا ہے۔

چنانچہ جناب مولانا شاہ نذیر الحسن صاحب قبلہ فتح اللّٰہی مسند آرائے ابرایان فتح پور ہسوہ جو فی زمانہ مشاہیر روزگار سے ہیں ایک والانامہ میں حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں:

" حضرت حاجی صاحبؒ کی شان بہت ارفع و اعلیٰ تھی۔ استغراقِ توحید خرقِ عادات سے مستغنی ہے۔ صرف ایک واقعہ مشاہدہ میں آیا وہی بہت کافی ہے ؎

الف بشکل ہزار ست و در شمار یکیست

خاص دیوہ میں مصافحہ کا اتفاق ہوا۔ بسنت کے ایام سب بسنتی پوش تھے خود حضرت حاجی صاحبؒ بھی اسی رنگ میں تھے وقت مصافحہ ان کا سیدھا ہاتھ فقیر کے دونوں ہاتھوں میں تھا حقیقۃً خود اپنے ہی ہاتھ تھے جو باہم ملے تھے اُن کا ہاتھ محسوس نہ ہوتا تھا یہ کیفیت توجہ اتحادی یا … توحید غالباً دو منٹ تک قائم رہی ؎

درمیکدۂ وحدت جز فرد نمی گنجد

فقیر خوش وقت ہوا ؎

اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کر دی

یہ جو کچھ مشاہدہ میں آیا زبانِ قلم بیان سے عاجز ہے، آہ! اب ایسے نفوس قدسیہ کہاں ؎ : ہتی خم خانہ ہا کر دند و رفتند۔

اِنَّا لِلّٰہِ ثُمَّ اِنَّا لِلّٰہِ ؎ :

صورت از بیصورتی آمد بروں

باز شد اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

والدعا، فقیر فتح اللّٰہی

مولانا نے جو کچھ اپنا مشاہدہ تحریر فرمایا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضورؒ انور کی نسبتِ توحید یا صفتِ تنزیہی سے صرف مریدین ہی متاثر نہیں ہیں بلکہ دیگر اکابرِ وقت بھی جن کو بارگاہِ عالی میں شرفِ قربت نصیب ہوا ہے۔ حضورؒ انور کے صفاتِ برتر کے معترف ہیں۔

حضورِ انور ہمیشہ پا برہنہ رہتے تھے مگر پائے مبارک میں گرد و غبار کا بالکل اثر نہیں ہوتا تھا اکثر اصحاب کا بیان ہے کہ حضورِ انور کے قدومِ میمنت لزوم زمین پر پڑتے ہوئے نظر نہیں آتے تھے۔ حضور کے پائے مبارک کی یہ نفاست بیشمار افراد کی نگاہوں سے گذری ہے اور اکثر مواقع پر چھڑکاؤ وغیرہ کرا کے لوگوں نے امتحان بھی کئے ہیں۔

جن اصحاب کو حضورِ انور کی زیارت کا اتفاق نہیں ہوا۔ اُن کو اگر اس واقعہ پر تعجب ہو تو ہو مگر جن لوگوں کو شرفِ قدمبوسی نصیب ہوا ہے ان کے نزدیک یہ بالکل معمولی بات تھی جو ہر وقت مشاہدہ میں آتی تھی۔

یہ بات چونکہ عام طور پر مشاہدہ کی گئی ہے اس لیے صرف ان ہی واقعات پر مختصراً اکتفا کیا جاتا ہے جو دیگر سلاسل کے بعض افراد کی چشمدید ہیں اور جن کی روایت سے مجھ تک پہنچے ہیں۔

جناب مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ وارثی (وکیل و رئیس گیا) جو صاحب زہد و اتقا بزرگ ہیں، بیان فرماتے ہیں کہ مولینا شاہ شیخ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو صوبۂ بہار میں ایک مرجعِ خلائق بزرگ گذرے ہیں اور اکثر بزرگوں کا اُن کی نسبت خیال تھا کہ وہ قطب الوقت ہیں اپنا چشم دید واقعہ بیان فرماتے تھے کہ ۱۸۸۹ء کا ذکر ہے۔ شہر گیا میں حکیم ضیاء الحسن صاحب ایک نامی گرامی طبیب تھے جو سہوان کے رہنے والے تھے۔ ان کی اہلیہ صاحبہ کو حضورِ انور سے بیعت تھی اور حکیم ضیاء الحسن صاحب کو بھی عقیدت تھی حکیم صاحب موصوف نے حضورِ انور کی دعوت کا اہتمام کیا اور آپ کو اپنے مکان پر لائے۔ حکیم صاحب کا مکان دو منزلہ ہے ایک صاحب نے خاص دروازہ پر پانی گرا دیا جس کے سبب سے کیچڑ ہو گئی

حکیم صاحب کو اس بات کی خبر بھی نہ تھی، چنانچہ حضورِ انور کی فینس آئی اور اسی موقع پر رکھی گئی جہاں کیچڑ تھی آپ اسی زمین سے تشریف لائے اور اس مکان کے بالاخانہ کی پہلی منزل پر بلا تکلف تشریف لے گئے اور فرش پر نشست فرمائی۔ حضور کے پائے مبارک صاف و شفاف تھے مطلقاً کیچڑ وغیرہ کا کوئی اثر ان میں نہیں تھا۔

منشی صمد مست خاں صاحب فضلی متوطن گنج مراد آباد ضلع اناؤ اپنی چشم دید لکھتے ہیں کہ گنج مراد آباد میں جس جس مکان میں آپؒ تشریف لاتے تھے وہاں محفل کے طریق پر فرش وغیرہ بچھایا جاتا تھا۔ خاص کر سفید چاندنی ضرور بچھتی تھی اور اس پر آپؒ نشست فرماتے تھے۔ آپؒ برہنہ پا ہوتے تھے مگر فرش یا چاندنی میں دھبہ نہیں آتا تھا۔

شاہ محمد رضی الدین صاحب خلیفۂ مجاز خاندان ابوالعلائیہ متولی درگاہ شریف حضرت سیدنا ابوالعلاء رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں اپنے ایک عزیز کے ہاں بارہ بنکی میں مقیم تھا بارش بکثرت ہو رہی تھی محرم کا مہینہ تھا میں نے خود دیکھا کہ حضرت حاجی صاحب قبلہ مجمع کثیر کے ساتھ اپنے ایک مرید کے مکان پر تشریف لے گئے، میں بھی ہمراہ ہو گیا۔ اس وقت بارش کے سبب سے بہت کیچڑ تھی آپ حسب دستور برہنہ پا تھے۔ اس ارادت مند نے حضورؒ کی آمد میں نہایت اہتمام کیا تھا چاندنی کا فرش بچھا ہوا تھا کمرہ خوب آراستہ تھا آپ اس فرش پر بے تکلف تشریف لے گئے میں نے بغور دیکھا کہ باوجود کیچڑ اور بارش کے آپؒ کے پائے مبارک بالکل صاف تھے۔ کوئی نشان سفید چاندنی پر نہیں آیا البتہ کیچڑ کی وجہ سے ہمراہیوں کے پاؤں باوجود اس کے کہ وہ سب جوتے پہنے ہوئے تھے بہت میلے ہو گئے تھے۔

مولینا حاجی قاری حکیم احمد مختار صاحب میرٹھی (جو ایک مشہور و معروف عالم اور نہایت خوش بیان واعظ اور خاندان نقشبندیہ و چشتیہ و قادریہ وغیرہ میں صاحب سند و خلافت ہیں) تحریر فرماتے ہیں کہ میں جب دوسری مرتبہ بارگاہِ وارثی میں حاضر ہوا تو میں نے بچشم خود دیکھا کہ حاجی صاحب قبلہ فینس سے اتر کر پا برہنہ بہت زیادہ چھڑکاؤ کی ہوئی زمین سے گذرے مگر آپؒ کے پائے مبارک آلودۂ گل نہ ہوئے۔"

حضرت مولینا حاجی شاہ سید ابو محمد علی حسن صاحب اشرفی الجیلانی مسند آرائے کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب قبلہ کے خوارقِ عادات میں یہ بات مشہور ہے کہ آپ برہنہ پا چلتے تھے مگر آپؒ کے

پاؤں میں گرد و غبار یا کیچڑ نہیں لگتی تھی۔ فرش پر کبھی آپؒ کے پاؤں کا دھبہ نہیں آیا میں نے بچشم خود حضرت حاجی صاحب کو عیدگاہ میں پابرہنہ تشریف لاتے ہوئے نماز دیکھا ہے مگر کبھی مصلے پر دھبہ نہیں دیکھا۔"

حضور انورؒ کے پائے مبارک، آلودۂ گِل نہ ہونے کے واقعات ہزاروں لاکھوں شخصوں کے چشم دید ہیں یہ ایک کھلی ہوئی نشانی تھی جو ہر وقت نگاہوں سے گذرتی تھی اور اس کا شمار ایسی کرامت یا خرق عادت میں نہیں ہے جو کسی خاص وقت میں ظہور پذیر ہوئی ہو۔ اسی وجہ سے مریدین کے چشم دید واقعات کو نہیں لکھا گیا۔ حضور انورؒ کے اس نشانِ ولایت کو ایسے افراد نے بھی حیرت کے ساتھ دیکھا ہے جن کے یہاں پیری مریدی رائج نہیں ہے۔ چنانچہ مولوی حامد حسین صاحب قادری بچھرایونی پروفیسر بروده کالج تحریر فرماتے ہیں کہ میر عارف علی صاحب رئیس بروده (جو مذہب امامیہ رکھتے ہیں) یہ واقعہ اپنی چشم دید تعجب کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ کردی سے واپسی کے وقت حضورؒ جو میرے مکان پر تشریف لائے تو برہنہ پا تھے راستہ میں نہ صرف ریت اور مٹی بلکہ پانی اور کیچڑ بھی تھا جس کی وجہ سے پاؤں کا آلودہ ہونا لازمی تھا مگر حضرتؒ اسی طرح برہنہ پا بے تکلف چاندنی پر تشریف لائے اور چاندنی پر مطلق کوئی دھبہ نہیں پڑا۔ یہ بات سُنی تو پہلے بھی تھی مگر یقین نہیں آتا تھا لیکن خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تو حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔"

مولوی حامد حسین صاحب قادری جو حضرت شاہ نظام الدین صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت رکھتے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ خود ان بزرگ نے نہایت محبت کے ساتھ لکھا ہے۔

حقیقتہً حضور انورؒ کی ذات مستجمع الصفات ایک آئینۂ قدرت نما تھی تمام جسمِ لطیف مرقعِ نور تھا جس کے مشاہدات چشمِ عالم میں چکاچوند کا عالم پیدا کرتے تھے۔

آپؒ کی تمام زندگی آلائشِ دنیوی سے پاک اور روحانی زندگی کی ایک بیّن مثال تھی تمام اعضائے لطیف جداگانہ شان و خاصیت سے ممتاز تھے پھر پائے

مبارک میں نفاست کیوں نہ ہوتی۔ رہے نصیب ان ہاتھوں اور لبوں کے جن کو حضورؒ کے پائے مبارک سے مس ہونے کا شرف نصیب ہوا ہے۔ ے :

(شیدا میاں وارثی)

سر یہاں جس نے جھکایا وہ ہوا نیک انجام
دین و دنیا کے سبھی بن گئے بگڑے ہوئے کام

اپنے پیرؒ کی یہی رہبری کرتے ہیں مدام
اب قدم چوم لے شیدا کہ سراپا ہے تمام
کوئی دنیا میں تعلّی سے نہ ممتاز ہوا
سر یہاں تو نے جھکایا تو سرافراز ہوا

اندازِ تکلّم

آپؒ کے سراپائے عدیم المثال کی طرح آپؒ کا اندازِ گفتگو بھی نہایت دلفریب تھا۔ باتوں میں وہ حلاوت و شیرینی تھی کہ زبانِ قلب مدتوں چٹخارے لیا کرتی تھی۔ خاموش بیٹھنے کی زیادہ عادت تھی۔ نگاہیں ہر وقت نیچی رہتی تھیں۔ کبھی کلام فرماتے تو بہت مختصر الفاظ میں بہت جلدی اور آہستہ آہستہ الفاظ کو تکرار کے ساتھ ادا کرنے کی عادت تھی یعنی جن الفاظ سے سامعین کو ہدایت یا مخاطب فرماتے ان کو مکرر ارشاد فرمادیا کرتے تھے۔ زبانِ مبارک میں کسی قدر لکنت بھی تھی۔ باتیں بالکل معصوم بچوں کی طرح سیدھی سادی اور سلسلۂ کلام اپنے حد سے زیادہ اختصار کی وجہ سے مشتاقوں کو بے چین کر دیتا تھا اور وہ کسی دوسرے وقت کے یا کسی اور سلسلۂ کلام کے جویا اور متجسس رہتے تھے۔

آپؒ باتوں باتوں میں بڑی بڑی عقدہ کشائیاں فرمادیتے اور بڑی بڑی الجھنیں سلجھادیتے تھے۔ آپؒ کی شیریں کلامی مریضانِ دردِ محبت کے لیے داروئے شفا ہوتی تھی سکوت میں بھی ایک خاص شان اور انداز دوقار نمایاں ہوتا تھا۔ آپؒ کی ہر ایک ادا شانِ محبوبیت سے آراستہ ہوتی تھی ے :

خاموشی پہ اک شوکتِ شاہانہ جدا تھی
باتوں میں دوائے دلِ دیوانہ جدا تھی

لوگوں کو تمنا رہتی تھی کہ جنبش لبہائے مبارک سے مستفید ہوں مگر آپ کی ہیبت عظمت سے مرعوب ہونے کے باعث کسی کو سلسلۂ کلام چھیڑنے کی جرأت نہ ہوتی تھی خود ہی اگر طبعِ لطیف کو متوجہ دیکھتے تو عرض کرتے تھے کیونکہ قلوب کی حالت حضورؒ کی نگاہ میں آئینہ رہتی تھی آپؒ کو کبھی کسی نے قہقہہ مار کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا البتہ آپؒ کے مبارک ہونٹوں پہ شانِ تبسم ہر وقت نمودار رہتی تھی۔

ہنسی کی بات پر بھی زیرِ لب تبسم فرماتے تھے اور تبسم میں یہ انداز ہوتا تھا کہ دندان مبارک نہیں کھلتے تھے۔ ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ وقتِ تبسم دستِ اطہر کو منہ پر رکھ لیتے تھے۔ آپؒ نے کبھی کسی قسم کی گفتگو کو طول نہیں دیا نہ کسی واقعہ کی دیر تک تفصیل فرمائی چند لفظوں میں سلسلۂ کلام کو ختم کر دیا کرتے تھے۔ ہر وقت ایک عالمِ سکوت طاری رہتا تھا جیسے کسی خاص خیال میں محویت ہوتی ہے۔ جو کچھ بھی زبانِ مبارک سے ارشاد فرماتے وہ نہایت جامع و مانع الفاظ میں ہوتے تھے جو بڑے خیال و غور کے بعد یا کسی خاص واقعہ کے پیش آنے پر سمجھ میں آتے تھے۔ ان کی تفصیل زبانِ مبارک سے سمجھ میں نہیں آتی تھی بلکہ آپؒ کی مقدس روحانیت سے انکشافِ حال ہوتا تھا۔

حضورؒ کے باطنی اوصاف کا تو کیا ذکر ہے بظاہر حضورؒ پر نورؒ کی روزمرہ کی باتیں بھی عجیب و غریب تھیں جن کا سمجھنا ہمارے فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔ آپؒ کی جو گفتگو کہنے کو ایک بات ہوتی تھی اس میں بھی ایک خاص شان ہوتی تھی جس سے حیرت ہو جاتی تھی کہ حضورؒ انور کی معمولی بات چیت بھی بے حد تصرفات سے مملو ہے۔ یہ بات خاص تھی کہ اگر کسی مخاطب سے تبسم آمیز لہجہ میں کچھ ارشاد فرمایا گو ظاہری مفہوم اس تبسم آمیز گفتگو کا بھی روزمرہ کی باتوں کی طرح ہوتا تھا لیکن عجیب شانِ تکلم ہوتی تھی کہ مخاطب پر بیخودی طاری ہو جاتی تھی اور وہ چشم زدن میں بادۂ محبت سے سرشار ہو جاتا تھا۔

جناب مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب شیدا وارثی جو حضورؒ انور کے مقربین خاص

یں ہیں ، تحریر فرماتے ہیں کہ " دربھنگہ میں نواب صادق علی خان صاحب کے مکان پر حضورؒ انور قیام پذیر تھے کہ مابین عصر و مغرب ایک عرب خدمتِ عالی میں حاضر ہونے آپؒ نے صرف اسقدر ان سے فرمایا کہ ـــ مدنی صاحب کل آپؒ کی خاطر ہو جائے گی ۔"

دوسرے روز مریدین و معتقدین کا مجمع تھا کہ نواب انور علی خان صاحب کے مکان سے آپؒ برآمد ہوئے وہ عرب صاحب بھی حاضر تھے آپؒ نے اُن کو ایک ٹکڑا احرام شریف کا عطا فرمایا جو آسمانی رنگ کے ملینہ کا تھا اور عطا فرماتے وقت تبسّم آمیز لہجہ میں ارشاد فرمایا کہ " لو یہ تمہارا حصّہ ہے "۔

عرب صاحب نے وہ ٹکڑا لیکر ایک دردناک آہ کی اور مضطرب و بیقرار ہوکر اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور ماہئی بے آب کی طرح تڑپنے لگے ان کی اس حالت سے حاضرین پر بھی ایک خاص کیفیت طاری تھی ۔ مگر حضور متبسم لہجہ سے بار بار یہی ارشاد فرماتے تھے ؛

" مدنی صاحب کو یہ کیا ہو گیا ۔"

آخر جب بستر پر تشریف لائے تو عرب صاحب کو اسی حالت بیتابی میں بلا کر لباسِ فقر یعنی تہبند مرحمت فرمایا عرب شاہ ان کا نام رکھا اور یہ حکم دیا کہ " صادق علیخاں کے بنگلہ میں رہا کرو ۔"

یہ بھی فرمایا ؛

" اگر دل گھبرائے تو مدینہ شریف چلے جانا جمعہ کے روز ہم سے ملاقات ہُوا کرے گی ۔"

معلوم نہیں کہ اس جملہ کے درحقیقت کیا معنیٰ تھے کہ " لو یہ تمہارا حصہ ہے " جسکو مدنی صاحب نے سمجھا ہو گا اور اس معمولی گفتگو کے پہلو میں کونسا ناوکِ دلدوز پنہاں تھا کہ مدنی صاحب نے ایک آہ سرد بھری اور بیتاب ہو گئے ؎

درونِ سینۂ من زخم بے نشان زدۂ
بحیرتم کہ عجب تیر بے کمان زدۂ

حضورِ انور کا یہ انداز تکلم تھا کہ اسی وقت مخاطب کو برجستہ جواب دیتے تھے۔ بظاہر تو یہ ایک معمولی گفتگو تھی مگر خدا جانے اس میں کیا کیا فیوض و برکات مضمر تھے کہ آنِ واحد میں مدنی صاحب کو خلعتِ فقر بھی مرحمت ہو گیا اور حالت بھی بدل گئی۔

مولوی سید شرف الدین صاحب قبلہ وارثی مدظلہ العالی (آنریبل ممبر ایگزیکٹو کونسل بہار) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور پُر نور پٹنہ تشریف لائے اور مجھ سے ارشاد فرمایا: "تم میرے ساتھ دیوے چلو۔"

خدا نے مجھے دو بچے دیئے ہیں ایک بیٹا اور ایک بیٹی اس زمانے میں ان دونوں کے چیچک نکل تھی میں نے خیال کیا کہ بچوں کو کس پر چھوڑوں کیونکر جاؤں حضور نے بارہا فرمایا ہے:

"میری وجہ سے دنیا کو نہ چھوڑ تیری دنیاداری عبادت ہے۔" چنانچہ میں اس غرض سے خدمتِ عالی میں حاضر ہوا کہ میرے بچوں کی یہ حالت ہے میرے لیے ارشاد ہو جائے تو میں نہ جاؤں۔

پہنچنے کے ساتھ ہی حضور پُر نور نے خود بخود ایک قصہ کہنا شروع فرمایا جس کا مطلب یہ تھا:

"محبت میں مال و دولت ماں باپ دین و دنیا سب چھوٹ جاتا ہے۔"

اس کو ارشاد فرمانے کے بعد میری طرف مڑ کر فرمایا:

"بالسٹر میرے ساتھ چلتے ہو!"

میں نے عرض کیا:

"حضور ہاں!"

اور بچوں کو اسی حال میں چھوڑ کر حضور کے ساتھ ہو گیا۔ میرے ساتھ حکیم مبارک حسین صاحب بھی تھے (جن کا نام بعد میں عبداللہ شاہ ہوا اور حضور کے خاص فقرا میں گذرے) میں نے حضور سے عرض کیا کہ حکیم صاحب میرے قریب رشتہ میں بھائی ہیں اور بڑے سیاح ہیں حضور پُر نور نے حکیم صاحب

سے مخاطب ہو کر فرمایا:
"حکیم جی جتنا تم گاؤزبان و بنفشہ کو یاد رکھتے ہو اُسی قدر مجھے بھی یاد رکھا کرو۔"

میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کلام میں کیا تاثیر بھری ہوئی تھی اور کس ادائے خاص سے فرمایا تھا کہ حکیم صاحب بھی مرضِ عشق میں مبتلا ہو گئے۔ ان کی عجب حالت ہوئی اور وہ بھی میرے ہمراہ حضور انور کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گئے۔

حضورِ پُر نور کے الفاظ میں عجیب تاثیر ہوتی تھی اور عقل کام نہیں کرتی مشاہدات کا منظر بھی الفاظ میں دکھایا جاتا تھا۔ چنانچہ خان بہادر مولوی محمد باقر خان صاحب وارثی (پنشنر ڈپٹی کلکٹر و رئیس رائے بریلی) جو ایک متشرع بزرگ ہیں بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بارگاہِ وارثی میں حاضر تھا میں نے دیکھا کہ ایک ہندو سادھو نہایت ریاضت سے پیکرما کرتا ہوا مسافت طے کر کے خدمتِ عالی میں حاضر ہوا اور اپنے مذہبی قاعدہ سے ڈنڈوت کی قدم چومے اور خاموش کھڑا ہو گیا۔ غالباً یہ اس قدر محنت کر کے کسی خاص غرض سے آیا تھا۔ خادم نے ایک شخص کو اشارہ کیا کہ ان کو سیدھا دلا دو۔ اُس نے کہا:

"کہ میں سیدھا لینے کے لیے اتنی محنت کر کے نہیں آیا ہوں میرا مقصد پورا ہونا چاہیئے۔"

حضور انور نے اس کی طرف دیکھ کر صرف اتنا ارشاد فرمایا:

"اچھا جاؤ"

وہ سادھو یہ مختصر لفظ سن کر اس قدر شاد و مسرور ہوا کہ جوشِ انبساط سے اچھلنے کودنے لگا اور چلا گیا۔ سامعین کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا معاملہ ہے اور ان دو لفظوں میں کیا رازِ حقیقت بھرا ہوا ہے اور ان لفظوں کا کیوں ایسا برقی اثر اس پر ہوا کہ اس نے بے اختیار اور نہایت مسرت آمیز انداز سے اپنی کامیابی کا اظہار کیا۔ آپؒ کے کلام میں یہ خاص صفت تھی کہ گو بظاہر مختصر ہوتا مگر بہ اعتبارِ معنے کے نہایت وسعت اور جامعیت رکھتا تھا اور مخاطب کے لیے نہایت سہل ہوتا تھا اور

سامعین کے فہم و ادراک حضورِ انور کے ارشاداتِ طیبات کی کنہ حقیقت تک پہنچنے سے قاصر و معذور رہتے تھے۔ آپ کے الفاظ مخاطبِ مخصوص کے سامنے مشاہدہ پیش کر دیتے تھے۔

حضورِ انور بات کی بات میں بڑی بڑی الجھنیں سلجھا دیتے تھے۔ چنانچہ حقیقت مآب مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ وارثی (وکیل و رئیس گیا) تحریر فرماتے ہیں کہ جناب مولینا مولوی سید محمد کریم رضا صاحب چشتی نظامی اشرفی درویشی استھوں بتھو ضلع گیا جو نہایت جلیل القدر بزرگ ہیں اور اس دیار کے علمائے دین کی جماعت میں نہایت مستند شمار کئے جاتے اور جن کے شاگردوں میں اس وقت اکثر علماء سر برآوردہ اور مقتدر ہیں) کمال متبع شرع شریف و سنتِ نبوی صلعم ہیں صاحب اجازت و خلافت بھی ہیں مگر اوائلِ زندگانی بزمانہ شغل تعلیم و تعلم مولانا کو بظاہر تصوف کی جانب رجحان نہ تھا (یا چنداں میلان نہ تھا) مگر بظاہر شریعت میں بڑے استوار و سخت تھے اور روح و بطونِ شریعت کی جانب جو طریقت سے تعبیر کی جاتی ہے مولوی صاحب چنداں ملتفت نہ تھے۔ مولوی صاحب طلباء کو درس دیا کرتے تھے یکایک انہوں نے اس درس و تدریس سے قطع تعلق کر لیا اور کچھ روز مکان میں بظاہر بے شغل معتکف رہے۔ اس کے بعد مولوی صاحب نے بریلی جانے کا قصد کیا۔ اس زمانہ میں ہم لوگوں کا بھی دیوہ شریف جانے کا ارادہ ہو گیا اور اتفاق وقت سے سفر میں مولوی صاحب کا ساتھ ہو گیا اور مولوی صاحب ہم لوگوں کی خاطر سے بارہ بنکی کے اسٹیشن پر اتر پڑے اور ہماری معیت میں دیوہ شریف بھی گئے ہمارے ہی ساتھ قیام فرمایا مگر دو دن تک بارگاہِ وارثی میں نہیں گئے بلکہ باہر باہر رہے' دوسرے یا تیسرے روز انہوں نے قریبِ مغرب مجھ سے اپنی خواہش ظاہر فرمائی کہ ہم بھی ملنا چاہتے ہیں۔ آپ کے ساتھ چلیں تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا بسر و چشم حاضر ہوں چنانچہ بعد نماز مغرب میں مولوی صاحب کو لیکر حاضرِ خدمتِ عالی ہوا حضورِ انور اس وقت بستر پر آرام فرما رہے تھے پچھم کی طرف سرِ اقدس تھا پورب کی جانب پائے مبارک تھے اور داہنی کروٹ حسبِ معمول لیٹے ہوئے تھے میں سامنے حاضر ہوا اور میری

داہنی جانب پہلو بہ پہلو مولوی صاحب ——— متھے میں دست بوس ہوا دیہ یاد نہیں کہ مولوی صاحب نے بھی مراسمِ تسلیم ادا کئے یا نہیں۔ پھر میں نے مولوی صاحب کی نسبت عرض کیا کہ "حضورؒ کی زیارت کو حاضر ہوئے ہیں۔" آپ فوراً اُٹھ بیٹھے اور عموماً جو طریقہ نشست کا دونوں کفِ پا پر تھا ——— اسی طرح نشست فرما کر مولوی صاحب کی طرف خطاب کر کے فرمایا "مولوی صاحب مولوی صاحب ہم تو کتابیں بھول بھلا — گئے۔" میں نے عرض کیا "حضور مولوی صاحب بھی بھول رہے ہیں۔ حضورؒ نے پھر مولوی صاحب کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا:

"مولوی صاحب اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ آپ نے پڑھا ہے نا ہم تو بھول بھلائے گئے۔"

پھر ارشاد فرمایا:

"مولوی صاحب اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ ہے نا بس دیکھا کر دا۔" یہ فرما کر لیٹ رہے اور ارشاد فرمایا: "اچھا پھر ملاقات ہوگی۔"

جناب مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ کا بیان ہے کہ جس وقت حضورؒ نے اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ فرمایا اس وقت مولوی صاحب کی جانب نظر بھی فرمائی اور مجھکو معلوم ہوتا تھا کہ اس وقت مولوی صاحب پر کچھ کیفیت طاری ہے۔ اس کے بعد بارگاہِ عالی سے رخصت ہو کر جب باہر آئے تو مولوی صاحب کے چہرہ اور بُشرہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ راحت اور خوشی ملی ہوئی ہے۔

مولوی صاحب سے میں نے کچھ دریافت کرنا چاہا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کی کیفیت عقب سے کہیں گے۔ جب جائے قیام پر پہنچے تو مولوی صاحب نے بیان فرمایا: (مولوی صاحب کے بیان کا خلاصہ جو کچھ اس وقت میری یاد میں ہے وہ یہ ہے)

"ہم جب طلباء کو درس دیتے تھے تو ایک طالب علم کے سبق میں یہ حدیث آئی اس نے سوال کیا:

"خدا کی تو کوئی صورت نہیں پھر یہاں صورت کے کیا معنے ہیں اور اس کا کیا مفہوم ہے"۔

میں نے جو کچھ پہلے اور طلبا کو بتایا تھا وہی اس کو بھی بتایا مگر اس کی تشفی نہ ہوئی اور وہ برابر پوچھتا رہا چونکہ مجھکو خود بھی اپنے معنی بیان کرنے پر تشفی و تسکین نہ تھی اس لیے چکر میں رہا۔

اور بہت زمانہ تک اِدھر اُدھر کتابیں پلٹتا رہا کہ معنی حقیقی دریافت کروں لیکن جب پتہ نہ چلا تو دل چھوٹا اور درس و تدریس کی طرف سے طبیعت منغض ہوئی اور یہ سوچا کہ ایسے پڑھنے سے کیا فائدہ ہے جب حقیقی معنی ایسی چیزوں کے سمجھ میں نہ آئیں۔ چنانچہ آج تک تلاش و جستجو یہی رہی کہ صورت کیسی ہے اور صورت کے کیا معنے ہیں الحمدللہ کہ اتنے زمانہ کی الجھن تھی جس کو آج حاجی صاحب نے حل فرما دیا۔

بالآخر ہم لوگ مکان کو واپس ہوئے اور مولوی صاحب شاہجہاں پور بریلی و دہلی و آگرہ وغیرہ گئے اور پھر اجمیر شریف پہنچے تو کئی برس وہاں قیام رہا۔ بعد ازاں حضرت سلطان المشائخ محبوبِ الٰہیؒ کی حضور میں حاضر ہوئے اور اب دہلی میں قیام ہے۔ آزاد فقیر جس کو کہتے ہیں وہی ہیں اب دوسرا ہی عالم ہے ؎

ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

اس واقعہ میں حضورِ پرنور کی زبانِ فیض ترجمان سے جو الفاظ نکلے وہ حاضرین نے بلفظہٖ سُنے مگر ان الفاظ کی حقیقت کو کچھ مولینا نے ہی سمجھا جس سے ان کی ایک بڑی الجھن رفع ہو گئی۔ حق تو یہ ہے کہ حضورِ پرنور کے الفاظ مشاہدہ پیش کر دیتے تھے۔

حضورِ انور کی تقریر میں ایک خاص بات یہ تھی کہ جس سے مخاطب ہوتے اس پر کچھ اور اثر ہوتا تھا اور دیگر سامعین پر کچھ اور حالت طاری ہوتی تھی اور وہی جب باہر آ کر بیان میں آتے تھے تو کچھ اور کیفیت محسوس ہوا کرتی تھی۔

آپ کے دو لفظوں میں بڑی بڑی گتھیاں سلجھ جاتی تھیں۔ ہر ایک بات حقیقت حال پر مبنی ہوتی تھی۔ مسائل وغیرہ پر بحث نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولینا شاہ

ابو محمد علی حسنی صاحب اشرفی الجیلانی تحریر فرماتے ہیں کہ مجھ سے شاہ عبدالرحمٰن صاحب دہلوی خلیفہ حضرت اخوند صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں حضرت حاجی صاحب قبلہ کی ملاقات کو گیا اور میں نے کچھ مسائل توحید دریافت کئے تو آپ نے فرمایا:

"جس پر سرِ توحید منکشف ہوتا ہے وہ جانتا ہے زبان سے اس راز کا ادا ہونا مشکل ہے۔"

اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ حضور پُر نور بالتفصیل کوئی مسئلہ نہیں سمجھاتے تھے بلکہ مختصر طور پر جواب دیدیتے تھے اور اسی جواب میں تشفی ہوجاتی تھی۔ آپ کے الفاظ حقیقت میں اپنی بے نظیر تاثیر میں لاجواب ہوتے تھے۔

چنانچہ مولینا حکیم سید علی نقی شاہ صاحب (جو خاندانِ نقشبندیہ میں صاحب سند و خلافت بزرگ ہیں) تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت اقدس فتحپور بسوان میں مقیم تھے۔ مولانا نیاز احمد صاحب جمعہ کے روز مسجد میں سخت الفاظ میں حضور کا ذکر کر رہے تھے کہ یکایک آپ مسجد میں آ گئے اور صرف اسقدر زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا کہ:

"مولوی صاحب! آپ اپنی بنا چکے میں تو اپنے دکھ درد میں پھنسا ہوں۔"

اس کلام سے مولانا چیخ مار کر روتے تھے اور تمام مجمع روتے روتے بیہوش ہوگیا۔

آپ کی تاثیرِ کلام کے یہ ادنیٰ کرشمے تھے کہ مخاطب اور اہلِ محفل پر فوری اثر ہوتا تھا۔ حالانکہ بظاہر وہ بالکل معمولی جملے ہوتے تھے۔ آپ کے الفاظ میں یہ بات بھی تھی کہ بعض ارشادات کا مطلب مخاطب کی سمجھ میں فوراً نہیں آتا تھا مگر وہ خاموش ہو جاتا تھا اور سمجھ جاتا تھا کہ حضور پر نور ہی اس کے سمجھانے میں مدد فرمائیں گے۔

چنانچہ حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی متوطن پھپھرالیوں کا واقعہ ہے کہ جب یہ اپنے والد ماجد حضرت شاہ شمس الدین صاحب قبلہ چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ کا عرس مبارک کرنے کے لیے حضور کی اجازت سے جانے لگے تو آپ نے وقتِ رخصت

تین چادریں مرحمت فرمائیں اور ارشاد فرمایا:

"یہ چڑھا دینا!"

حاجی او گھٹ شاہ صاحب کہ الحاج قبلہ کا جس مسجد میں مزار ہے اس میں ایک بزرگ حضرت سہراب شاہ صاحب کا بھی مزار ہے (انہیں کے نام نامی سے مسجد مشہور ہے) حاجی او گھٹ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے خیال کیا ان دونوں مزاروں کے لیے تو دو چادریں ہوگئیں اب تیسری چادر کس لیے ہے۔ مگر یہ بات ذہن نشین تھی کہ اکثر حضور انور کے ارشادات فوراً سمجھ میں نہیں آتے۔ اس لیے میں تینوں چادریں لیکر چلا گیا اور بھرایوں میں پہنچکر دو چادریں دونوں مزاروں پر چڑھا دیں اور تیسری رکھ لی۔ مجھے خواب میں ارشاد ہوا کہ "اس مسجد میں فلاں مقام پر ایک مزار اور ہے" صبح کو میں نے وہی جگہ کھدوانی شروع کی تو ایک پختہ مزار برآمد ہوا چنانچہ وہ تیسری چادر اس پر چڑھا دی گئی۔

یہ تینوں مزار اس مسجد میں اب موجود ہیں۔ اس سے پہلے بھرایوں میں کسی کو اس مخفی مزار کا علم نہ تھا سب کو اس واقعہ پر سخت تعجب ہوا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت سید نا فضیحت شاہ صاحب وارثی بازید پوری کا گذرا ہے جس کو مولینا مولوی سید عبدالغنی صاحب قبلہ وارثی بہاری (مترجم طبقات الکبریٰ وغیرہ) ارقام فرماتے ہیں ۔ کہ جب حضور انور بلیا (صوبۂ بہار) میں رونق افروز تھے تو فضیحت شاہ صاحب بھی حاضر تھے۔ (اس زمانہ میں فضیحت شاہ صاحب قبلہ کو احرام مرحمت نہیں فرمایا تھا اور نام بھی منشی ظہور علی تھا) ایک روز فضیحت شاہ صاحب نے عرض کیا کہ آج شب کو میرے دادا پیر صاحب کا عرس چشتی پور میں ہے اجازت ہو تو ہو آؤں۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

"اچھا جاؤ ایک کام اور بھی کرتے آنا۔"

لیکن اس وقت کچھ نہیں بتایا کہ وہ ایک اور کام کیا ہے نہ فضیحت شاہ صاحب کو کچھ علم ہوا اور وہ چلے گئے۔ دوسرے روز عرس میں شریک ہونے کے بعد جب فضیحت شاہ صاحب واپس تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ ان کے پیر صاحب کے صاحبزادہ

اور جانشین شاہ غیاث الدین صاحب کے ایک مرید کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ وہ بے روک ٹوک ہر پیر پیغمبر اور اولیا و انبیا کو گالیاں دیتا تھا اور اس کی زبان نہیں رکتی تھی ہر چند شاہ صاحب موصوف نے کوششیں کیں مگر اس کی حالت نہیں بدلی فضیحت شاہ صاحب نے حضور پر نور کی مقدس روحانیت کی مدد سے فوراً اس کی وہ حالت رفع کر دی جب سمجھ میں آیا کہ وہ ایک اور کام یہ تھا۔

حضور انور کا طرز تکلم اسقدر اہم تھا کہ بڑے بڑے نکتہ رس فوراً سمجھنے سے قاصر رہتے تھے اور ہر قسم کے عجیب و غریب واقعات حضور انور کے ارشادات کے متعلق آئے دن پیش آتے رہتے تھے۔

حضور انور کی تقریر کا یہ انداز بھی تھا کہ اکثر بے تعلقی سے غرضمند کے سامنے کوئی بات فرما دیتے تھے جس سے نتیجہ مرتب ہوتا تھا کہ اب کام ہو گیا۔ سید علی حامد شاہ صاحب چشتی قادری سجادہ نشین سانڈی ضلع ہردوئی تحریر فرماتے ہیں کہ مجھ سے مرزا منعم بیگ صاحب وارثی (جو مستقیم شاہ صاحب وارثیہ کے خاص اعزہ میں ہیں اور جن کے خاندان کو حضور سے قدیم خصوصیت و قربت حاصل ہے) نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں تین سو روپے کا مقروض ہو گیا کوئی صورت ادائے قرض کی پیدا نہ ہوئی قرض خواہ کا سخت تقاضا تھا میں حضور انور کی خدمت عالی میں حاضر ہوا تو میری طرف مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ "قصہ چہار درویش قرض ادا ہونے کے لیے اچھا ہے" یہ قصہ حضرت امیر خسرو کی تصنیف سے ہے انہوں نے اپنے مرشد حضرت نظام الدین محبوب الہیٰ کے زمانہ علالت میں لکھا تھا۔ جب آپ کو صحت ہوئی تو فرمایا کہ یہ قصہ جس مقصد کے لیے پڑھا جائیگا کامیابی ہوگی۔ اس قدر ارشاد فرما کر حضور انور خاموش ہو گئے۔ میں سمجھ گیا کہ میری طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ میں نے مکان پہ آکر تیسرا ختم کیا تھا کہ مجھکو تعلقہ دار صاحب کہیر نے بلا کر تین سو روپے عنایت فرمائے کہ قرض ادا کر دو۔

سید علی حامد شاہ صاحب چشتی قادری سجادہ نشین سانڈی ضلع ہردوئی کا بیان ہے کہ مرزا منعم بیگ صاحب وارثی سے واقعہ سن کر میں نے خود اس ارشاد کا

تجربہ کیا اور اپنے ایک مرید مولوی سید زین العابدین متوطن پالی کو بتایا تو قیصر سے ختم پران کا بھی قرض ادا ہوگیا۔

مولینا شائق وارثی رحمۃ اللہ علیہ تحفۃ الاصفیا میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ حضرات دیوہ شریف حضورؒ کی خدمت عالی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے چند اعزہ پر فوجداری میں مقدمہ قائم ہے اور وہ ماخوذ ہیں۔ حضورؒ انور نے ارشاد فرمایا کہ "ہم کیا کریں"۔ جب وہ اُٹھ کر چلنے لگے تو ان کے چہروں پر مایوسی کے آثار تھے آپ نے اُن کی جانب دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ:

دوستاں را کجا کنی محروم

تو کہ با دشمنان نظر داری

اس ارشاد کو سنتے ہی وہ لوگ شاد و مسرور ہو گئے اور شکر خدا بجا لائے اور مقدمات میں اُن کے کل اعزہ کی براُت ہوگئی۔

حضورؒ کے ارشادات میں اشارات زیادہ ہوتے تھے جیسے:

"خدا مالک ہے" — خدا میں سب قدرت ہے۔ "لا تقنطوا من رحمت اللہ" اور اسی طرح کے اشارات آمیز کلمات زبان مبارک سے ادا ہوتے تھے جن سے مصیبت زدوں کو اپنی کامیابی کا یقین ہو جاتا تھا۔

اکثر حضورؒ انور — آئندہ کی خبریں اس طرح ارشاد فرماتے تھے جس طرح کوئی استفسار کیا جاتا ہے جس کی مثال کے لیے جناب مولینا مولوی سید عبدالغنی صاحب قبلہ وارثی بہاری (مترجم طبقات اکبری وغیرہ) مددگار صدر محاسب سرکار عالی حیدر آباد دکن کا واقعہ درج کر دینا ہی کافی ہے۔

زمانۂ قیام بمبئی میں حضورؒ انور نے مولینا سے ارشاد فرمایا:

"عبدالغنی تمہاری ترقی ہوگئی"

مگر مولینا چونکہ اس وقت حضور پُر نور کے طرز تکلم سے واقف نہیں تھے اس لیے سادگی سے جواب دیا:

"نہیں حضور"۔

حضورِ انور خاموش ہو گئے۔

مولینائے ممدوح تحریر فرماتے ہیں کہ جب میں ۱۸۹۱ء میں مرید ہونے کے بعد حیدر آباد پہنچا تو بغیر کسی کوشش اور دوادوش کے بے شان و گمان میری تنخواہ دو سو روپے سے سوا تین سو روپے ہو گئی اور یہی تنخواہ دس بارہ سال تک ملتی رہی لیکن جس محکمہ میں میری تعیناتی تھی وہ عارضی تھا اور اس کا کام عنقریب ختم ہونے والا تھا اور اس بات کا بہت اندیشہ تھا کہ مجھے دوسرے محکمہ میں جگہ نہ ملے اور میں تخفیف میں آجاؤں اسی زمانہ میں وطن جانے کے لیے میں نے رخصت لی اور ارادہ کیا کہ حضورِ پُر نور سے قدمبوس ہوتا ہوا وطن جاؤں چنانچہ میں آستانہ فیض نشان پر پہنچا اور بعد اطلاع جب شرفِ باریابی حاصل ہوا تو پھر سوال کے لہجہ میں ارشادِ عالی ہوا :

"عبد الغنی تم نوکر ہو نا؟"

میں نے (جو اب طرزِ تکلم سے واقف ہو چکا تھا) عرض کیا کہ "ہاں حضور نوکر نوکر ہوں!"

چنانچہ وطن سے واپس آکر غیر مترقب طور پر ایسے اسباب غیب سے پیدا ہوئے کہ میں دوسرے محکمہ میں چلا گیا اور چند مہینے وہاں کام کرنے کے بعد میری تنخواہ سوا تین سو روپے سے پانچسو روپیہ ہو گئی اور اب بتدریج میری مستقل تنخواہ سات سو روپے اور قائم مقامی کی حیثیت سے آٹھ سو روپیہ ہے۔ یہ حضورِ انور ہی کا صدقہ ہے۔

حضورِ انور کے ارشادات میں خاص شانیں تھیں اور عرض حاجت کی ضرورت نہ تھی دربارِ عالی میں پہنچتے ہی مشکلیں حل ہو جاتی تھیں۔

حضورِ پرنور کی خاموشی میں بھی شانِ تکلم نمودار تھی کہ بعض اوقات سائل کا سوال ہی اس کے لیے جواب ہو جاتا تھا۔

چنانچہ ٹھاکر پنجم سنگھ صاحب وارثی رئیس ملاؤلی ضلع ہردوئی (جو ایک ذاکر و شاغل بزرگ ہیں) بیان فرماتے ہیں کہ مجھ سے قاضی بخشش علی صاحب مولف

رسالۂ وسیلۂ بخشش نے بیان کیا کہ حضورؐ انور کی خدمت عالی میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے اپنے وفورِ جوش و مسرت میں اپنے جذبات قلبی کا اظہار اس شعر میں کیا ہے:

ندارم ذوقِ رندی نے خیال پاک دامانی
مرا دیوانہ خود کن بہر رنگیکہ میدانی

حضورؐ انور نے ایک مرتبہ سن کر دو مرتبہ اور سائل ہی کی زبان سے پڑھوایا تیسری مرتبہ اس شعر کا ختم ہونا تھا کہ وہ شخص دیکھتے دیکھتے از خود رفتہ ہوگیا اور کپڑے پھاڑ کر چلا گیا۔ اور اس شعر کی پوری کیفیت اس پر طاری ہوگئی اور جیسا کہ حضورؐ انور کی عادت تھی کہ الفاظ کو تکرار کے ساتھ فرماتے۔ اسی طرح ایک مرتبہ اس نے عرض کیا اور دو مرتبہ آپؐ نے اور وہی سوال حضورؐ پرنور کی طرف سے جواب ہوگیا اس قسم کا برجستہ جواب حضورؐ سے ملتا تھا اور بعض ارشادات کا مطلب عرصہ کے بعد ظاہر ہوتا تھا اور سائل کو بروقت جواب ملتا تھا۔

حکیم محمود علی صاحب وارثی فتحپوری (جو نہایت صالح اور پابند صوم و صلوٰۃ ہیں) تحریر فرماتے ہیں ایک مرتبہ جبکہ اکثر اصحاب موجود تھے شیخ حامد علی صاحب مرحوم رئیس جگور ضلع بارہ بنکی نے جو ریاست محمود آباد کی طرف سے تحصیلدار تھے۔ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے بڑے بھائی صاحب نے جو حضورؐ انور کی غلامی کا شرف رکھتے تھے۔ ایک شخص کی معرفت جو دیوہ شریف کو جا رہا تھا حضورؐ انور کی خدمت عالی میں یہ پیغام بھیجا کہ بعد آستانہ بوسی میری طرف سے عرض کرنا کہ آپؐ کے جدِ امجد روحی فداہ صلعم نے فرمایا ہے کہ (من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ) یعنی جس نے ایک مرتبہ کلمۂ توحید پڑھا وہ جنتی ہے۔ پس مجھے اس کے معنی اور نکات اس طرح سمجھا دیجئے کہ پوری تسکین ہو جائے۔ قاصد نے آستانہ شریف پر یہ پیغام عرض کیا تو حضورؐ انور نے ارشاد فرمایا:

"دیکھا جائے گا" اور رخصت کر دیا۔

قاصد نے حضورؐ پرنور کا مختصر جواب میرے بڑے بھائی صاحب سے بیان کردیا

شیخ حامد علی صاحب بیان فرماتے تھے کہ کامل تین برس گذر جانے کے بعد جب اس بات کا خیال بھی نہ رہا تھا۔ بھائی صاحب سخت علیل ہو گئے اور ان کی حالت روز بروز ردی ہوتی جاتی تھی۔ اتفاق سے ایک عورت جگور کی رہنے والی جو قوم کی میراثن تھی دیوہ شریف میں حضور انور کی خدمت عالی میں حاضر ہوئی۔ حضور انور نے اس سے فرمایا کہ "جگور کب جاؤ گی؟"

اس نے عرض کیا کہ کل صبح کو" آپ نے فرمایا:

"اچھا حامد علی تحصیلدار کے بھائی کے پاس جانا اور ان سے کہنا کہ تم نے جو حدیث من قال لا الہ الا اللہ کے معنے پوچھے تھے اور اس کی تصدیق چاہی تھی اس کا وقت یہی ہے اب کہو تاکہ دخل الجنۃ کے مستحق ہو جاؤ۔"

شیخ حامد علی صاحب کہتے تھے کہ وہ عورت قریب شام کے میرے مکان پر پہنچی۔ بھائی صاحب کے قریب جاکر اس نے دیکھا تو دم واپسیں تھا بالکل وقت قریب تھا۔ زبان میں کسی قدر لغزش ہو چلی تھی۔ اس نے چلا کر بھائی صاحب سے کہا کہ مجھکو حضرت نے آپ کے پاس بھیجا ہے اور یہ ارشاد فرمایا ہے۔ وہ حضور انور کا یہ ارشاد سنتے ہی دفعتاً چونک پڑے اور اس روح پرور معجزنما پیام کو سن کر جو ان کے حق میں تریاق اکبر تھا کلمۂ توحید زبان پر لائے اور برابر کہنے لگے۔ اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اس قسم کے واقعات بھی حضور انور کے انداز تکلم میں ہیں جن سے بروقت جواب ملتا تھا اور حقیقی تسکین حاصل ہوتی تھی۔ آپ کے الفاظ میں مختلف شانیں ہویدا تھیں جن سے بکثرت مخلوق الٰہی فیضیاب ہوتی تھی۔

حضور کے انداز تکلم میں ایک یہ بات بھی تھی کہ مختلف لوگوں کو مختلف سوالات کا ایک ہی فقرہ میں جواب دیتے اور جامع الکلم ہونے کی شان دکھاتے تھے۔

چنانچہ مقرب بارگاہ عالی جناب شیدا میاں وارثی لکھنوی ناقل ہیں کہ میں بزم اقدس میں حاضر تھا کہ چار غلامان وارثی ایک ساتھ حاضر اور قدم بوس ہوئے۔ وہ کچھ عرض نہیں کرنے پائے تھے کہ حضور انور نے ان سے ارشاد فرمایا: "جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے اس کی مدد خدا ضرور کرتا ہے اور تم تو آج رہو گے کل چلے جانا۔"

صرف اسی قدر فرما کر ان کو رخصت کر دیا مگر وہ لوگ نہایت شاد و مسرور تھے۔ شیدا میاں فرماتے ہیں کہ ان کی مسرت بے اندازہ دیکھ کر مجھکو خیال ہوا کہ ان کی خوشی کا باعث دریافت کرنا چاہیے۔ چنانچہ میں شب کو ان کی قیام گاہ پر گیا اور مستفسر حال ہوا تو معلوم ہوا کہ ایک صاحب کا ہائی کورٹ میں مقدمہ ہے اس کی کامیابی کے لیے ملتجی تھے، دوسرے صاحب کو عقیدتاً کچھ خدشات تھے۔ تیسرے صاحب تہ بند پوش تھے ان کی خواہش تھی کہ کوئی ذکر یا شغل مجھکو تعلیم فرمایا جائے اور چوتھے نکاتِ توحید دریافت کرنا چاہتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ اس بات کی سب کو مسرت ہے۔ فیضانِ وارثی نے ہماری خواہشات کو پورا کر دیا۔

کچھ عرصہ کے بعد جب ان حضرات سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ جن کا ہائیکورٹ میں مقدمہ تھا ان کو کامیابی ہوئی، دوسرے صاحب کا خدشہ رفع ہو گیا۔ شاہ صاحب کو دیکھا تو اللہ ہو کا ذکر جاری تھا۔ اور جن کو توحید کا سمجھنا مدِ نظر تھا۔ ان کا وجودی مسلک ہمہ اوست کا دم بھر رہا تھا۔

حق یہ ہے کہ حضورؒ انور کے الفاظ کے حقیقی معنے کو پہنچنا ایک امر دشوار ہے آپؒ کی زبانِ فیض ترجمان ـــــــ سے جو بات نکلتی تھی وہ حقیقت سے بھری ہوتی تھی جس سے ظاہر ہے کہ خدائے برتر نے آپؒ کو دیگر صفات کی طرح جوامع الکلم ہونے کا کمال بھی عطا فرمایا تھا۔ مندرجہ بالا واقعات جو حضورؒ انور کے اندازِ تکلم سے متعلق ہیں اور آپؒ کے الفاظ کی صراحت میں بطورِ نمونہ لکھے گئے ہیں اگر نظرِ غائر سے دیکھا جائے تو اکثر و بیشتر مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں۔ باوجود ہر وقت کی محویت و استغراق کے آپؒ کسقدر برجستہ جواب دیتے تھے اور جواب ہی نہیں بلکہ جو بات مشاہدات سے متعلق ہوا سکا مشاہدہ اور جو تعلیم سے متعلق ہو اُسکی تعلیم۔ غرض جس کام سے متعلق جو سوال ہو اُسکا ویسا ہی جواب دیتے تھے جو قطعیتہ الدلالت ہوتا تھا۔ بظاہر تو یہ حضورؒ انور کی معمولی باتیں تھیں مگر حقیقتہً کے کلمات طیبات پر کامل غور و فکر کی ضرورت ہے۔ جن بزرگانِ عصر نے حضورؒ انور کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے وہ بخوبی واقف ہیں کہ آپؒ کی گفتگو کس قدر حقیقت آمیز ہوتی تھی اور ہر وقت کی کیا کیفیت تھی۔

حضرت مولینا شاہ سید علی حسن صاحب قبلہ اشرفی الجیلانی مسند آرائے کچھوچھہ شریف تحریر فرماتے ہیں کہ "لوگ یہ سمجھتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب قبلہ ہم سے کلام کرتے ہیں اور حضرتؒ توجہ الی اللہ تعالیٰ میں ایسے محو تھے کہ کلام کرنے والا کلام کرتا تھا ان کو خبر بھی نہ تھی"۔ حضرت اقدسؒ کی مہتمم بالشان ذات محمود الصفات کی طرح تاثیر کلام بھی بے مثل تھی جو بظاہر مختصر الفاظ تھے مگر رموزِ باطنی اور تاثیراتِ حقیقی سے بھرے ہوئے تھے۔ آپؒ کے معمولی الفاظ اگرچہ روزمرہ میں داخل ہیں مگر وہ نہایت آدق ہیں جن کا سمجھنا بھی اہل باطن ہی کا کام ہے یا ان کا جو خوش قسمتی سے ان الفاظ کے مخاطب ہوں۔ ہر شخص کا کام نہیں جو اُن کی کنہ حقیقت سے آگاہ ہو جائے۔ معانی و لغت کے اعتبار سے الفاظ میں اہمیت نہیں ہوتی تھی بلکہ خداداد جوامع الکلم اور انکشافات حقیقی سامعین کو متحیر کر دیتا تھا۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان مبارک ہونٹوں سے الفاظ ہی نہیں ادا ہوتے بلکہ آئینہ حقیقت نما دکھایا جاتا ہے۔ آپؒ کے ایک ایک لفظ میں رموزِ باطنی مخفی ہوتے تھے۔ کوئی لفظ بیکار نہیں ہوتا تھا۔ آپؒ کے الفاظ درحقیقت صرف تفسیر طلب ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ مشاہداتِ قدرتِ خداوندی پر مبنی ہوتے تھے۔ حضورؒ کے خوارق عادات و کرامات میں حقیقتاً آپؒ کے الفاظ ہی کی تشریح ہے جو اس کتاب میں دیگر مواقع پر مطالعہ سے گذریں گے۔ خدائے برتر نے حُسنِ صورت کی طرح حُسنِ کلام بھی حضورؒ انور کو لاجواب عطا فرمایا تھا جس کی تعریف الفاظ میں ادا ہونا ناممکن ہے اور سچ تو یہ ہے ؎:

تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں دفتر پیدا
ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

جس طرح آپؒ کا اندازِ تکلم ایک خاص شان رکھتا ہے اور اس میں حسنِ کلام کی دلفریبیاں مشاہداتِ قدرت کی نیرنگیاں مضمر ہوتی تھیں۔ اسی طرح آپؒ کا وہ مذاقِ تکلم جو بظاہر علوم ظاہر پر مبنی ہے خاص انداز رکھتا تھا جس سے بڑے بڑے علماء متاثر ہو جاتے تھے۔ چنانچہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضورؒ انور کے اندازِ تکلم کی وہ شان بھی دکھائی جائے جس سے علاوہ حضورؒ پرنور کی روحانی تاثیر کے علوم ظاہر کی

معلومات بھی منتقل ہو۔

شانِ تکلّم

حضورِ انور کے ابتدائی حالات کے مطالعہ سے یہ بات آفتابِ نیم روز کی طرح روشن و ہویدا ہے کہ اگرچہ آپؒ کے لیے تعلیم علوم ظاہری میں پورا اہتمام کیا گیا تھا مگر آپؒ نے کامل طور پر اس طرف توجہ نہیں فرمائی یہ صرف یہ ہے کہ آپؒ کی خداداد ذہانت کے کرشمے جو زمانۂ تعلیم میں ظہور پذیر ہوئے حیرت انگیز ہیں لیکن آپؒ کو اُس طرف کوئی خاص رجحان نہ تھا اور دل جو گذرگاہِ جلیل اکبر ہے کچھ اور ہی تعلیم دیتا تھا جس سے متاثر ہو کر آپؒ نے تعلیم علوم ظاہری کو زمانۂ طفولیت میں خیرباد کہہ دیا تھا:

عقل کو کچھ نہ ملا علم میں حیرت کے سوا
دل کو بھایا نہ کوئی رنگ محبت کے سوا

مگر یہ عجیب بات ہے کہ حضورِ انور کو علوم ظاہری سے بھی خاص مذاق تھا اور آپؒ کا کلام فیض التیام اپنی مقدس تاثیرات روحانی کی طرح علوم ظاہر کا بھی کامل و مکمل نمونہ دکھاتا ہے۔ جس سے اربابِ علم و دانش کے قلوب اکثر متاثر ہوئے ہیں۔ اور یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوگئی کہ آپؒ باعتبار علم و فضل بھی فردِ روزگار ہیں۔ کسی علم میں حضورِ انور کو خاموش نہیں دیکھا گیا۔ اپنی زبان اُردو کے علاوہ دیگر زبانوں میں بھی حضورِ انور نے اہلِ زبان سے گفتگو فرمائی ہے۔ آپؒ کی خدمتِ عالی میں حافظ، قاری، عالم سب آتے تھے اور آپؒ انہیں کے مذاق کے موافق اُن سے گفتگو فرماتے تھے۔

اگرچہ آپؒ کے مشاغل میں علاوہ تلاوتِ قرآن شریف مثنوی مولینا روم اور ملک محمد جائسی کی پدماوت اور ہنس جواہر کا مطالعہ زیادہ تر دیکھا گیا ہے مگر اکثر و بیشتر اوقات کی گفتگو سے مترشح ہوتا تھا کہ حضورِ انور تمام علوم و فنون کے ماہر کامل ہیں۔

علم القرآن میں آپؒ کو خاص عبور تھا۔ ساتوں قرأتوں سے آپؒ کلام مجید

پڑھتے تھے۔ جب کوئی قاری آتا تھا تو آپؒ مختلف قرأتوں کے فرق بتاتے تھے، اور اُن قرأتوں کے نکات سمجھاتے تھے، تراجم کے فرق ارشاد فرماتے تھے۔ مدنی اور مصری قرأتوں کا خاص مذاق رکھتے تھے۔

آپؒ اربابِ علم اور ماہرینِ فن سے ملکر نہایت خوش ہوتے تھے آیاتِ کلام پاک کی تفسیر فرماتے اور رموز و نکات سمجھاتے تھے۔ اگرچہ کلام مجید آپؒ کو اتنا اچھا یاد تھا کہ بڑے بڑے حافظوں کو آپؒ نے لقمہ دیا ہے مگر آپؒ ناظرہ خوانی کے عادی تھے مثنوی شریف اور پدماوت کے اشعار کی تشریح فرماتے اور اُن کے رموز و نکات بیان کرتے تھے۔

مولینا سید عبدالغنی صاحب قبلہ وارثی بہاری (مترجم طبقات الکبریٰ وغیرہ) تحریر فرماتے ہیں، میں نے دیکھا ہے کہ زمانۂ قیام بلجھی میں حضورؒ انور صبح کے وقت مثنوی شریف طلب فرماتے اور حاضرین میں سے جس کے حسبِ حال جو شعر ہوتا اُسی کی طرف مخاطب ہو کر اُس کے معنے بیان فرماتے تھے۔

یہ بھی حضورؒ انور کی شانِ تکلم تھی کہ مثنوی شریف کے اشعار سے حسبِ حال تعلیم ہوتی تھی۔ تصوف میں آپؒ کو انہیں کتابوں سے زیادہ تر شوق تھا۔

حضورؒ انور کو قرآن شریف سے خاص ربط تھا۔ ابتداءً جب حضورؒ انور کے جسمِ لطیف پر آثار ضعف پیری نمودار نہیں ہوئے تھے اور آپؒ محافل میلاد وغیرہ میں زیادہ شرکت فرماتے تھے تو آپؒ کو پنج آیت کا بہت شوق تھا بعد ختم میلاد پنج آیت پڑھنے کے لیے ارشاد فرماتے اور خود بھی پڑھتے تھے۔ ابتدا میں روزانہ پورا کلام مجید ختم فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ حالتِ سفر میں بھی ایک کوس میں تین پارہ کلام مجید کے پڑھتے اور دس کوس میں پورا قرآن شریف ختم فرما دیتے تھے۔

محافل وغیرہ میں پنج آیت سے حضورؒ کو بڑی دلچسپی تھی۔ ختم قرآن میں جو دھوم دھام ہوتی ہے اِس سے بہت خوش ہوتے تھے۔ شکوہ آباد وغیرہ میں جہاں حضورؒ انور کی زیادہ آمد و رفت رہتی تھی وہاں کے حفاظ و معلم اپنے شاگردوں کو لیکر خدمت عالی میں حاضر ہوتے تھے طلبا کے اُستادوں اور والدین کی تمنا ہوتی تھی کہ ختم قرآن کی رسم

حضور پرنور کے سامنے ادا ہو۔ لوگوں کا یہ عقیدہ راسخ تھا کہ حضور پرنور کے سامنے جس کے ختم قرآن کی رسم ادا ہوتی ہے اس کے ذوق شوق میں کمی نہیں ہوتی اور وہ بھولتا نہیں۔

بزرگانِ شکوہ آباد کا بیان ہے کہ حضور پرنور جب شکوہ آباد میں تشریف لاتے تو خود بھی حفاظ و معلمین سے دریافت فرماتے تھے کہ "کتنے لڑکے حافظ و ناظرہ خوان تیار ہوئے"۔

ختمِ قرآن کی رسم سے حضور انور کو ایسی دلچسپی تھی کہ اگر آپ کہیں تشریف لیجانے کو ہوتے اور اس کی وجہ سے روکنے کی درخواست کی جاتی تو آپ بخوشی منظور فرماتے تھے۔

عربی زبان میں آپ کو کامل مہارت تھی جس کا اندازہ اکثر واقعات سے ہوا ہے۔ مولینا لطافت حسین مرحوم وارثی متوطن شیخو پورہ ضلع مونگیر نے نہایت بلیغ عربی میں حضور انور کے سلسلۂ عالیہ کا شجرۂ قادریہ لکھکر جب خدمتِ عالی میں پیش کیا جس کا مطلع یہ ہے:

بُشْریٰ لِقَاطِعِ بِکَمَالِ الْاِنَابَۃِ
بِالرَّاسِ وَالْعُیُوْنِ طَرِیْقَ الْاِجَابَۃِ

تو حضور انور نے اس کو برجستہ پڑھا اور بلاغت کی تعریف فرمائی اور محاورات عرب جو نظم ہوئے ہیں ان کی داد دی اور نکات و مطالب بیان فرمائے۔

اسی طرح جب مولینا تحیرؔ وارثی نے حضور انور کا نسب نامہ عربی زبان میں نظم کیا جو قصیدۂ غوثیہ کا ہم بحر و ہم ردیف ہے جسمیں مولینا تحیر نے اپنی پوری قابلیت اور جودتِ طبع دکھائی ہے تو آپ نے اس قصیدہ کو بے تکلف پڑھا اور قصیدۂ بردہ کے بعض اشعار سے اس کے بعض محاورات کا تطابق فرمایا۔ زبان عربی میں آپ کی مہارت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ عموماً اہل عرب سے آپ انہیں کی زبان سے برجستہ کلام فرماتے تھے۔ اور یہ بھی حضور انور کا قاعدہ دیکھا گیا ہے کہ حاضرین سے مخاطب ہوکر اگر نصیحتہً کوئی تذکرہ فرماتے تو دورانِ گفتگو

میں آیتِ کلامِ الٰہی یا کسی حدیث کا حوالہ دیتے یا اہلِ عرب کا کوئی مقولہ جو اس نصیحت کا مویدہوتا تھا، اکثر ارشاد فرماتے تھے۔

حضورانور کے علم القرآن کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ چوہدری الطاف حسین صاحب رئیس راندانہ ضلع سیتاپور کے مکان پر حضور پرنور قیام پذیر تھے اور مولوی عبد الصمد صاحب جو مدرسہ دیوبند کے تعلیم یافتہ تھے کسی ضرورت سے وہاں آگئے۔ مولوی صاحب موصوف ایک شخص سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثالی میں کلام کرنے لگے اور آیہ شریف لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ کا حوالہ دیا۔

جب یہ واقعہ حضورؒ نے سنا تو مولوی صاحب سے ارشاد فرمایا:

"اس آیۂ پاک کی قرأت یہ بھی ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفَسِكُمْ لہذا اگر فا کو بالفتح پڑھیئے تو اس آیت کے معنی خلافِ مقصود آپ کے ہوں گے اور یہی آیت آپکے دعوے کے بطلان کے لیے کافی ہوگی۔"

مولوی علی احمد خان صاحب (وکیل و رئیس آگرہ) جو ایک متشرع بزرگ ہیں (اور علومِ عربی میں اچھی دستگاہ رکھتے ہیں زیادہ تر تعلیم تفسیر و حدیث و فقہ ہی کی حاصل کی ہے) تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۸۶۲ء میں ایک عزیز کی شادی کی تقریب میں میرا شکوہ آباد جانا ہوا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضورانور یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ مجھکو بھی اشتیاق زیارت ہوا اکثر اعزہ جو برات میں شامل تھے حضورؒ کی قدمبوسی و زیارت کے لیے گئے اور بغیر حصول مقصد واپس آئے اور یہ وجہ بیان کی کہ حضورِ پرنور زنانہ مکان میں تشریف رکھتے تھے وہاں مستورات کا ہجوم ہے جو آپؒ کے سامنے بے حجاب آتی ہیں۔ وجہ واپسی سننے کے بعد مجھکو جو اشتیاق و انتظار قدم بوسی تھا وہ جاتا رہا اور ایک قسم کا اکراہ محسوس ہوا۔ ۱۸۶۲ء سے ۱۸۹۵ء تک کسی قسم کا کوئی خیال میرے دل میں نہیں آیا۔ اگست یا ستمبر ۱۸۹۵ء میں حکیم امجد علی خان صاحب رئیس فیروزآباد کا ایک تار مجھکو عدالتِ دیوانی میں ملا جس میں تحریر تھا کہ حضورانور ہمارے یہاں سے تشریف لانے والے ہیں جب آگرہ تشریف لائیں تو مجھے بھی اطلاع دینا میں کچہری

میں موجود تھا کہ حکیم امجد علی خان صاحب فیروز آبادی خود تشریف لائے اور انہوں نے بیان کیا کہ حضرت صاحب شہر میں آگئے اسی وقت کی گاڑی سے اٹاوہ تشریف لے جائیں گے۔ معہ حکیم صاحب موصوف اسٹیشن پر گیا تو وہاں اندر باہر صدہا آدمیوں کا ہجوم تھا۔ گاڑی کے اندر پہنچنا دشوار تھا۔ ہم نے اوّل درجہ کا ٹکٹ خرید کیا اور اسی درجہ تک رسائی پیدا کی جس میں حضورِ انور تشریف فرما تھے۔ گاڑی میں قدم رکھتے ہی جسم و قلب میں ایک حرکت پیدا ہوئی اور خوف طاری ہوا۔ اسی حالت میں خوف زدہ خاموشی کے ساتھ بنچ کے نیچے بیٹھ گئے چہرۂ اقدس چادر سے ڈھکا ہوا تھا میں نے اور حکیم امجد علی خاں صاحب نے ڈرتے ڈرتے پائے مبارک پر ہاتھ رکھا اور آہستہ آہستہ دابنا شروع کیا۔ ہمارے پاؤں دبانے سے حضورِ انور نے دریافت فرمایا کہ کون۔ خادم نے عرض کیا کہ حکیم امجد علی خان فیروز آبادی ہیں اور حکیم صاحب نے میرا نام بتایا اور عرض کیا کہ قدمبوسی کے لیے آئے ہیں۔

حضورِ انور نے چہرۂ مبارک سے چادر علیحدہ فرمائی مجھکو پہلے حضور کی زیارت نہیں ہوئی تھی۔ میں حضورِ انور کی طرف کن انکھیوں سے نظر ڈال لیتا تھا۔ مگر پاؤں دبانے میں مصروف تھا۔ اسقدر ہمت و جرأت نہیں ہوتی تھی کہ نظر بھر کے جمالِ عدیم المثال کو دیکھ لوں۔ اسی حالت میں مجھکو ۱۸۶۲ء کا واقعۂ بدگمانی یاد آیا جس سے اور بھی دل ہی دل میں شرمندہ ہوگیا۔ حضورِ انور نے خود بخود مجھ سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا:

"ہر شخص پر پابندیٔ شریعت اور اتباعِ سنّت لازمی ہے۔"

اس کے بعد کچھ آیاتِ کلامِ پاک تلاوت فرمائیں اور احادیث جو موید شریعت ہیں ان کو بیان فرمایا اور تشریح و توضیح فرماتے رہے۔ مولینا روم رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ اشعار بھی پڑھے۔ حضورِ انور کا مختصر بیان اس قدر جامعیت اور بلاغت سے بھرا ہوا تھا کہ میں حیرت زدہ تھا اور غور کر رہا تھا کہ حضور فقیر تو ہیں ہی مگر فقیہ بھی اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ علومِ تفسیر و حدیث وغیرہ میں تبحر ہے۔ فارسی زبان میں کمال رکھتے ہیں۔ آپ فصیح و بلیغ بھی انتہا درجہ کے ہیں۔

انہیں باتوں پر خیال کرتے کرتے خیال ہوا کہ ۱۸۶۲ء میں جو بدگمانی پیدا

ہوئی تھی یہ اس کا دفعیہ ہے۔ نصف گھنٹہ میں تمامی خطرات حسن عقیدت سے بدل گئے اور قدم مبارک چھوڑنا شاق ہوگیا۔ بالآخر حضور اٹاوہ تشریف لے گئے اور میں آگرہ چلا آیا۔ آگرہ میں دو دن قیام دشوار ہوگیا۔ تیسرے دن بیتاب ہوکر اٹاوہ پہنچا اس کے بعد پھر آگرہ واپس آیا اور آگرہ سے شرفِ بیعت حاصل کرنے کے لیے دیوہ شریف روانہ ہوا۔ ۲ اکتوبر ۹۵ء سے ۱۶ اکتوبر ۹۵ء تک برابر روزانہ حاضرِ خدمتِ عالی ہوتا رہا۔ حضور انور کی قدمبوسی کوئی آسان امر نہیں تھا ہزار ہا زائرین و مشتاقین امیر و غریب صادر و وارد کا ہجوم رہتا تھا۔ آدمی پر آدمی گرتا ٹھوکریں اور دھکے کھا کر حضور کے قدموں تک رسائی نصیب ہوتی تھی۔ ۱۶ اکتوبر ۹۵ء مطابق ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ کو شرفِ غلامی نصیب ہوا۔ سبحان اللہ کیا ساعتِ سعید اور وقتِ ہمایوں تھا ہے:

خوشا وقتے و خوزم روزگارے

ارباب علم کے ساتھ حضور انور کے علمی واقعات اکثر گذرے ہیں جن سے آپ کی بدرجۂ کمال واقفیت علومِ ظاہری کا بھی پتہ چلتا ہے۔

ہر چند حضور انور نے خود کبھی کسی علم کی نسبت زبان مبارک سے ارشاد نہیں فرمایا کہ ہم نے حاصل کیا ہے۔ مگر حضور انور ہر شخص کو اس کے مذاق کے موافق جواب دیتے تھے۔

مولینا عبدالرحیم صاحب جو دہریہ مشہور تھے ان کا واقعہ ہے کہ حضور انور کے زمانہ قیام جونپور میں وہ مع اپنے شاگرد مولوی ریاض الرحمٰن صاحب کے خدمتِ عالی میں حاضر ہوئے اور بطور سوال عرض کیا کہ اگر ابلیس نے غیرِ خدا کے سجدہ سے انکار کیا تو کیا قصور کیا۔ بجائے موحد کہنے کے اُس کو شیطان اور ملعون کیوں کہتے ہیں۔ حضور انور نے ارشاد فرمایا:

"مولوی صاحب موحدین تو شیطان و رحمٰن میں فرق نہیں کرتے اور عشاق شیطان کو بُرا نہیں کہتے بلکہ واقعۂ ابلیس خاص قسم کا ایک سبق ہے لیکن شریعت کے رو سے ابلیس نے یہ غلطی ضرور کی کہ آدم کو غیر سمجھا خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ کا خیال نہ کیا۔"

مولوی صاحب یہ سنکر بیخیف ہوئے اور اطاعت وارثی ؓ کا اقرار کیا۔

اگرچہ حضورِ انور مناظرہ کو پسند نہیں فرماتے تھے مگر اکثر ارباب علمِ ظاہر اسی غرض سے بھی حاضرِ خدمتِ عالی ہوئے ہیں اور آپؒ نے ازراہِ خلقِ محمدی ان کو منع نہیں فرمایا ہے بلکہ ان کی تسلی فرمادی ہے جس سے وہ یا تو ساکت ہو کر داخلِ سلسلۂ عالیہ ہو گئے اور اگر قسمت نے یاوری نہ کی تو اپنی مخالفت کے باعث پشیمان ہوئے اور ان کو بات کرنے تک کی جرأت نہ ہوئی۔

منشی عبدالغنی خانصاحب قبلہ وارثی (سابق نائب ریاست ہونا ضلع سلطان پور) رئیس پوروہ عبدالغنی خان ضلع رائے بریلی لکھتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ دیوہ شریف میں حاضر تھا اور اکثر خدام حاضر باش موجود تھے کہ حضورِ انور کی خدمت بابرکت میں ۸ یا ۹ بجے صبح کے وقت ایک عالم آئے جو پنجاب کے رہنے والے تھے۔ ان کے ساتھ پچیس تیس طالب علم بھی تھے جو انہیں کے شاگرد تھے۔ عالم صاحب نے آتے ہی بغیر کسی اخلاقی گفتگو کے اپنے علم کے زعم میں یہ سوال کیا کہ آپؒ نے علمِ ظاہری کچھ کیوں نہ حاصل کیا کہ مسائلِ شریعت سے آگاہی ہوتی۔ آپؒ نے فرمایا:

"مولوی صاحب آپ کس علم کی بابت دریافت کرتے ہیں؟"

انہوں نے کہا کہ یہی علم عربی و فارسی وغیرہ جو رائج ہے۔

آپؒ نے فرمایا:

"مولوی صاحب اس علم کا یہی فائدہ ہے نا کہ شکم سیر ہو کر رزق مل جائے اور نفس کو سرور ہو، بس خداوند تعالیٰ میں صفتِ رزاقی موجود ہے۔ اُس کا نام رازق بھی ہے اس نام پر جس کو تصدیق ہو جائے اس کو ان علوم کی کیا حاجت ہے صرف اس کے ایک نام سے سب کام نکل سکتے ہیں۔ بس میں اس کی صفتِ رزاقی پر ایمان رکھتا ہوں اس لیے سب کو بیکار و بے فائدہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اور مولوی صاحب علم وہی حاصل کرنا چاہیئے جو مرنے کے وقت کام آئے اور وقتِ موت کلمہ زبان سے نکلے۔ اگر زبان سے کلمہ ادا نہ ہو سکا تو علم کس کام آیا۔"

اس ارشاد پر مولوی صاحب نے کہا:

"میں علمِ عربی و فارسی، فلسفہ و منطق، حدیث و تفسیر و فقہ سب سے باخبر ہوں کیا میرے مرنے کے وقت کلمہ زبان سے نہ نکلے گا؟"

حضورؒ انور نے ارشاد فرمایا:

"کچھ بعید نہ سمجھیے آپ نے اکثر سُنا ہو گا کہ دو تین دن پہلے سے بعض مریضوں کا منہ بند ہو جاتا ہے، زبان لوٹ جاتی ہے۔"

مولوی صاحب نے کہا:

"جس کا دہن بند ہو جائیگا وہ زبان کے اشارے سے کہے گا، زبان بھی بند ہو جائے گی تو دل سے کہے گا۔"

آپؒ نے فرمایا:

"اکثر لوگوں کا دل پلٹ جاتا ہے، دیوانوں کی طرح حرکتیں کرتے ہیں بعض پر ایسا سکوت طاری ہوتا ہے کہ وہ بے حس و حرکت ہو جاتے ہیں ہیبتِ مرگ ان کے حواسِ خمسہ کو غارت کر دیتی ہے اور دل بغیر امدادِ حواس مطلق جنبش نہیں کر سکتا۔ جب حواس متغیر ہیں تو دل کی یکسوئی کہاں؟"

یہ ارشادِ حضورؒ انور کا سنتے ہی مولوی صاحب کی حالت میں ایک عجیب تغیّر پیدا ہوا اور انہوں نے عمامہ سر سے اتار کر پھینک دیا۔ آپؒ کے پائے مبارک پر سر رکھ دیا اور کہنے لگے کہ بخدا جو سنتا تھا اس سے زیادہ پایا میں حضورؒ کے سامنے محض اُمّی ہوں۔ برائے خدا مجھے شرفِ غلامی سے سرفرازی بخشیں اس وقت ظاہری نہیں بلکہ میری باطنی حالت میں تغیّر ہے میرا دل گھبرا رہا ہے کہ مبادا یہی دم واپسیں نہ ہو۔

مولوی صاحب شرفِ بیعت سے مستفید ہوئے اور ساتھ ہی لباسِ فقر کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ حضورؒ انور نے احرام عطا فرمایا اور مولوی صاحب کو فقیہ سے فقیر بنایا۔ اور مولوی صاحب کے ہمراہ ان کے تین شاگردوں نے بھی لباسِ فقر زیبِ تن کیا۔ بقیہ شاگرد واپس چلے گئے۔ مولوی صاحب نے اپنے شاگردوں سے کہدیا کہ میرے اعزّہ و احباب سے کہدینا کہ صبر کریں اب دل ہاتھ

سے جا تا رہا۔ میرے قلب کی حالت پلٹ گئی۔ مولوی صاحب معہ اپنے تینوں شاگردوں کے حضورؒ کے حکم سے نیپال کی طرف چلے گئے۔ حضورِ انور کے روبرو مناظرہ و مباحثہ کی طویل گفتگو کرنے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ آپؒ صرف دو ہی تین باتوں میں تمامی امور طے فرما دیتے تھے۔ اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی صاحب مناظرہ کی غرض سے تشریف لائے مگر ہیبتِ حق سے کوئی بات ہی زبان سے ادا نہ کر سکے۔

مولوی بشیر الزماں صاحب رئیس سندیلہ ضلع ہردوئی تحریر فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت سیدنا شاہ فضل حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین شاہ منعم کنز المعرفت بیان فرماتے تھے کہ دو افغانی ہماری مسجد میں آئے جن کی وضع قطع مولویانہ تھی ایک سن رسیدہ تھے اور دوسرے متوسط عمر کے تھے یعنی ایک بڑے مولوی اور دوسرے چھوٹے مولوی کہے جا سکتے تھے۔ ان کی باتوں سے معلوم ہوا کہ حضورِ انور سے مباحثہ کرنے کی غرض سے آئے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے بے تکلفانہ و بیباکانہ کہا کہ جناب حاجی صاحبؒ تارک الصلوٰۃ ہیں۔ اس لیے اس حدیث کے مصداق ہیں مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ اور نہایت اشتداد کے ساتھ بار بار یہی الفاظ دہراتے رہے۔ ہم نے عرض کیا آپ مہمان ہیں ہم آپ سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ حضرت صاحبؒ ہمارے مرشد و پیشوا ہیں جو کچھ آپ کو کہنا ہو بالمواجہ ان سے کہئے گا۔

پس پشت کسی کو کچھ کہنا بیجا ہے اب آپ کھانا کھا لیجئے اور بعد نماز ظہر آستانۂ عالی پر چلئے اس وقت جو جی میں آئے کہئے گا۔ وہ بمشکل تمام خاموش ہوئے اور طعام و نماز سے فارغ ہو کر حاضری کا قصد ہی کر رہے تھے کہ خود حضورِ پرنورؒ تشریف لائے اور حسب عادت سلام میں سبقت فرمائی لیکن وہ دونوں صاحب دیکھتے ہی حیرت زدہ ہوئے کہ ان کے آئے حواس غائب ہو گئے ٹکٹکی باندھ کر حضورِ پرنورؒ کی صورت دیکھنے لگے اور بدحواسی میں جوابِ سلام بھی دینا بھول گئے۔

آپؒ جا کر ان کے قریب بیٹھ گئے اور ان دونوں صاحبوں کی طرف مخاطب

ہو کر فرمایا:

"علما کی بڑی شان ہے' آپ کا مکان کہاں ہے' کس کام سے تشریف لائے ہیں' اسمائے شریف کیا ہیں ؟" لیکن دونوں مثل تصویر مبہوت و ساکت تھے اور حیرت سے آپؒ کے جمالِ عدیم المثال کو دیکھ رہے تھے۔

جب انہوں نے کسی بات کا جواب ہی نہ دیا تو حضورؒ انور نے ارشاد فرمایا:

"آپؒ لوگ عالم ہیں ہماری زبان نہ سمجھتے ہوں گے"۔ چنانچہ آپؒ اُن سے عربی میں گفتگو فرمانے لگے وہ اس پر بھی بدستور ساکت و دم بخود رہے تو آپؒ نے ان کی وضع قطع سے پشتو، پنجابی، گجراتی وغیرہ کئی زبانوں میں سلسلۂ کلام شروع فرمایا مگر وہ مبہوت ہی رہے۔ بالآخر آپؒ اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"عجیب لوگ ہیں مباحثہ کرنے آئے ہیں اور کوئی بات زبان پر نہیں لاتے"۔

ان دونوں مولوی صاحبان پر ایسا سکوت طاری ہوا کہ عصر کی اذان بھی ہو گئی اور وہ خاموش ہی بیٹھے رہے۔ حضرت شاہ فضل حسین صاحب وارثی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم نے بمشکل ان کو نمازِ عصر کے لیے کھڑا کیا ورنہ وہ حیران و ششدر تھے۔ بعد نماز وہ ہمارے پاس آکر بیٹھ گئے لیکن بدستور ساکت و صامت رہے یہاں تک کہ مغرب کی اذان ہوئی اور وہ بھی سب کے ساتھ شریکِ نماز ہوئے اور بعد نمازِ مغرب خاموش مسجد میں بیٹھے رہے۔ حتیٰ کہ عشا کی بھی اذان ہو چکی تو میں نے ان کے قریب جاکر کھانے کے لیے کہا تب انہوں نے نہایت آہستہ آہستہ آواز میں جواب دیا کہ ہم کو بالکل اشتہا نہیں ہے آج شب کو کھانا نہ کھائیں گے۔ اس کے بعد وہ شریکِ نماز ہوئے اور وہ دونوں بعدِ نماز مسجد میں بیٹھے رہے۔ ہم لوگ یہ سمجھے کہ اوراد و وظائف میں مشغول ہوں گے مگر عجیب کیفیت ہوئی کہ قریب نصف شب کے مسجد سے شور و غل کی آواز آئی وہاں جاکر دیکھا تو دونوں صاحب ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں اور دونوں میں صلواتیں ہو رہی ہیں۔ بڑی دشواری سے میں نے دونوں کو علیحدہ کیا۔ ایک نے دوسرے پر نہایت قہر آلود نگاہ ڈالی

اور الگ الگ بیٹھ گئے آخر شب میں پھر جنگ ہونے لگی اور مارپیٹ کی نوبت آئی جب فجر کی اذان ہوئی تو ہم لوگ مسجد میں گئے وہاں جاکر دیکھا تو بڑے مولوی صاحب ندارد تھے اور چھوٹے مولوی صاحب نہایت خستہ و مجروح پڑے ہوئے تھے۔ ان کو اٹھایا تو وہ وضو وغیرہ کر کے نماز فجر میں شریک ہوئے ان سے دریافت کیا کہ بڑے مولوی صاحب کہاں گئے تو انہوں نے کہا خدا جانے کہاں فرار ہو گئے اب مجھکو حضرت اقدسؒ کی خدمت بابرکت میں لے چلو چنانچہ وہ حضور پُر نور کی خدمت عالی میں پہنچکر قدمبوس ہوئے اور بکمال ادب استدعائے بیعت کی حضور انور نے نہایت شفقت سے اُن کی بیعت لی چند روز حضورؒ کی خدمت میں رہ کر اپنے مکان کو راہی ہو گئے۔

بعد میں سنا گیا کہ بڑے مولوی صاحب یہاں سے فرار ہو کر فتح پور ہسوان میں پہنچے اور وہاں مسجد میں قیام کیا شب کو ان سے اور امام و مؤذن سے جوتی پذیرائی ہوئی اور وہاں سے خستہ و مجروح ہو کر کہیں بھاگ گئے خدا جانے کیا معاملہ تھا۔

اکثر علمائے ظاہر جو آپؒ سے مباحثہ کرنے آئے تو قبل اس کے کہ وہ آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوں آپؒ نے معمولی لکھے پڑھے آدمیوں کو حکم دیدیا کہ تم جاؤ اور مولوی صاحب سے مناظرہ کرو وہ اس ارشاد کو سن کر خود متحیر ہوئے اور جب مولوی صاحب اُن سے ساکت ہو گئے۔ تو انہیں اور بھی زیادہ حیرت ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ آپؒ کی ذات معدن الصفات سے علوم ظاہری و باطنی کا چشمۂ فیض جاری تھا جس سے جو کام چاہتے تھے لیتے تھے جس سے مخاطب حیران ہو جاتا تھا۔ مریدین ہی کو نہیں بلکہ دیگر سلاسل کے بزرگوں کو بھی حضورؒ انور کے اضافۂ قوت ظاہری و باطنی کا اچھی طرح علم ہے جو حضور انور کے تصرف سے اُن کی ذات میں ظاہر ہوا ہے۔

چنانچہ مولوی ناظم علی صاحب فضلی (متوطن کرسی ضلع بارہ بنکی) نائب مہتمم مدرسۂ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ اپنا واقعہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ دیوہ شریف میں حاضر خدمت ہوا کچھ اور لوگ بھی خدمتِ عالی میں حاضر تھے آپؒ نے مجھ سے مخاطب

ہوکر فرمایا:

اتنو کرسی میں کوئی عالم نہیں ہے تہیں ہو"

یہ فرما کر ایک قصیدہ عربی جس کی عبارت ایسی دقیق تھی کہ مجھ ایسے کم استعداد کو پڑھنا دشوار تھا۔ عنایت فرمایا کہ پڑھو بسم اللہ کہہ کر جو پڑھنا شروع کیا تو آخر تک خوب صحیح اور نہایت سمجھ کر پڑھا لیکن اس وقت بھی مجھ میں ایسی استعداد نہیں ہے کہ اُس قصیدہ کو پڑھ سکوں"

یہ حضورؒ انور کا اضافہ قوتِ ظاہری تھا۔ حالانکہ آپؒ کی ذاتِ اقدس کو علوم ظاہر سے قطعاً تعلق نہ تھا مگر پھر بھی اس قسم کے واقعات ظاہر ہوئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؒ کی قوتِ کاملہ جس کو ایک دولت خداداد کہنا چاہیئے ایسی تھی جس سے منطق کا بھی ناطقہ بند تھا۔ بڑے بڑے فلسفی و منطقی آپؒ کے سامنے اس طرح ساکت و دم بخود رہ جاتے تھے کہ گویا ان کے منہ میں زبان ہی نہیں ہے۔

حضورؒ انور کے مختصر الفاظ فی الحقیقت نہایت جامع ہوتے تھے اور جس قسم کا جو مسئلہ ہوتا تھا اسی قسم کا سائل کے مذاق کے موافق جواب ارشاد فرماتے تھے۔

سیدنا معروف شاہ صاحب قبلہ وارثی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؒ انور لکھنؤ میں آغا میر کی ڈیوڑھی کو شیدا میاں وارثی کے مکان پر تشریف لیے جاتے تھے میں ہمراہ تھا لب سڑک دو پادری تقریر کر رہے تھے اور صدہا ہندو مسلمانوں کا مجمع تھا۔ تقریر میں کچھ سخت الفاظ ہوں گے جس کی وجہ سے ہندو مسلمانوں میں پادری صاحبان کے خلاف جوش پیدا ہوگیا اور طول کلامی سے بڑھتے بڑھتے یہاں تک نوبت آئی کہ اس مجمع کے اکثر لوگ مشتعل ہو گئے۔ پادری صاحبان نے جو حضورؒ انور کو آتے ہوئے دیکھا تو زور سے آواز دی کہ حاجی صاحبؒ ہماری مدد فرمائیے۔ حضورؒ انور نے سید معروف شاہ صاحب سے فرمایا کہ "جلدی دیکھو کیا معاملہ ہے۔" چنانچہ سید معروف شاہ صاحب تیز رفتاری سے وہاں پہنچ گئے اور اہل مجمع کو سمجھانے لگے اتنے میں حضورِ انور بھی آ گئے آپؒ کے دریافت فرمانے پر ان لوگوں نے کہا کہ

یہ دونوں پادری حضور سید عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نامناسب الفاظ استعمال کرتے ہیں اور شرک کو توحید پر فوقیت دیتے ہیں۔ ایک پادری صاحب نے عرض کیا ہم تو صرف اپنے مذہب کی حقانیت بیان کرتے ہیں آپ ہی انصاف کریں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش قرآن شریف سے بغیر باپ کے ثابت ہے اور حضرت عیسیٰ کی نبوت کے آپ بھی قائل ہیں فطرت انسانی یہ ہے کہ بغیر باپ کے بچہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جناب مسیح خدا کے فرزند ہیں کیونکہ ان کے باپ کا نام یا ذکر کسی کتاب آسمانی میں مذکور نہیں ہے۔ پس تمام نبیوں پر ان کی عظمت و بزرگی ثابت ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

"پادری صاحب اگر بفرض محال جناب عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مان لیا جائے تو بھی ان کو دوسرے انبیا پر ترجیح نہیں ہے۔ پدرم سلطان بود سے کچھ نہیں ہوتا جب تک یہ نہ طے ہو جائے کہ باپ کے بعد ہی جانشین ہوگا پس خدا کو موت ہی نہیں ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو راج گدی نصیب ہوگی۔"

آپ کے اس ارشاد پر پادری صاحبان مثل تصویر حیران رہ گئے اور اہل مجمع کا بھی وہ جوش و خروش سرد پڑ گیا سب نے اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔

حضور انور کی وہ تقریر جو ظاہر پر مبنی ہے اسمیں بھی خاص شان ہے۔ آپ کی زبان مبارک سے اس قدر معقول جواب ادا ہوتا تھا کہ مخاطب ساکت و دم بخود رہ جاتا تھا جس سے ظاہر ہے کہ حضور انور حقائق پر غور فرماتے تھے فروعی باتوں کو نہیں دیکھتے تھے۔ آپ کے بعض علمی جوابات میں ارباب علم کو بڑی بڑی پیچیدگیاں ہو جاتی تھیں اور بالآخر بڑی تحقیق سے وہ بات کی تہہ تک پہنچتے تھے۔

چنانچہ ایک مرتبہ شاہ ظہور اشرف صاحب وارثی کے پاس ان کے ایک عزیز کا خط علاقہ گجرات سے آیا جسمیں تحریر تھا کہ یہاں دو مولویوں میں یہ بحث درپیش ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ صاحبہ کا کیا نام تھا۔ شاہ ظہور اشرف صاحب نے مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب شیدا وارثی سے کہا آپ حضور انور سے

دریافت کیجیے۔

شیدا میاں نے ایک روز موقع پاکر حضورِ انور سے یوں سلسلۂ کلام شروع کیا کہ اول دیگر انبیاء علیہم السلام کی نسبت دریافت کیا پھر یہ پوچھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا کیا نام تھا۔

آپؒ نے فرمایا — "بنتِ اُخی"

اس پر سب کو تعجب تھا کہ یہ تو عربی زبان کا لفظ ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام عبرانی زبان میں ہونا چاہیے۔ اس پر شیدا میاں کو بھی تعجب ہوا اور انہوں نے پھر حضورِ انور سے استفسار کیا کہ یہ نام کسی کتاب میں بھی ہے۔ تو آپؒ نے فرمایا:

"قرآن میں دیکھو!"

اس ارشاد پر قرآن شریف میں جہاں جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے دیکھا گیا بعض تفاسیر بھی دیکھی گئیں مگر نام نہیں ملا۔ پھر عرض کیا گیا کہ قرآن شریف میں نہیں ہے۔ آپؒ نے فرمایا:

"ہمارے قرآن میں دیکھو"

اس پر بعض صاحبوں کو اور بھی تعجب ہوا کہ ہمارے اور آپؒ کے قرآن میں بھی کچھ فرق ہے۔ مگر پھر شیدا میاں کو خیال ہوا کہ حضورِ انور کی تلاوت میں جو قرآن شریف ہے اس میں تفسیرِ حسینی بھی حاشیہ پر ہے۔ غالباً یہ اسی کی طرف اشارہ ہے چنانچہ تفسیرِ حسینی میں بائیسویں پارہ میں "خویلد" نام نکلا اس پر اور بھی حیرت ہوئی۔ حضورِ انور کے ارشادات مختصر ہوتے تھے اور صراحت سے پوچھنے کی کسی کو جراُت نہیں ہوتی تھی اس لیے شیدا میاں صاحب قبلہ کا بیان ہے کہ مولوی فخر الدین صاحب تعلقہ دار دیوہ شریف کے کتب خانہ میں جاکر ہم لوگوں نے عبرانی زبان کا لغت تلاش کیا تو ایک قلمی کتاب جو بہت پرانی تھی عبرانی لغت کی دستیاب ہوئی اس میں دیکھا تو خویلد کا عربی ترجمہ "بنتِ اُخی" لکھا ہوا تھا۔

جب سمجھ میں آیا کہ حضورِ انور نے ہم لوگوں کی معلومات کے لحاظ سے عربی کا لفظ

ارشاد فرمایا تھا۔

حضور انورؒ کے مختصر جوابات نہایت اہم ہوتے تھے اور مخاطب کو سر تسلیم خم کر لینے کے سوا کچھ بن نہیں آتا تھا۔

منشی عبدالغنی خان صاحب قبلہ وارثی سابق نائب ریاست مہونا ریس پور، وہ عبدالغنی خان ضلع رائے بریلی رقمطراز ہیں کہ مستقیم شاہ صاحبہ وارثیہ (ساکنہ فتحپور ضلع بارہ بنکی) جو ایک نہایت شریف خاندان کی خاتون تھیں اور طلب حق میں تر بند باندھ لیا تھا بارگاہ وارثیؒ میں نہایت مقبولیت رکھتی تھیں۔

کاملین وقت سے گذری ہیں جب انہوں نے اس دارِ فانی سے پردہ فرمایا تو لوگوں نے عُرس کرنا چاہا اس پر ایک بزرگ جو عالم بھی تھے نیک نیتی سے معترض ہوئے کہ مستورات کا عُرس جائز نہیں ہے، جب مولینا حضرتؒ اقدس سے ملنے آئے تو آپؒ نے فرمایا:

"مولوی صاحب آپ کو معلوم ہے کہ رُوح کو موت نہیں ہے جب عام مخلوق کی یہ حالت ہے تو اولیا اللہ کی شان میں الحدیث: اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللہ لایموتُوْنَ موجود ہے پس جو کچھ اولیا اللہ کے لیے ہوتا ہے یہ سب زندہ نذر ہے اور ہمارے نزدیک تو عورت ہو یا مرد جو طالب مولا ہے وہی مذکر ہے۔

مولوی صاحب آپ ہی بتائیے کہ مستقیم شاہ نے طلبِ مولیٰ میں سر کھولا یا طلبِ عقبیٰ میں یا طلب دنیا میں۔"

مولانا نے یہ ارشاد سُن کر تسلیم کیا کہ فی الواقع مستقیم شاہ صاحبہ کے عُرس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

آپؒ کا مختصر جواب حقیقت کا لب لباب ہوتا تھا۔ مولینا چونکہ اہل معرفت اور صاحب نسبت بھی تھے اس لیے آپؒ نے ان کی اُنہیں کے مذاق کے موافق تشفی فرمائی۔ جو شخص جس مذاق کا ہوتا تھا اس سے حضورؒ انور ویسی ہی گفتگو فرماتے تھے۔

حسین بخش و محمد بخش صاحبان ساکنان بوگ پورہ (متصل ہاتھرس ضلع علیگڑھ)

جو خاندان نقشبندیہ میں بیعت ہیں لکھتے ہیں کہ ہاتھرس میں حضورِ انور مولوی رکن عالم صاحب تحصیلدار کے مکان پر مقیم تھے۔ ہم لوگ بھی زائرین کے مجمع میں تھے۔ ہم نے دیکھا کہ آپ کی خدمتِ عالی میں چار مشہور پنڈت حاضر ہوئے ایک صاحب کا نام لیلا دھر تھا اور دوسرے صاحب کو باون جی کہتے تھے اور دو کے نام ہمیں یاد نہیں۔ یہ چاروں اپنے علوم میں کمال رکھتے تھے۔ یہ اس غرض سے آئے تھے کہ آپ کے سامنے ہماری قابلیت کا اظہار ہو گا اور کچھ مل جائے گا۔ چنانچہ آپ کی محفل میں ان چاروں پنڈتوں نے حضور کو اشلوک سنانا شروع کئے۔ لیکن عجیب لطف تھا کہ وہ جتنے اشلوک پڑھتے تھے آپ اُن سے دو چند سناتے تھے۔ وہ آپ کی واقفیت پر حیران و ششدر تھے حتیٰ کہ چاروں پنڈت عاجز آ گئے اور شرمندگی سے چلنے لگے تو آپ نے تبسّم سے ارشاد فرمایا:

"جس کے لیے آئے ہو وہ تو لیتے جاؤ!"

چنانچہ مولوی رکن عالم صاحب تحصیلدار نے چاروں پنڈتوں کو کچھ روپیہ دیا۔ چاروں پنڈت حضورؐ کے علم و فضل سے بیحد متاثر تھے اور مجمع کی عجیب کیفیت تھی۔

حضورِ انور کی وسعتِ نظر اور عبورِ حقائق اشیا کا یہ حال تھا کہ تمامی علوم و فنونِ ظاہری و باطنی پر بدرجۂ اتم حاوی معلوم ہوتے تھے۔ جس اہلِ کمال کو شرفِ حضوری حاصل ہوتا حضورِ انور اس سے اسی کے مذاق کی باتیں کرتے تھے چنانچہ حکیم محمود علی صاحب وارثی فتحپوری بروایت حکیم یعقوب بیگ صاحب وارثی خیرآبادی (حضور کے قدیم جاں نثاروں میں اور محبانِ خاص میں انکا شمار ہوتا ہے) تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ انور کی خدمتِ عالی میں بنارس کا ایک بہت بڑا پنڈت آیا جو علاوہ اپنے علومِ وید وغیرہ کے جوتش میں بھی بڑا کامل تھا وہ اپنے علوم میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ جب وہ حضورِ پرنور کی دولتِ زیارت سے مشرف ہوا تو آپ نے اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

"پنڈت جی آپ کو تو اپنے یہاں کے علوم پر بہت عبور ہے۔ یہ تو بتائیے۔

کہ پہلاد نے جس وقت اپنے عالمِ ذوق میں برم یعنے "معبودِ حقیقی" کا نام رٹنا شروع کیا اس وقت اس کا باپ جس کا نام ہرناکس تھا نہایت طیش میں آ گیا اور اپنے برخلاف بیٹے سے (جس کے طرزِ عمل سے وہ پہلے سے واقف تھا) کہنے لگا کہ خبردار میرے سامنے رام کا نام نہ لینا ورنہ اس تلوار سے تیرا سر اڑا دوں گا۔ پہلاد نے جب باپ کی بے جا مخالفت سُنی تو اس کو بھی جوش آ گیا اور اس نے حالتِ وجد میں اپنے باپ سے کہا "مجھ میں رام، تجھ میں رام، کھڑک کھم سب میں رام" یعنی مجھ میں تجھ میں تلوار اور ستون سب میں اسی خدائے واحد کا جلوہ ظاہر ہے۔ اس کے کہتے ہی ستون پھٹ گیا اور برم کی صورت شیر کے چولے میں نمودار ہوئی جس نے ہرناکس کو پارہ پارہ کر دیا۔ تو سوال یہ ہے کہ پہلاد نے مجھ، تجھ، کھڑک، کھم چار چیزوں میں برم کے جلوے کا ذکر کیا مگر صورت برم کی کھم سے یعنی ستون سے ظاہر ہوئی اور باقی تینوں چیزوں میں سے کسی میں ظاہر نہیں ہوئی۔ اس میں ستون کی کیا تخصیص تھی جبکہ وہ سب چیزوں میں موجود تھا"۔

پنڈت صاحب اس معرفت کے سوال سے پریشان ہو گئے۔ منہ پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں آپؒ کی طرف دیکھ کر رہ گئے۔ آخر مجبور ہو کر عرض کیا کہ حضورؒ میں اس کی حقیقت عرض نہیں کر سکتا۔ آپؒ ہی فرمائیں۔ میرا ناقص فہم ان مضامینِ عالی کے ادراک سے قاصر ہے۔

جب پنڈت صاحب نے اپنے عجز کا اظہار کیا تو مولائے حق شناس نے ارشاد فرمایا:

"سُنو سُنو پنڈت جی پہلاد نے مجھ میں تجھ میں کھڑک کھم چار چیزوں میں شاہدِ حقیقی کے جلوے کا اظہار کیا مگر کھم یعنی ستون پر آ کر رک گیا۔ جہاں رکا خدا وہیں سے ظاہر ہو گیا۔ انسان جس چیز کو مضبوطی سے پکڑے اور اُس پر رک جائے وہیں خدا ہے"۔

پنڈت صاحب اس ارشاد پر بیخود ہو گئے اور قدموں پر بے اختیار گر پڑا اور عرض کرنے لگے کہ واقعی جیسا سُنتا تھا اس سے ہزار حصہ حضورؒ کو زیادہ پایا،

حضور کی ایک نصیحت نے میری تمام عمر کی اکتسابِ علم کی حقیقت کھول دی۔ واقعی یہ علم، علم ہے اور اس کے سامنے سب ہیچ ہیں۔ بڑی دیر تک پنڈت صاحب اس ارشاد پر وجد کرتے رہے۔

حقیقتہً حضورِ پُر انوار کو اس ارشاد سے پنڈت صاحب کی تعلیم مدِ نظر تھی۔ حضورِ پُر نور کی محفل میں آئے دن اس قسم کے واقعات پیش آتے رہتے تھے۔ اچھے اچھے ماہرینِ فن اور اربابِ علم و فضل حضور کے فیضِ صحبت سے مستفید ہوئے ہیں۔

اکثر اوقات جب آپ اپنی موج میں ہوتے تھے تو ایسے نکات بیان فرمادیتے تھے جن کا جاننا اور سمجھنا باعتبارِ علومِ ظاہر محض ناممکن ہے۔

چنانچہ حضرت مولینا شاہ سید علی حسن صاحب اشرفی الجیلانی مسندآرائے کچھوچھہ شریف کا واقعہ ہے کہ جب جنابِ ممدوح مقام سیدن پور میں معہ اپنے چند مریدین کے درمیانِ عصر و مغرب حضورِ پُر انوار سے ملنے آئے تو دو چار منٹ کے بعد آپ نے فرمایا:

"اچھا اب پھر ملاقات ہوگی"۔ اور رخصت کرنے کیلئے کھڑے ہو گئے اور معانقہ فرمایا اس کے بعد حاضرین سے ارشاد فرمایا:

"ذرا سب باہر جائیں"۔

مولانا ممدوح خود تحریر فرماتے ہیں کہ اس وقت آپ چند باتیں اسرارِ توحید سے زبانِ مبارک پر لائے اور فرمایا:

"نفوس کو ذائقۂ موت ہے اور روح کو ذائقۂ موت نہیں ہے حق تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ یہ نہیں فرمایا كُلُّ رُوحٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ"

میں نے عرض کیا بجا ہے۔ مولینا فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کچھ ایسی باتیں ارشاد فرمائیں جن کا بیان نہیں ہو سکتا محض اسرارِ روح کے متعلق تھیں۔ مولینا چونکہ ایک عالم و فاضل اور کاملینِ وقت سے ہیں اس لیے آن سے حضور نے ان کے مذاق کے

موافق کلام کیا۔

اسی طرح حضورِ پُر نور کی خدمتِ عالی میں جن علوم کے ماہر آتے تھے آپؒ اُن کو ایک نہ ایک ایسی بات بتا دیتے تھے جو اُن کے علوم و فنون کی جان ہوتی تھی فنِ موسیقی کے اچھے اچھے ماہرین کو آپؒ نے اس فن کے متعلق خاص گر بتائے ہیں۔ علوم رمل و نجوم وغیرہ کے متعلق آپؒ نے ماہرینِ فن کو ایسے نکات سمجھائے جن سے وہ محوِ حیرت ہو گئے۔ حضورِ انور کی علوم ظاہری کی واقفیت سے بھی تعجب ہوتا تھا کہ اکابر فن آپؒ کے سامنے طفلِ مکتب نظر آتے تھے۔ گو حضورِ انور الٰہیات کے سوا تمام علوم و فنون کو محض بیکار سمجھتے تھے۔ آپؒ کا مسلک عشق و محبت پر مبنی تھا۔ اسی کو علمِ حقیقی سے تعبیر فرماتے تھے اور یہی آپؒ کا زمانۂ طفولیت سے مذاق تھا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ مردانِ خدا کا علمِ ظاہری تعلیم کا محتاج نہیں ہوتا اور نہ ان کو اس طرف رجحان ہوتا ہے۔ ؎

از فلسفہ و منطق جز عشق نہ فہمیدم
ایں دفترِ بے معنی غرقِ مئے ناب اولیٰ

مگر با ایں ہمہ اس کو خرقِ عادت کہا جائے یا کرامت کہ تمام علوم و فنونِ ظاہری پر بھی آپؒ کو کامل عبور تھا اور ان کے حقائق پر ایسی نظرِ غائر تھی جو مخاطب کو ساکت و دم بخود کر دیتی تھی۔ آپؒ کے حسنِ کلام میں باطنی خوبیوں کے علاوہ علومِ ظاہر کا بھی پورا مذاق تھا جس سے ظاہر ہے کہ حضورِ انور کی ذات مستجمع الصفات پر تو ذاتِ خداوندی تھی جس سے ہر علم اور ہر فن اپنے اپنے وقت پر ظہور پذیر ہوتے تھے۔

مذاقِ سخن

اندازِ تکلم و شانِ تکلم کے عنوان سے جو باب لکھے گئے ہیں ان کے دیکھنے سے علاوہ حضورِ انور کے حسنِ کلام و مذاقِ علوم و فنون و تصرفات فیض آیات سے مستفید ہونے کے اس مسئلہ پر خاص روشنی پڑتی ہے کہ خداوندِ عالم جسکو خوبی عطا فرماتا ہے اس کو ہر

اعتبار سے گلدستۂ قدرت بنا کر اہل علم کے رُو برو پیش کرتا ہے۔
حضورِ انور کے حُسنِ کلام میں مذاقِ سخن کا بھی حصہ ہے۔ آپ کو کلام منظوم و اشعار سے بھی خاص ربط تھا۔ آپ خوش الحان بھی تھے اور دریا کی طرح جب موج آتی تو آیاتِ کلام پاک مختلف قرأتوں سے تلاوت فرماتے تھے اور عاشقانہ غزلیں بھی پڑھتے۔ آپ کی مقدس آواز میں وہ سوز و گداز تھا کہ چشم زدن میں اوروں کے قلوب میں بھی انتہا درجہ کا سوز و گداز پیدا ہو جاتا تھا۔
اگرچہ آپ کو غزلیات و قصائد سے بہت شوق تھا مگر خود کبھی کوئی شعر موزوں نہیں فرمایا اکثر لوگوں نے بخیال برکت و عظمت اپنے کلام کو حضورِ انور کے نام نامی سے منسوب کیا مگر جب اس قسم کا کلام خدمتِ عالی میں پیش ہوا تو آپ نے منع فرمایا کہ ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔
فنِ شعر سے حضورِ انور کو ایسا مذاق تھا کہ عربی فارسی ہندی اُردو قصائد و غزلیات کو اس رغبت سے سنتے اور ان کے ہر قسم کے نکات ارشاد فرماتے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ اول درجہ کے سخن فہم ہیں اور فنِ شاعری میں کمال رکھتے ہیں۔
آپ کے پاس ایک بیاض رہتی تھی جس میں چیدہ چیدہ غزلیں اور قصائد تحریر تھے جب حضورِ انور کی خدمتِ عالی میں اس مذاق اور طبیعت کے افراد حاضر ہوتے تھے تو آپ اکثر خود اس بیاض میں سے پڑھ کر سناتے تھے۔
زبانی بھی آپ کو بہت کلام یاد تھا بیت بازی کے مشغلہ سے بہت خوش ہوتے تھے۔ بلکہ خود بھی اکثر شریک ہو جاتے تھے۔ دس دس شعرا کے مقابلے میں آپ تنہا بیٹھتے تھے اور ان کو ساکت کر دیتے تھے۔ لوگوں کو حضورِ انور کی ذہانت و حافظہ پر سخت تعجب ہوتا تھا۔ آپ پچاس پچاس اور سَو سَو شعر ایک ہی حرف پر ختم فرماتے تھے۔ جس سے لوگ عاجز آجاتے تھے۔ انہیں صحبتوں کی طرف سیدنا معروف شاہ صاحب قبلہ نے اپنے سلام میں اشارہ فرمایا ہے ؎:

یاد باد آں محفلِ اربابِ فن　　　یاد باد آں مجلسِ شعر و سخن

حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کا کلام بہت پسند تھا۔ اکثر ان کی تعریف کرتا ارشاد فرماتے تھے کہ مرید کو ایسا ہونا چاہیئے۔ پیر کے خوش کرنے کو امیر خسرو ایسی باتیں کیا کرتے تھے۔

خواجہ حافظ رحمتہ اللہ علیہ کا کلام بھی بہت مرغوبِ خاطرِ اقدس تھا۔ اکثر خوش الحانی سے اس غزل کو پڑھتے تھے ؎:

اگر آں ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ مارا
بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

مولوی خدا بخش صاحب شائقؔ قدیم مداحِ بارگاہِ وارثی کے فارسی دیوان کی اکثر غزلیں حضورِ انور کو زبانی یاد تھیں۔ مثنوی فارسی شائقؔ تقریباً پوری ازبر تھی۔ جناب شائقؔ کی فارسی غزلیں جو اکثر حضورِ انور کی زبانِ مبارک سے سنی گئی ہیں۔ ان میں سے بعض حسبِ ذیل ہیں ؎:

اگر آں ترکِ یغمائی کشد تیغِ ستم آرا
نیارو ناسپرداری کند اسکندر و دارا
درآید در مصافِ او اگر بہرام از گردوں
نمیدانم کہ بگذارد دلے برجائے خود مارا
بہ لعل و گوہر و دُرہا ندارد ہیچ تشبیہے
کجا نسبت بدندانش بود عقدِ ثریا را
زفرطِ بدگمانیہا کہ میدارم بہ دل پنہاں
نہ میخواہم کہ بیند آئینہ آں روئے زیبا را
دلم را ذوقِ عشقے کو دلے در چشم نابینا
چناں بوشم کہ بدمستی کند بدنام صہبا را
حدیثِ مطرب و مینا چہ پرسی از منِ شیدا
نہ شد مکشوف ایں نکتہ کدامی مردِ دانا را
گرفت اطرافِ عالم را محیط امروز اے شائقؔ

گر سیلِ سرشکِ تو بجوشش آورد دریارا

آہ دل دردِ لا دوا دارد — در رہِ مرگ صد دعا دارد
وارسد در حرم گہہ دلدار — ہر کہ او طالعِ رسا دارد
کرد مسدود راہِ حور و ملک — دود آہم سہ سما دارد
داد دلدار دردِ دگر مارا — او ہمہ دردرا دوا دارد
او کہ صدہا مراہم آوردہ
گرہلاک آورد روا دارد

در حیرتم چہ گویم اوصافِ زلفِ یار — خوشتر بود زنافۂ تاتار تار تار
زاہد بہ زلف و خال و خطت کرد تا نظر — کردہ است جیب و دامن و دستار تار تار
طوطے سبز بال بوقتِ تکلمش — قندے بروز لعل شکر بار بار بار
تا بر رخِ تو سبزۂ نوخیز بردمید — افتادہ است در دلِ فرخار خار خار
شائقؔ چگونہ جان بسلامت بروکہ او
دارو بجانِ او بتِ پیکار کار کار

جو متفرق اشعار حضور پُر نور کی زبانِ مبارک سے سنے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض دستیاب ہوئے ہیں جو حسبِ ذیل ہیں :-

ندارم ذوقِ رندی نے خیالِ پاک دامانی
مرا دیوانۂ خود کن بہر رنگیکہ میدانی

سپردم بتو مایۂ خویش را — تو دانی حساب کم و بیش را

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیالست و محالست و جنوں

نہ دیکھا جلوۂ جاناں صد افسوس — رہا دل ہی میں یہ ارمان صد افسوس

اس بت کے عشق میں بھی کہاں سے کہاں گیا
کاشی گیا پراگ گیا اور گیا گیا

عشق میں تیرے کوہِ غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو
عیش و نشاطِ زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

اگر آں ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ مارا
بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

چو آہنگ رفتن کند جانِ پاک — چہ بر تخت مردن چہ بر روئے خاک
نکردند پیراہنِ عمر چاک — کشیدند سر در گریبانِ خاک

جناب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے تذکرہ پر اکثر اس شعر کو فرماتے تھے :

تن او را غلاف نور کردند — بہرِ عالم بشر مشہور کردند

مندرجہ بالا اشعار کے علاوہ اکثر و بیشتر اشعار حضور پر نور کو زبانی یاد تھے۔ حضورؒ جب اپنی زبانِ مبارک سے اشعار سناتے تھے تو اہلِ بزم پر عجیب حالت طاری ہوتی تھی۔ جس کا اندازہ انہیں قلوب کو ہے جن میں اس مبارک آواز کی مقدس تاثیرات نے لحنِ داؤدی کا کام کیا ہے۔ حضورِ انورؒ چونکہ عشق و محبت کی مجسم تصویر تھے اور عاشقانہ جذبات زیادہ تر اشعار میں پائے جاتے ہیں۔ اس لیے آپؒ کو اشعار سے خاص ربط تھا۔

یہ عجیب بات ہے کہ حضورِ انورؒ کے حالاتِ فیض آیات میں اربابِ علم نے جس قدر کتابیں لکھی ہیں ان میں زیادہ حصہ منظوم ہے۔

صدہا دیوان، غزلیں، قصیدے، مثنویاں، رباعیاں، مخمس، مسدس عربی و فارسی و اردو و ہندی حضورؒ کے مدح و حالات میں لکھے گئے جو ملک میں شائع ہو کر مقبولِ عام ہوئے۔

نثر میں جو کتابیں آپؒ کے حالات میں تالیف ہوئی ہیں وہ معدودے چند ہیں۔ اور جو منظوم تصنیفات کے مقابلہ میں عشرِ عشیر بھی نہیں ہیں۔

اس سے بظاہر بجز اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ حضورؒ کا مسلک عشق و محبت پر مبنی تھا۔ اس لیے اہلِ ارادت و محبت اپنے کلامِ منظوم سے حضورؒ

کی توجہ عالی کو اپنی طرف منعطف کراتے تھے۔ چنانچہ اسی امر کی طرف فروغ وارثی شاہجہاں پوری (تلمیذ امیر مینائی لکھنوی) نے یکجا فروغ میں اشارہ کیا ہے :-

حاضر حضور میں شعرائے دیار ہیں — مداح حضرتِ شہ عالی وقار ہیں
خمسے اگر ہیں سو تو قصیدے ہزار ہیں — ایک ان میں عبد آلِ شہِ نامدار ہیں

ان میں ہیں دو شرف کہ حکیم و فقیہ ہیں
یکتا ہیں وہ کہ آپ ہی اپنی نظیر ہیں

ہر ایک ان میں فرد ہے ہر ایک انتخاب — ہر ایک بے مثال ہے ہر ایک لاجواب
کہتی ہے جنکو خلق مکانِ سخن کا باب — کرتے ہیں یہ خیال کہ موزوں میانِ خواب

مضمون نظم کرتے ہیں وہ اپنے حال میں
گذرے نہ انوری کے جو خواب و خیال میں

شیدا کے ہر کلام کی وہ بے مثالیاں — وہ شاہِ بے نظیر کی نازک خیالیاں
میٹھی ہیں جنکی قندِ مکرر سے گالیاں — اور اس فروغ خستہ کی یہ بیکمالیاں

کس فن کا کس ہنر کا یہاں آدمی نہیں
دولت تو لٹ رہی ہے مگر کچھ کمی نہیں

آپ کی محفل میں غزل گوئی و قصیدہ خوانی کا زیادہ چرچا تھا۔ اسی پیرائے میں عرض حال ہوتا تھا۔ اسوقت کا سماں عجیب دلآویز ہوتا تھا۔ مداحوں کا جمگھٹ۔ اہلِ ذوق و محبت کی رقت، محفل کا رنگِ وحدت۔ حضورؒ کا نیچی نظر کئے ہوئے سُننا۔ یہ سب منظرِ دل کر وہ عالم پیدا کرتے تھے جن سے عرصہ تک اہلِ محفل متاثر رہتے تھے۔ عشق و محبت کی نہریں جاری تھیں شفقت و رحمت کے دریا موجزن تھے۔ حاجتمندوں اور مشتاقوں کی بھیڑ رہتی تھی۔ آہ اب وہ پیارا سماں عالمِ خیال میں بھی نہیں ہے :

کیسی بڑی سرکار تھی کیسا بھرا دربار تھا

منزلِ عشق

حضورِ انورؒ اپنی منزل کو منزلِ عشق فرمایا کرتے تھے۔ بروایات بزرگان متقدمین

یہ بات محقق ہے کہ حضورِ انور بچپن سے بادۂ عشق سے سرشار تھے کھیل بھی تھا تو محبت ہی کا تھا اور عادات و اطوار سے اسی منزل کا ظہور ہوتا تھا کوہ بیابان کی سیر مرغوبِ خاطرِ اقدس تھی۔ عاشقانہ غزلیں ہر وقت زبان مبارک پر رہتی تھیں۔ صاحب تحفۃ الاصفیا نے لکھا ہے کہ عالمِ طفولیت میں جب حضورِ انور کے رُوبرو مدینہ طیبہ کا کوئی شخص نام لیتا تھا تو آپ ایک نعرہ مار کر بے ہوش ہوجایا کرتے تھے۔

آپؒ کی ظاہری حالتوں سے بھی کمالِ عشق کا پتہ چلتا تھا۔ بیشتر اوقات آپؒ کی آنکھیں ڈبڈبائی رہتی تھیں۔ چہرۂ انور کا رنگ متغیر رہتا تھا۔ کلام نہایت مختصر فرماتے تھے کسی وقت حضورِ پُر انور کو سوتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ غذا کی جو حالت تھی وہ ظاہر ہے کہ نہ ہونے کے برابر تھی۔ سامانِ عیش و نشاط سے قطعی متنفر تھا۔ توکل و استغنا تسلیم و رضا میں انتہا درجہ کا انہاک تھا۔ ہمیشہ ایک عالمِ سکوت رہتا تھا۔ دشت نوردی بادیہ پیمائی و برہنہ پائی سے سروکار تھا۔

حضورِ انور کے نعلین ترک فرما دینے کا بظاہر تو یہ واقعہ پیش آیا کہ جب آپؒ کم عمری میں اجمیر شریف تشریف لے گئے اور حضورِ خواجۂ خواجگان سلطان الہند غریب نواز کے مزارِ مبارک پر جانے لگے تو نعلین کو ایک رومال میں لپیٹ لیا یہ دیکھ کر ایک آزاد فقیر نے کہا کہ میاں صاحبزادے کیا یہ چپاتیاں ہیں؟ آپ نے لپٹے ہوئے نعلین اس کی طرف پھینک دیئے اور فرمایا:

"اگر چپاتیاں ہیں تو یہ لو کام آئیں گی"

اس روز سے کبھی آپؒ نے جوتے نہیں پہنے۔ واقعہ تو اسی قدر تھا جو ترکِ نعلین کا باعث ہوا مگر فی الحقیقت یہ برہنہ پائی منزلِ عشق کی جادہ پیمائی کے لیے تھی ؎:

پابرہنہ جو تراب ست رواں در پئے او
غیرِ مجنوں کہ کند قدر تپے پائی را

حضورِ انور کی ذات بابرکات عشق کا ایک مکمل نمونہ تھی۔ آپؒ کو دنیا کے

کسی کام سے مطلق رغبت نہ تھی۔ نہ کسی انتظام سے سروکار تھا، تمام اسباب سے قطعی بے تعلقی تھی۔ ہر وقت محویت و استغراق میں رہتے تھے۔ جس کا اثر حاضرین پر بھی بدرجۂ غایت پڑتا تھا اور حضور انور کی خدمتِ عالی میں پہونچتے پہونچتے زائرین حواس باختہ وازخود رفتہ ہو جاتے تھے اور کامل تصدیق ہوتی تھی ۔

دِل گواہ ست کہ در پردہ دل آرائے ہست
ہستیٔ قطرہ دلیل ست کہ دریائے ہست

حضور انور کی ذاتِ محمود الصفات میں جو تاثیر عشق تھی وہ قیامت کا اثر رکھتی تھی آپؒ کو دیکھتے ہی جذباتِ عشق قلب میں موجزن ہونے لگتے تھے۔ بے اختیار گریہ طاری اور دل قابو سے باہر ہو جاتا تھا اور اعلیٰ قدر مراتب عشق کی تاثیرات ہر شخص کے ساتھ اپنا کام کر کے رہتی تھیں۔ کوئی مجنوں ہو جاتا تھا کوئی وارفتہ اور کوئی عقل سلیم کے ساتھ اثراتِ محبت قلب میں لے کے پلٹتا تھا دولتِ محبت سے دامنِ دل کو کوئی خالی لیکے نہیں آتا تھا۔

چنانچہ آپؒ کے دیکھنے والے خاص طور پر اس نعمت سے بہرہ مند ہیں حضورؒ کے عادات واطوار حرکات وسکنات سب میں عشق کا ظہور تھا۔

آپؒ کی بات بات میں عشق و محبت کے نکات ادا ہوتے تھے۔ عشق و محبت پر جو امر مبنی ہو وہ گویا عین طبع لطیف کے مطابق تھا۔ حضرت کو عشق میں اس درجہ انہماک تھا کہ خلافِ محبت کوئی بات سننا گوارا نہیں فرماتے تھے۔ آپؒ تمام امور پر محبت ہی کو ترجیح دیتے تھے اور یہی آپؒ کی تعلیم و ہدایت تھی۔

مولانا شائق وارثی رحمتہ اللہ علیہ تحفتہ الاصفیا میں لکھتے ہیں کہ سید عبدالعلی صاحب رضوی نگرامی متشرع تھے ان سے اور قاضی عبدالکریم صاحب بریلوی سے زیادہ مراسم تھے۔ قاضی صاحب کے معتقدین کا دستور تھا کہ وہ بکمال ذوق و شوق محفل میلاد شریف ترتیب دیا کرتے تھے اور قاضی صاحب آداب واحترام کے ساتھ قیام کرتے مگر سید عبدالعلی صاحب قیام کے خلاف تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ مشرکوں کا طریقہ ہے۔

چنانچہ قاضی صاحب اور سیّد صاحب سے اس بارے میں اکثر مباحثے رہا کرتے تھے۔ ربیع الاول ۱۲۸۲ھ کا واقعہ ہے کہ قصبۂ نگرام میں جابجا محافل میلاد شریف کا چرچا تھا اسی زمانہ میں حضورِ انور بھی نگرام پہنچے۔ آپؒ کی تشریف آوری پر سیّد عبد العلی صاحب اور قاضی عبد الکریم صاحب کو خیال پیدا ہوا کہ حضورِ انور سے اس مسئلہ میں استفسار کرنا چاہیئے۔

چنانچہ دونوں آپؒ کی خدمتِ عالی میں آئے۔ آپؒ نے خود بخود سیّد عبد العلی صاحب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

"میر صاحب! عاشق جو کچھ معشوق کی نسبت کہے وہ بجا و درست ہے اور جو تعظیم کرے وہ زیبا ہے۔ میر صاحب یہ تو بتائیے کہ جو شخص دربار میں نہ داخل ہوا ہو وہ درباریوں کے آداب سے کیا واقف ہو سکتا ہے۔ علم اور چیز ہے عشق اور چیز ہے اگرچہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی بے انتہا فضیلت بیان فرمائی ہے مگر مکتبِ عشق میں اسی کو حجاب اکبر بھی فرمایا ہے اکثر علماؑ کے اقوال جہلا کے لیے شہد کی مثال ہوتے ہیں مگر عاشقوں کے لیے سم قاتل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ مولینا روم نے اس تنبیہ کو جو موسیٰ علیہ السلام کو ہوئی تھی گلہ بان کی حکایت میں اس طرح لکھا ہے:

موسیا آدابِ داناں دیگرند — سوختہ جان و رواناں دیگرند
تو برائے وصل کردن آمدی — نے برائے فصل کردن آمدی
در حقِ او مدح در حقِ تو ذم — در حقِ او شہد و در حقِ تو سم
در حقِ او نور در حقِ تو نار — در حقِ او ورد و در حقِ تو خار

حضورِ انور کے اس ارشاد فیض بنیاد سے سید عبد العلی صاحب کو کامل تسکین ہوگئی اور پھر کوئی سوال انہوں نے نہیں کیا چونکہ میلاد شریف کی محفل اہلِ محبّت کے لیے عین ایمان ہے اور بعض علما کے نزدیک یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس لیے حضورِ انور نے حقیقتِ اصلی کا انکشاف فرمایا کیونکہ آپؒ کی نگاہ حقیقت آگاہ میں محبت کے برابر کسی چیز کی ہستی نہیں تھی۔ آپؒ کی بات بات میں عشق و محبت

ہی کی تعلیم تھی آپؒ کی ملفوظات بھی اسی تعلیم کا آئینہ ہیں۔ مگر اس موقع پر صرف ان ارشادات کا ذکر کیا جاتا ہے جو صاف و صریح طور پر عشق سے متعلق ہیں جن سے یہ بات کلی طور پر متحقق ہو گی کہ حضورؒ انور کی نظر فیض اثر میں عشق کی کیا منزلت تھی۔ اور آپؒ کے نزدیک کمالِ عشق کیا تھا۔ عشق اور حقیقت سے متعلق حضورؒ انور کے ارشاداتِ طیبات لکھنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک واقعہ درج کر دیا جائے۔ جس سے واضح ہو کہ حضورؒ انور کی اصطلاح میں عشق کیا ہے۔

مولینا شائق وارثی رحمتہ اللہ علیہ تحفتہ الاصفیا میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضورؒ انور لکھنؤ میں رونق افروز تھے ایک طالبِ ہدایت خدمتِ عالی میں حاضر ہوا اور اسنے عرض کیا کہ میری تمام عمر آوارگی و سیہ کاری میں بسر ہوئی اب میں متمنی ہوں کہ مجھکو کچھ نصیحت فرمائیے۔ آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ

"عشق و محبت کا سبق پڑھو"

اس نے سادگی سے عرض کیا "عشق و محبت ہی میں اب تک بسر ہوئی ہے۔ مگر اِس میں دنیا و عقبیٰ دونوں کا ضرر معلوم ہوتا ہے۔۔۔ آپؒ نے فرمایا:

"تم عشق کی حقیقت سے بے خبر ہو"

اس نے عرض کیا کہ میں خود حیران ہوں۔ آپؒ نے فرمایا:

"عشق تین حرفوں سے مرکب ہے ع۔ ش۔ ق۔۔۔۔۔

ع عبادت الٰہی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ش۔ شرع شریف کے تمامی شرائط ادا کرنے کی تاکید کرتا ہے ق قربانی کی رغبت دلاتا ہے کہ اپنے نفس کو سچے ذوق و شوق سے قربان کردو۔"

عشق ایک بے نظیر معشوق ہے اور محبوب کی محبت کے اثرات اس میں کیمیا کی خاصیت رکھتے ہیں جس کو معشوق چاہتا ہے عشق کی زنجیر میں جکڑ دیتا ہے۔ مولینا روم فرماتے ہیں ؎

ملتِ عشق از ہمہ ملت جدا ست — عشق اصطرلاب اسرارِ خدا ست

من چہ سازم عشق را شرح و بیان — کے شناسد عشق را جز عاشقان ،

عشق آں نہ بود کہ بر مردم بود | ایں فساد از خوردن گندم بود
عشقہائے کز پئے رنگے بود | عشق نہ بود عاقبت ننگے بود
عشق آں بگزیں کہ جملہ اولیاءؒ | یافتند از فیض او کار و کیا
گرچہ تفسیر زباں روشنگرست | لیک عشق بے زباں روشن ترست
آفتاب آمد دلیل آفتاب | گر دلیلت باید از وے رو متاب

ان اشعار کو پڑھنے کے بعد حضورؒ انور نے ارشاد فرمایا:

"تم حضرت مخدوم بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی ملفوظات دیکھو اس میں لکھا ہے کہ ایک دن رابعہ بصریؒ کی محفل میں حضرت حسن بصریؒ مالک دینار اور شفیق بلخی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین رونق افروز تھے حضرت رابعہ بصریؒ نے استفسار فرمایا کہ کمالِ عشق کس کو کہتے ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اگر معشوق عاشق کو بلا میں گرفتار کرے تو عاشق کو چاہیئے کہ استقلال کے ساتھ جان دے دے۔

حضرت مالک دینار نے فرمایا کہ عاشق جفائے معشوق کا اثر محسوس نہ کرے۔

حضرت شفیق بلخی نے فرمایا کہ اگر معشوق عاشق کے ٹکڑے کر دے تو بھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے اور عشق سے منہ نہ پھیرے۔

حضرت رابعہ بصری نے فرمایا:

"عاشق وہ ہے جو اپنی ہستی سے گذر جائے مُردہ ہو جائے، خود کو زندوں میں شمار نہ کرے۔

عاشق کی ابتدا میں عینؔ ہے اور شرع کے آخر میں عینؔ ہے۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جو کوئی شرع کے درجات کو آخر تک طے نہ کرے وہ عشق میں کمال حاصل نہیں کر سکتا کمالِ عشق یہ ہے کہ عاشق سے معشوق ہو جائے۔ عاشق وہی ہے جو ذاتِ معشوق میں محو ہو جائے۔"

حضورؒ انور کی اس تقریرِ پُر تاثیر سے اس طالبِ ہدایت کی اور تمام حاضرین کی عجیب کیفیت ہوئی آپؒ نے اس طالبِ ہدایت سے ارشاد فرمایا:

"کچھ دنوں مردانِ خدا کی صحبت اختیار کرو۔"

عشق و محبت کی تعلیم سے بھی حضورؒ انور کو خاص مذاق تھا اکثر یہ شعر زبانِ مبارک سے ارشاد فرماتے تھے ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

ارشادات متعلق بہ عشق

حقیقتِ عشق کے متعلق جو حضورؒ انور کے ارشادات ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ فی الواقع اس منزل میں ثابت قدم رہنا ہر شخص کا کام نہیں ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں :

" عاشقی ایک ملامت ہے۔ انسان دین و دنیا سے گذر جاتا ہے اور فراق میں مرجاتا ہے اُسی فراق میں تو مزہ ہے ورنہ پھر کچھ نہیں معشوق کا ترسانا اور حجاب و عتاب کرنا ہی تو رحم و فضل ہے اس کے سوا کچھ نہیں معرفت کوئی کسبی چیز نہیں ہے محض وہبی ہے جس کو خداوند کریم اپنی معرفت بخشے کسی کا اجارہ نہیں "

خود ہی اس کی توضیح فرماتے ہیں کہ عاشق کون ہے۔ ہونے کو تو ہزاروں عشق کا دم بھرتے ہیں مگر فی الواقع جو عاشق کہلائے جانے کا مستحق ہے اس میں کیا صفاتِ عاشقی ہونا ضروری ہیں چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں :

" جس نے جان کو قربان نہ کیا وہ عاشق نہیں لیلیٰ کے ہزاروں اور یوسف کے لاکھوں چاہنے والے تھے مگر یہ مجنوں اور زلیخا ہی کا حصہ تھا پس جس کا حصہ ہوتا ہے وہی پاتا ہے "

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ :

" علم اور چیز ہے اور عشق اور چیز۔ جہاں عشق آجائے وہاں علم و عقل کا کام نہیں رہتا "

عشق حقیقی میں انسان کو کیا ملتا ہے اور اس میں کن دشواریوں سے سابقہ

پھٹتا ہے اس پر نہایت مختصر الفاظ میں ارشاد فرماتے ہیں :
عشق میں ترک ہی ترک ہے ۔ ترکِ دنیا ترکِ عقبیٰ ترکِ مولا ترک ترک ، اور اپنا آپ فراق ہے ۔"
حضور انور کے ایک ارشاد سے یہ مسئلہ حل ہوتا ہے کہ عاشق و معشوق میں کوئی تفاوت نہیں رہتا وہ حقیقتہً اپنا ہی فراق ہوتا ہے جس سے عاشق کو کام پڑتا ہے ۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں ۔
" منزلِ عشق میں ذات صفات ہو جاتی ہے اور صفت ذات ۔"
مشق ابتدائی کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں :
" خیال میں صورتِ معشوق کی نقش کرنا چاہیئے جو صورت نقش ہو گئی وہی بعد مرگ بھی قائم رہتی ہے بلکہ اُسی کے ساتھ اُس کا حشر ہوتا ہے ۔"
حضور انور کا ایک دوسرا قول بھی اسی کے مطابق ہے ۔ ارشاد فرماتے ہیں :
" عاشق جس خیال میں مرتا ہے وہی خیال اس کا حشر و نشر قیامت و دوزخ و بہشت ہے بلکہ کثرتِ جذبِ عشق میں خود ہی ہو جاتا ہے جسکو عشق و محبت نہیں وہ اس کو نہیں سمجھ سکتا اور نہ اس راہ میں چل سکتا ہے ۔"
عشق الٰہی کی خاص کیفیتیں ہیں ، ہر شخص کا کام نہیں جو ان کا متحمل ہو سکے چنانچہ عشق کی رفتار کو حضور انور مختصر طور پر ارشاد فرماتے ہیں ۔
" عشق کی الٹی چال ہے جس کو پیار کرتا ہے اسی کو جلاتا ہے ۔ جس کو پیار نہیں کرتا اس کی باگ ڈھیلی کر دیتا ہے ۔"
عشق علمِ اکتسابی نہیں ہے جو کتابوں سے حاصل ہو سکے بلکہ یہ ایک نعمتِ خداداد ہے جس کو قسامِ ازل نے قلبِ مضطر عطا فرمایا ہے اُسی کا حصہ ہے ۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں :
" زبانی پڑھنا لکھنا اور ہے اور دل سے محبت اور ہے ، زبانی پڑھنے لکھنے سے کچھ نہیں ہوتا محبت عجیب چیز ہے ۔"

عاشقانِ الٰہی کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ کسی چیز کو نظرِ غیر سے نہیں دیکھتے انکو ہر یک چیز میں جلوۂ معشوق نظر آتا ہے۔ چنانچہ حضورِ پرنور کا ارشاد ہے:

"مذہبِ عشق میں کفر اسلام ہے۔"

اسی کے مطابق ایک دوسرا ارشاد ہے:

"محبت میں کفر اسلام سے غرض نہیں۔ اس میں شریعت کو کچھ دخل نہیں۔"

اہلِ تصوف کے بعض الفاظ بادی النظر میں اہلِ ظواہر کو کریہ معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقتہً وہ ایسے نہیں ہوتے ان کی اصطلاحیں جداگانہ ہوتی ہیں۔ اربابِ ظاہر اُن الفاظ کے ظاہری معنی لیتے ہیں اور انہیں معنوں پر حکم لگا دیتے ہیں اور قائل کے منکر ہو جاتے اور اس کو کافر و زندیق قرار دیتے ہیں۔

یہ منزل بھی عشاق میں خلافِ عشق نہیں سمجھی جاتی۔ بلکہ یہ منزلِ تسلیم و رضا پوری ہوتی ہے۔ چنانچہ حضورِ انور ارشاد فرماتے ہیں:

"جو کچھ عاشق معشوق کی نسبت کہے وہ بجا و درست ہے اور جو کچھ تعظیم کرے وہ سزاوار ہے۔ جو عاشق کی نسبت معشوق کہے وہ مقامِ رضا و تسلیم ہے عاشق کو چارہ نہیں۔"

اسی مضمون کا ایک دوسرا قول بھی حضورِ انور کا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

"عاشق اپنے معشوق کی جو تعریف کرے وہ سب درست ہے وہ گنہگار نہیں نہ اُس پر عذاب و ثواب ہے۔ لیلیٰ را بچشمِ مجنوں باید دید بس دوسرا وہ آنکھ نہیں پا سکتا۔ حضرت موسیٰ نے اُس چرواہے کو اپنی شریعت کی رُو سے منع کیا تھا سو ناپسند ہوا اور اس کا وہی خلافِ شرع کرنا پسند ہوا۔ اس کو دل سے تعلق ہے۔"

حضورِ پرنور عاشق کی حالت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

"لا الٰہ الا اللہ زبانی کہنا اور ضرب لگانا اور بات ہے بے دیکھے کسی چیز کا خیال محال ہے، دیکھ کے عاشق ہونا ممکن ہے۔ اور جب کوئی کسی کا عاشق ہوتا ہے تو اس کی کوئی سانس معشوق کی یاد سے خالی نہیں جاتی۔ عاشق کی سانس بلا

کسب و ذکر عبادت ہے۔ عاشق غافل نہیں سمجھا جا سکتا۔ عاشق کی یہی نماز ہے اور یہی روزہ ہے۔"

عاشق اسی عالم میں جمال یار کو دیکھتا ہے اسی لیے ارشاد ہوتا ہے کہ بے دیکھے کسی چیز کا خیال محال ہے۔ دیکھ کے عاشق ہونا ممکن ہے۔ حضور انور کا ایک اور ارشاد بھی اس کا موئد ہے فرماتے ہیں:

"جس نے یہاں نہیں دیکھا وہ اندھا ہے۔"

عشق میں اُمیدیں اور خواہشیں سب مٹ جاتی ہیں۔ کوئی بات کسی غرض پر مبنی نہیں ہوتی چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

"عاشق کا دین و دنیا دونوں خراب۔"

ارشادات مندرجہ صدر کے علاوہ حضور انور کی زبان مبارک سے وقتاً فوقتاً عشق کے بارے میں جو جملے سرزد ہوئے ہیں تبرکاً لکھتے جاتے ہیں جو عشاق کے لیے رہبر حقیقی اور طالبان خدا کے لیے سبق آموزِ عشق ہیں۔ اگرچہ بعض ارشادات مندرجہ بالا ارشادات سے بالکل مطابق ہیں مگر چونکہ وہ حضور انور کی زبانِ مبارک سے ادا ہوئے ہیں اور حلاوتِ زبان سے بھرے ہوئے ہیں اس لیے ان کو قندِ مکرر تصور کرنا چاہیے۔

۱ ۔ "عشق، وہبی ہے جو کسب سے حاصل نہیں ہوتا۔"
۲ ۔ "عشق میں انتظام نہیں۔"
۳ ۔ "عاشق کا مرید بے ایمان نہیں مرتا۔"
۴ ۔ "عاشق وہ ہے جس کی ایک سانس بھی یادِ مطلوب سے خالی نہ جائے۔"
۵ ۔ "محبت میں ادب و بے ادبی کا فرق نہیں ہے۔"
۶ ۔ "عاشق کو خدا معشوق کی صورت میں ملتا ہے۔"
۷ ۔ "محبت وہ چیز ہے جس کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔"
۸ ۔ "محبت ہے تو ہم ہزار کوس پر تمہارے ساتھ ہیں۔"
۹ ۔ "محبت میں بے ادبی بھی عین ادب ہے۔"

۱۰۔ "محبت عین ایمان ہے۔"

۱۱۔ "فقیر کم مشائخ زیادہ ہوتے ہیں چونکہ منزل عشق سخت دشوار گذار ہے۔ اس لیے طالب اس راستہ کو کم پسند کرتے ہیں۔"

۱۲۔ "جو ہم سے محبت کرے ہمارا ہے منزلِ عشق میں خلافت نہیں ہوتی۔"

۱۳۔ "جس کو سب شیطان کہتے ہیں اس راہ میں دوست بن جاتا ہے دشمنی نہیں کر سکتا۔"

۱۴۔ "محبت میں انتظام نہیں جہاں محبت نہیں وہاں انتظام ہے۔"

۱۵۔ "عاشق کے مرید کا انجام خراب نہیں ہوتا۔"

۱۶۔ "عاشق کے خیال پر دین و دنیا کا انتظام ہے۔"

۱۷۔ "اگر عاشق کی زبان سے کوئی بات غلط نکل جائے تو اس کو بھی خدا سچ کر دیتا ہے۔"

۱۸۔ "عاشق کا گوشت درندوں پر حرام ہے اس پر نہ سانپ کا زہر اثر کر سکتا ہے اور نہ شیر کھا سکتا ہے۔"

۱۹۔ "محبت کرو کسب سے کچھ نہیں ہوتا۔"

۲۰۔ "محبت ہے تو سب کچھ ہے محبت نہیں تو کچھ نہیں۔"

۲۱۔ "جو کچھ ہے لگاؤ ہے باقی جھگڑا دکھلانے کی چیز ہے۔ اگر لگاؤ نہیں تو خاک نہیں دنیاداری دوکانداری ہے۔"

توحید

حضورِ انور کی ذاتِ محمود الصفات ایک آئینۂ وحدت تھی۔ بظاہر جو شانِ توحید نظر آتی تھی وہ یہ تھی کہ آپ کی ہر بات میں ہر وضع میں، اخلاق میں عادات و اطوار میں سب میں یکرنگی تھی اور جو شخص خدمتِ عالی میں حاضر ہوتا وہ رنگِ وحدت میں مستغرق ہو جاتا تھا۔ حضورِ انور کے ارشادات سے ثابت ہوتا ہے کہ کمالِ عشق بھی درجۂ توحید ہے اور جو عشق میں کامل و اکمل ہوتا ہے وہی توحید میں بھی فرد ہوتا ہے۔ حضورِ انور کے

ارشاداتِ عشق سے یہ بات تو بیّن طور پر نمایاں ہوگئی کہ منزلِ عشق میں ذات و صفات ایک ہو جاتے ہیں۔ عاشق کا کمال عشق یہی ہے کہ وہ خود معشوق ہو جائے۔ جب عاشق معشوق کی ذات میں فنا ہو گیا تو عاشق عین معشوق ہو گیا۔ جو شے ازل دوست ہے وہ اپنی ہے اور یہیں سے توحید کا ظہور ہے۔ حقیقتہً عشق و توحید لازم و ملزوم ہیں۔ عاشقِ کامل ہی موحد کامل ہو سکتا ہے جو ہر ایک ذرہ میں معشوق کے سوا کچھ نہیں دیکھتا۔

حضورِ انور کی توحید میں یہاں تک استغراق تھا کہ زبان مبارک سے جو الفاظ ادا ہوتے تھے یا جو حرکات و سکنات آپؒ سے سرزد ہوتے تھے ان سب سے اسرارِ توحید منکشف ہوتے تھے۔

منشی عبدالغنی خان صاحب قبلہ وارثی (سابق نائب ریاست مھونا) رئیس پورہ عبدالغنی خان ضلع رائے بریلی تحریر فرماتے ہیں کہ میرے مکان پر حضورِ انور تشریف لانے والے تھے۔ جو حصّہ مکان حضورِ انور کے قیام کے لیے مخصوص کیا گیا تھا میں اس کے آراستہ کرنے میں مصروف تھا۔ ایک خادمہ سے کچھ غلطی ہو گئی جس پر میں نے غصّہ سے اس کے منہ پر طمانچہ مار دیا۔ اُس کی آنکھ پر ضرب آگئی اور وہ رونے لگی۔ میں دوسرے دن حضورِ انور کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضورِ انور کو لینے آیا ہوں تو آپؒ نے ارشاد فرمایا:

"ہماری آنکھ میں چوٹ لگ گئی ہے ہم نہیں جا سکتے۔"

منشی عبدالغنی خان صاحب قبلہ وارثی کا بیان ہے کہ میں نے ہر چند اصرار کیا مگر جب آپؒ نے فرمایا تو یہی فرمایا کہ "ہماری آنکھ میں چوٹ لگ گئی ہے، ہم نہیں جا سکتے۔"

بالآخر میں مجبور ہو کر چلا آیا اور دوسرے سال حضورِ انور تشریف لائے۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ استغراقِ توحید کس کا نام ہے۔ حضورِ انور کی ذاتِ فیض آیات سے نسبتِ عشق کی طرح نسبتِ توحید بھی کمال کے ساتھ جاری تھی۔ فنا فی الوحدت کا ہر وقت ظہور تھا۔ جو بات زبانِ مبارک سے ارشاد ہوتی تھی اسمیں

بھی رنگ وحدت ہوتا تھا۔ یہ اکثر مریدین و معتقدین ہی سے نہیں بلکہ دیگر بزرگوں سے بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے :

" ہم اور تم ایک ہیں نا ؟ "

اور حقیقتہً حضورِ انور کا اخلاق، آپؒ کے عادات وصفات آپؒ کی توحید کے شاہد عادل ہیں جن کا ذکر اپنے اپنے موقع پر ہوگا۔ آپؒ کی فنائیت اور عینیت یہاں تک تھی کہ مدت العمر آپؒ نے زبانِ مبارک سے اپنا نام نہیں لیا اور نہ کبھی قلم سے تحریر فرمایا۔ جس سے اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے کہ بیخودی و ازخود رفتگی میں کسی بات سے سروکار نہیں رہتا اور یہی وہ حالت ہے جو معراج عشق اور کمالِ استغراقِ توحید ہے۔ کہ انسان اپنی ہستی سے عملاً اور اصولاً گذر جائے ؎ :

رفت او ز میاں ہمیں خدا ماند خدا

اَلْفَقْرُ اِذَا تَمَّ هُوَ اللهُ ایں ست

آپؒ نے اپنے نفس سے اس درجہ قطع تعلق فرمالیا تھا کہ اپنے نام و نشان تک کو قائم نہیں رکھا تھا۔ جس کتاب میں جس غزل یا قصیدہ میں جس خط میں اپنا نام ملاحظہ فرماتے اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ آپؒ کی نگاہِ حق آگاہ میں خدا کے سوا کوئی چیز نہیں تھی اور ہر ایک چیز میں مشاہدۂ یار تھا۔ آپؒ کے جو موحدانہ اقوال ہیں وہ بھی آپ کی وحدانیت کا ایک بین نمونہ پیش کرتے ہیں جن میں سے بعض جو حاصل ہوئے ہیں لکھے جاتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں :

" ہمارے یہاں مجوسی عیسائی سب مذہب والے برابر ہیں۔ کوئی برا نہیں۔ خدا آسمان پر نہیں ہے۔ ہم تم میں چھپ کر سب کو دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ بس ایک صورت پکڑ لے۔ خدا مل جائے گا۔ آسمان پر کیا ہے۔ "

اس ارشاد پر حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی نے حضورِ انور کی طرف اشارہ کر کے عرض کیا کہ " یہی صورت پکڑ لے " فرمایا " نہیں کوئی صورت ہو جب سب ایک ہیں تو یہ اور وہ کیا سب میں خدا ہے کوئی صورت ہو۔ "

حضور انور کے اس ارشاد سے فنا عن الخلق اور عینیت صاف طور پر نمایاں ہے ۔ علاوہ ازیں مسئلہ توحید کی حقیقت بھی فہم میں آتی ہے ۔ کمال توحید یہی ہے کہ ہر شے میں خدا ہی خدا نظر آئے جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہے :

وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوْ اَنَّکُمْ اَدْلَیْتُمْ بِحَبْلٍ اِلَی الْاَرْضِ السُّفْلٰی لَھَبَطَ عَلَی اللّٰہِ ۝ ثُمَّ قَرَءَ عَلَیْہِ السَّلَامُ ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝

(ترجمہ) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے کہ اگر تم ڈول کو رسّی میں باندھ کر سب سے نیچے کی زمین پر ڈالو تو وہ اللہ ہی پر پڑے گا (آیت شریف) وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے)

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ خدا آسمان ہی پر نہیں ہے بلکہ ہر جگہ ہے ؎

چشم بکشا کہ جلوۂ دلدار متجلی ست از در و دیوار

یہ امر مسلم ہے کہ انسان کی ذات میں جیسا ظہورِ خداوندی ہے ایسا کسی شے میں نہیں ہے اسی وجہ سے یہ اشرف الخلق ہے جیسا کہ حضرت سیدنا غوث الثقلینؓ کے الہامات میں ہے کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے جیسا میرا ظہور انسان کی ذات میں ہے ویسا کسی میں نہیں ہے ۔

حضرت مولینا ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ خداوند عالم کو جب اپنی صفات کا ظاہر کرنا منظور ہوا تو عالم کو عرصۂ ظہور میں لایا اور جب اپنا ظہور منظور ہوا تو آدم کی تخلیق فرمائی ۔

اس سے ظاہر ہے کہ تمام عالم میں اگر اظہارِ صفات ہے تو انسان میں ظہورِ ذات ہے ؎

اے زاہد ظاہر بیں از قرب چہ می پرسی
او در من و من در وے چوں بو بہ گلاب اندر

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ خداوند کریم قیامت کے دن اپنے بندوں سے مخاطب ہو کر سوال کرے گا کہ بنی آدم میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی وہ تعجب سے معذرت کرے گا کہ تیری کوئی کیا عیادت کر سکتا ہے تو ارشاد ہوگا کہ میرے فلاں بندہ کی اگر تو عیادت کرتا تو وہ میری ہی عیادت ہوتی کیونکہ میں اُس کے پاس ہی تھا۔ اسی طرح اپنے بندوں کی بھوک پیاس اور دیگر تکلیفات کو اپنی ذات سے منسوب کر کے سوال کرے گا۔

پس صاف ثابت ہے کہ خدا سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے اور انسان کی ذات میں جو ظہور خداوندی ہے وہ کسی شے میں نہیں ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ "خدا آسمان پر نہیں ہے ہم تم میں چھپ کر سب کو دھوکے میں ڈال دیا ہے بس ایک صورت کو پکڑ لے خدا مل جائے گا" ؎

در دیدہ عیاں تو بودی و من غافل
در سینہ نہاں تو بودی و من غافل
از جملہ جہاں نشان ترا می جستم
خود جملہ جہاں تو بودی و من غافل

رباعی

بامنؐ بودے منت نمیدانستم	بامن بودے منت نمیدانستم
رفتہ زمیان و منت دانستم	تامن بودے منت نمیدانستم

رباعی

معشوقؐ عیاں بود نے دانستم	بامابہ میاں بود نے دانستم
گفتم بطلب مگر بجائے برسم	خود تفرقہ خواں بود نے دانستم

توحید کے مسائل بجائے خود نہایت نازک و اہم ہیں۔ موحد کی نگاہ میں

ہر ایک اچھی بُری چیز ایک ہی حیثیت رکھتی ہے مگر یہ عجیب چیز ہے کہ جب فنا عنِ الخلق میں خیر و شر دونوں شامل ہیں پھر خیر ہی کو انسان اپنی جانب منسوب کرتا ہے۔ اس پر ارشاد فرماتے ہیں:

"انا الحق سب پکارتے ہیں اور فنا فی اللہ بھی ہونے کو موجود ہیں مگر انا الشیطان یا انا الیزید کوئی نہیں بولتا یہ بات مشکل ہے"۔

حضورِ پُرنور کے اس ارشاد کے بظاہر تو یہ توجیہہ سمجھ میں آتی ہے کہ اسمِ ذات اللہ ہے اور اس کے سوا سب اسمائے صفات ہیں۔ ذات و صفات کو آفتاب اور اس کی شعاعوں کی مثال سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح آفتاب کو اس حالت میں جبکہ اس کی شعاعیں نمودار نہ ہوں دیکھ لینا آسان ہے مگر جب اس کی کرنیں عالم پر پرتو فگن ہوں تو اس کی طرف نظر جما کر دیکھنا دشوار ہے اسی طرح ذاتِ الٰہی کو پردۂ ذات میں دیکھ لینا آسان ہے مگر پردۂ صفات میں اس کا نظارہ مشکل ہے۔ اس لیے کہ وہاں شانِ قہاری کی تجلّی بھی نمایاں ہے اور جلال بھی ظاہر ہے۔ سالک راہِ سلوک میں اگر حجاباتِ صفات کو اٹھانا شروع کرتا ہے تو ذات تک رسائی حاصل کرنے کے لیے مدتِ مدید درکار ہوتی ہے اور اس کے علاوہ راہ دشوار گذار بھی ہے۔ ہاں اگر اوّل ہی ذات کی طرف رجوع ہو تو مقامات کو طے کرنے کے بعد فنا فی الذات کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے اور یہی مقامِ گفتنی انا الحق و انا اللہ ہے۔

حجاباتِ صفات کو اٹھا کر ذات تک پہنچنے میں عارفانِ باللہ کے نزدیک بسا اوقات رسائی مشکل ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے حضورِ پرنور کا ارشاد ہے کہ اس کے مقامات کو طے کرنا اور علیحدہ علیحدہ صفات میں جنکا ظہور یزید و شیطان میں بھی ہے اپنے آپ کو فنا کرنا اور کلمات انا الیزید و انا الشیطان بولنا امر دشوار ہے کیونکہ صوفیائے کرام کے نزدیک اسمائے الٰہی دو اقسام پر منقسم ہیں جمالی و جلالی۔ پس ارشاد عالی کا یہ مطلب فہم میں آتا ہے کہ صفاتِ

جمالی میں فنا ہونا اور ان تجلیات کا نظارہ کرنا آسان ہے مگر صفاتِ جلالی کی برداشت امر دشوار ہے اسی لیے ارشاد ہوتا ہے :

"انا الحق سب پکارتے ہیں اور فنا فی اللہ بھی ہونے کو موجود ہیں مگر انا الشیطان یا انا الیزید کوئی نہیں بولتا یہ بات مشکل ہے۔"

حضور انور کے ارشادات نہایت اہم ہیں۔ آپ کی تمام ملفوظات میں عشق و توحید تصدیق و یقین ہی کی تعلیمات بھری ہوئی ہیں۔ جن کی تشریح کے لیے دفتر چاہیئے۔ حضور انور کی نگاہِ حق آگاہ میں خدا کے سوا کوئی چیز نہیں تھی یہی آپ کی تعلیم تھی۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں :

"مسجد، مندر، گرجا میں جہاں جائے سوائے ایک شان کے اور کچھ نہ دیکھے۔"

یہ جوہر حقیقت ہے کہ ذاتِ واجب الوجود کے سوا ہر ایک چیز کی نفی ہو جائے۔ کیونکہ حقیقتہً وہی ایک صورت ہے جو کعبہ و دیر میں جلوہ فگن ہے وہی ایک شکل ہے جس کا عالم و آدم میں ظہور ہے۔ جیساکہ مولوی سیّد غنی حیدر صاحب قبلہ وارثی (رئیس گیا) فرماتے ہیں ؎

غیرِ حق نیست در وجود اصلا	کے شود ضد و ندّا د پیدا
کلمۂ لا الٰہ الا اللہ	ہست برہان بہ نفی غیر اللہ
وحدتش ہست جلوہ گر ہر آن	لیک الآن ہست او کما کان
گر تو خواہی رہی ز این و آں	کُلَّ یومٍ بگو ھُوَ فی شان
بہر تقدیس و نیز تنزیہش	نفی تشبیہ کن و تمثیلش

حق یہ ہے کہ موحدین کی نگاہ میں مسجد ہو یا مندر یا گرجا کوئی جگہ ہو سب میں ایک ہی جلوہ عالم افروز ہے ؎

در کون و مکاں نیست عیاں جز یک نور
ظاہر شدہ آں نور بہ انواعِ ظہور ،

حق نور و تنوّع ظہور شش عالم
توحید ہمیں ست و دگر وہم و غرور

عشق و توحید کا جو منظر بارگاہ عالی میں نظر آتا تھا وہ یادگار زمانہ ہے تمامی مذاہب کے افراد اس ایک صورت پر فریفتہ و شیفتہ نظر آتے تھے آپ کی بات بات میں نکاتِ عشق و توحید ادا ہوتے تھے۔ عجیب حالت تھی اور عجیب وحدت تھی۔ حضور پُرنور جو متخلق باخلاق اللہ تھے۔ آپ کی نظر میں سب ایک تھے کوئی تفریق نہ تھی ؂:

عاشق و عشق و بت و بتگر و عیاری ست
کعبہ و دیر و مساجد ہمہ جا یاریکی ست
گر در آئے بہ چمن وحدت یکرنگی بیں
کہ دراں عاشق و معشوق و گل و خاریکی ست

تصدیق

عشق و توحید کی طرح تصدیق کی بھی حضور پُرنور خاص تعلیم فرماتے تھے جس سے علم و عمل کی نسبت اشارہ ہے کہ جو بات زبان سے نکالی جائے وہ تصدیق سے بھری ہوئی ہو۔ قول و فعل ایک ہونا چاہیئے۔ حضور پُرنور کی یہ شانِ تصدیق تھی کہ جو لوگ کسی خیال سے شک و وہم میں مبتلا ہوتے آپ ان کو تصدیق کرا دیتے تھے اور آنکھوں سے دکھا دیتے تھے۔ چنانچہ یہ بات مشہور ہے کہ حضور پُرنور توہمات و خدشات کا جواب نہیں دیتے تھے مشاہدہ کرا دیتے تھے۔ جیسا کہ اکثر واقعات سے ظاہر ہوگا۔ حضور پُرنور کے جو ارشادات طیبات ہیں ان سے بھی اس مسئلہ پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ تصدیق ہر شخص کا حصہ نہیں ہے۔ جس کو خداوند تعالیٰ یہ نعمت عطا فرمائے۔ اس کا فضل و کرم ہے۔ چنانچہ حضور پُرنور نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ:

۱۔ "مدینہ شریف کے راستے میں ایک مولوی صاحب بار بار کہتے تھے

کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ دوپہر کو جب ہوا گرم ہوئی تو مولوی صاحب گھبرائے، پانی بھی ان کے پاس ختم ہو چکا تھا اس وقت ہم نے کہا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ مولوی صاحب خفا ہو گئے۔ بس زبان سے کہنا اور بات ہے اور دل سے تصدیق اور بات ہے۔"

۲۔ ایک مرتبہ فرمایا "مکہ معظمہ میں ایک مولوی صاحب نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ کا وعظ بہت کہا کرتے تھے اُن کے پاس ایک معمولی سی فرد تھی، اس میں سردی معلوم ہوئی۔ ہمارے پاس دو کمل تھے وہ شب کو ایک کمل مانگنے کے لیے ہمارے پاس آئے۔ ہم نے کہا نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ سے نہیں مانگتے۔"

اس کے بعد فرمایا:

"زبانی جمع خرچ سے کچھ نہیں ہوتا جب تک دلی تصدیق نہ ہو۔"

بعض دیگر ارشادات تصدیق سے متعلق جو حضورؒ انور کی زبان فیض ترجمان سے سُنے گئے حسب ذیل ہیں۔

۱۔ "تصدیق ہزاروں میں ایک کو ہوتی ہے ہر شخص کا حصہ نہیں پھر اس کی بھی کئی صورتیں ہیں زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلتا۔"

۲۔ "اپنے میں جو سانس چلتی ہے یہی ذات ہے بس تصدیق مشکل ہے۔"

۳۔ "وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ جو اس کو سمجھ گیا تصدیق ہو گئی۔"

۴۔ "آدمی جب تک عشق میں کافر نہیں ہوتا مسلمان نہیں ہوتا۔ صاحبِ توحید ہونا آسان مگر صاحبِ تصدیق ہونا مشکل ہے۔"

۵۔ "جس کو یہاں تصدیق نہیں وہ کعبہ جا کر کیا کرے گا وہاں جا کر سوائے پتھر کے اور کیا دیکھے گا۔ خدا تو ہر جگہ ہے کعبہ تو صرف جہت ہے۔"

۶۔ ”صحبت سے کچھ حاصل نہیں جب تک دلی تصدیق نہ ہو۔“

۷۔ ”نماز روزہ اور ہے تصدیق اور ہے اگرچہ تصدیق مانع صلوٰۃ نہیں مگر حالت ضرور قابلِ لحاظ ہے۔“

۸۔ ”کتابیں پڑھنے سے کچھ حاصل نہیں ہے تصدیق اور چیز ہے۔“

حضورِ انور کے ارشادات طیبات سے ظاہر ہے کہ تصدیق وہ چیز ہے جو جو بغیر مرشدِ کامل حاصل نہیں ہو سکتی۔

یہ وہ علم نہیں جو کتابوں میں ہو اور درس و تدریس سے حاصل ہو سکے تصدیق کی مختلف صورتیں ہیں۔ صاحب سبع سنابل فوائدُ السالکین سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں شیخ یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص بیعت کی غرض سے حاضر ہوا اور شیخ یوسف چشتیؒ کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا آپ پر اس وقت کیفیت طاری تھی فرمانے لگے کہ اگر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ چشتی رَسُوْلَ اللّٰہِ کہو تو مرید کر سکتا ہوں وہ شخص راسخ العقیدہ اور مردِ صادق تھا۔ اُس نے فوراً یہ کلمہ پڑھا۔ حضرت شیخ یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے مرید کر کے فرمایا کہ میں کیا ہوں اور کیا ہو سکتا ہوں ایک غلامِ غلامانِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یہ کلمہ امتحانِ تصدیق کے لیے کہلوایا تھا۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مادۂ تصدیق کا پیدا ہونا بھی خدا کے فضل و کرم پر منحصر ہے۔ ہر شخص میں یہ اہلیت نہیں ہوتی اور نہ یہ علم کتاب میں ہے جو اکتساب سے حاصل ہو جائے۔ کیونکہ اجلّۂ علمائے کرام اور مجتہدین ذوالاحترام اس میں اہلِ باطن کے محتاج رہے ہیں اور انہوں نے صداقت سے اعتراف کیا ہے کہ یہ حصّہ خاص عارفان باللہ کا ہے۔ چنانچہ امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے کہ آپؒ حضرت بشر حافیؒ کی صحبت میں زیادہ رہا کرتے تھے۔ آپؒ کے شاگردوں اور معتقدوں نے سوال کیا کہ آپؒ عالم ہیں، محدث ہیں، مجتہد ہیں۔ اس پر تعجب ہے کہ ایک مجنوں اور از خود رفتہ درویش سے اس قدر ربط

پیدا کر رکھا ہے جو زیب نہیں دیتا۔ حضرت حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جن علوم کے تم نے نام لیے میں اس سے زیادہ جانتا ہوں مگر حضرت بشر حافی رہ مجھ سے کہیں زیادہ خدا کو جانتے ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عالم تھا کہ حالتِ ذوق و شوق میں حضرت بشر حافی رہ کے ساتھ ساتھ پھرا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ مجھ سے میرے خدا کی باتیں فرمائیے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام عالم کا علم میرے علم کو نہیں پہنچا اور میرا علم صوفیوں کے علم تک نہیں پہنچ سکا۔ اور صوفیوں کا علم اُن کے پیر کی ایک بات تک نہیں پہنچ سکا۔

حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا اور آیات و احادیث و اقوالِ بزرگانِ دین بیان کرتا رہا دیر تک یہ صحبت قائم رہی۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ یہ رات بھی کسقدر مبارک رات ہے کہ اچھے اچھے ذکر و اذکار ہوتے رہے۔ یقیناً ایسا جلسہ تنہائی سے بہتر ہے۔ حضرت فضیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اس خیال میں رہے کہ کہاں سے ایسی بات لاؤں جو میں خوش ہو جاؤں، میں اس فکر میں رہا کہ کہاں سے ایسا جواب دوں جو تم کو پسند آ جائے۔ ایک دوسرے کے خیال میں خدا سے غافل رہا۔ بس میرے نزدیک خلوت میں خدا سے لو لگانا بہتر ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کا قول ہے کہ جس کو تاویلات کی طرف زیادہ رجوع دیکھو سمجھ لو کہ اُسے کچھ نہیں آتا۔ میں ایسے شخص کا غلام ہوں جس نے مجھے ایک حرف ادب سے تعلیم کیا ہے۔

ان بیانات سے صاف ظاہر ہے کہ علوم ظاہر ماہیتِ حقیقت کی رہنمائی نہیں کر سکتے۔ تصدیق وہ جوہر خاص ہے جو علم سفینہ میں نہیں ہے۔

یہ انہیں کو حاصل ہوتا ہے جو منزلِ عشق کی رہنمائی کا شرف رکھتے ہیں۔ ؎

درکنز و ہدایا نہ تواں یافت خدارا
در مصحفِ دل بیں کہ بیاضے بہ ازیں نیست

حق یہ ہے کہ تصدیق کتابوں سے حاصل نہیں ہوتی یہ راز علوم سینہ سے متعلق ہے اور عارفان باللہ ہی اس کے معلم حقیقی ہیں ؎ :

آں علم کہ در مدرسہ حاصل کردے
کارے دگرست و عشق کاری دگرست

یقین

حضورؒ انور کی ذات منبع حسنات سے عشق و توحید و تصدیق کی طرح یقین کی نسبت بھی کمال کے ساتھ جاری تھی جس کے باطنی اثرات کا احاطہ تحریر میں لانا تو امر محال ہے، مگر بظاہر جو ارشادات و ہدایات تھے ان سے بھی یہ بات پورے طور پر معلوم ہوتی ہے کہ حضورؒ انور کو مسئلہ یقین میں کس درجہ انہماک تھا اور کیسی اس کی تعلیم مدِ نظر تھی۔

منشی عبدالغنی خانصاحب قبلہ وارثی (سابق نائب ریاست مہونا) رئیس پوردہ غنی خان ضلع رائے بریلی تحریر فرماتے ہیں کہ عالم شباب میں یہ تو آپؒ کا مشغلہ ہی تھا کہ چھری اور کٹار منگا کر اس کا لوہا انگشتِ مبارک سے ملاحظہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے حضورؒ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے ایک نہایت عمدہ بھجالی کی قسم کی چھری منگائی۔ آپؒ نے اس کی نہایت تیز دھار کو بھی انگشت مبارک سے ملاحظہ فرمایا اور تعریف فرمائی۔ مجھے تعجب تھا کہ آپؒ کس قدر بے تکلف ایسی تیز دھار پر انگشتِ مبارک پھیرتے ہیں۔ اس کے بعد آپؒ ایک خاص انداز سے اٹھے اور ایک درخت پر وار کیا۔ اس کی شاخ کٹ گئی۔ پھر بھجالی کو لیے ہوئے میری طرف مخاطب ہوئے، میں نے سر تسلیم خم کر دیا اور عرض کیا کہ حاضر ہے۔ حضورؒ انور نے زیرِ لب تبسم فرما کر ارشاد فرمایا:

"جو خود مرا ہو اس کا کیا مارنا۔"

میں نے پائے مبارک پر سر رکھ دیا اور عرض کیا "الحمد للہ کہ درجۂ فنا قبولیت میں ہے۔"

آپ بستر پر رونق افروز ہوئے۔ اُس وقت حضورؒ انور نہایت شاد و مسرور تھے اور دریائے شفقت موجزن تھا ارشاد فرمایا:

"عاشق کا محبوب کی یاد میں دم نکلتا ہے اور بعدِ مرگ عاشق اپنے معشوق کی صورت میں ہوتا ہے۔ عاشق کو کسی سے واسطہ نہیں ہوتا جس سے عشق ہے وہی اس کے لیے سب کچھ ہے اکثر عشق کی راہ چلنے والوں نے کہا ہے جیسے ملک محمد جائسی کا قول ہے سے:

جا کے ہاتھ ہوی اس کی لی   سو راجہ اور تا کی دِتی

اس کے بعد ارشاد فرمایا:

"معشوق کے ملنے نہ ملنے سے دنیا میں واسطہ نہ رکھے جو دل میں سما گیا اس پر قائم رہے بے غرض و مطلب جو محبت ہے وہ ایک آتشِ جگر سوز ہے۔ جس کو عشق کہتے ہیں یہ ایک بے اختیار چیز ہے اس کی کوئی تدبیر نہیں ہے نہ کسب سے اس کو تعلق ہے۔ یہ ایک آگ جس کے دل میں پیدا ہوئی بدن چھوڑنے کے وقت اس کی صورت معشوق کی ہوگی۔ نَحْنُ اَقْرَبُ سمجھ چکے ہو کہ خدا سب میں ہے غور کرو اور یاد رکھو کہ اقرار و قبولیت کے دو کلمے جو مرد و عورت کے مابین ہوتے ہیں اس اقرار کا عورت اتنا اعتماد کرتی ہے کہ مرد ہزار کوس پر بھی سمندر کے پار ہوتا ہے تو بھی اپنی بیوی کو نہیں بھولتا۔ اُس کی طرف دل لگا رہتا ہے۔ جس صورت سے ممکن ہو اس کی خبر لیتا ہے۔ صرف چند الفاظ اقرار و قبولیت پر وہ عورت تمہاری کہلاتی ہے اور تم اس کے شوہر کہلاتے ہو۔ ایک ساعت کے لیے تم دونوں ایک دوسرے سے غافل نہیں ہوتے۔ پھر بھلا غور کرو کہ جس خدائے مختارِ کُل نے بمصداق خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ اپنی صورت پہ تم کو بنایا اور روزِ ازل اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کا خود اقرار کیا اور تم نے بھی جواب میں "بَلٰی" کہکر اقرار کیا اب تم میں اُس نسبت کے سوا جو حقیقی اور پوشیدہ ہے یعنی رازِ توحید اس اقرار پر اتنا تو بھروسہ ہونا چاہیئے جتنا عورت اپنے شوہر پر کرتی ہے۔ اور حاضر و غائب اس کو اپنا جانتی ہے دیکھ کس قدر وسیع اور بلند درجہ ہے کہ خدائے قدیر نے

اپنی صورت ہم کو دکھلائی اور خود ہی رب ہونے کا اقرار کیا اور تم نے بھی بندگی کا اقرار کیا اپنا نام رزاق بھی رکھا پھر بھی تم کو شک ہے اور یقین کلی نہیں ہے اتنا بھروسہ بھی نہیں جتنا ایک عورت کو اپنے شوہر پر ہوتا ہے۔"

منشی عبدالغنی صاحب وارثی کا بیان ہے کہ حضورؒ انور کی اس تقریر پُر تاثیر سے تمام حاضرین کی عجیب حالت ہوئی سب کے بے اختیار اشک جاری اور سب پر عالم بیخودی طاری تھا۔

حضورؒ انور کے اس ارشادِ فیض بنیاد سے ثابت ہوتا ہے مسئلہ یقین میں کسقدر عمیق نظر رکھتے تھے۔ آپؒ کے مقدس الفاظ دلنشین ہونے کے علاوہ خاص تعلیمات سے مملو ہیں جیسے تصدیق و یقین توکل و استغنا اعتماد و محبت وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح یقین کے بارے میں حضورؒ انور کے جو ارشادات ہیں وہ دستور العمل ہیں جن میں سے بعض حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ "یقین اعتقاد کی رُوح ہے۔ جس میں یقین کی کمی ہے اس میں اعتقاد کی کمی ہے۔"

۲۔ "جن کی نظر دوست پر ہے ان کا کوئی دشمن نہیں ہے۔"

۳۔ "خدا پر بھروسہ کرو تو وہ خود تمہارا سامان کرتا ہے (اور اکثر اسی کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا ہے) اگر کوئی اپنی تدبیر کرتا ہے تو وہ علیحدہ کھڑے ہو کر سیر دیکھتے ہیں اور پھر کچھ نہیں ہوتا۔"

۴۔ "ہزار کوس سے خاوند اپنی جورو کی فکر رکھتا ہے (دل کی جانب اشارہ فرما کر) اور جو تمہارے اندر ہیں وہ نہیں فکر کریں گے۔"

۵۔ "جس کے دل میں یہ رہے کہ دیکھئے یہ کام ہو کہ نہ ہو وہ کام نہیں ہوتا کیونکہ وہ دبدھا میں پڑا ہے، نہیں بلکہ ضرور ہوگا۔"

یہ کس قدر زبردست یقین کی تعلیم ہے خدا سے کسی حالت میں نا اُمید نہیں ہونا چاہئے چنانچہ کلام پاک میں ہے؛ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ۝ (اور کون نا امید ہوتا ہے رحمتِ پروردگار سے

سوائے گمراہ کے) ہے:

سرمد تو حدیث کعبہ و دیر مکن
دروادیٔ شک چو گمراہان سیر مکن
رو شیوۂ بندگی ز شیطان آموز
یک قبلہ گزین و سجدہ بر غیر مکن

حضورؒ انور کی عمیق نظر میں جو درجۂ یقین ہے وہ اسقدر اہم ہے جس کی مثال مشکل سے مل سکتی ہے۔ چنانچہ ایک دوسرے پہلو سے ارشاد فرماتے ہیں:

"اپنا ہاتھ کسی کے آگے نہ پھیلائے چاہے مرجائے۔ خدا سے بھی نہ کہے چاہے کیسی ہی تکلیف ہو کیا اللہ نہیں دیکھتا کسی عورت کا شوہر اگر ہزار کوس پر بھی ہو تو وہ اپنی بیوی کی خبر رکھتا ہے اور اللہ تو اپنے پاس ہے کیا وہ نہیں دیکھتا"

حضورؒ انور کے ارشادِ فیض بنیاد سے اکثر تعلیمات کی طرف اشارہ ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے توکل و استغنا تصدیق و یقین توحید و فقر وغیرہ وغیرہ کیونکہ تمامی امیدوں سے دست بردار ہونا اور خواہشات کا فنا کر دینا کمالِ فقر ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول ہے کہ طالب اپنے تمامی افعال و اعمال سے بے ہمہ ہو تو خود با ہمہ ہو جاتا ہے۔ حضرت مولینا شاہ تراب علی قلندرؒ فرماتے ہیں ے:

عاشقی کانِ نامرادی ہے — عشق دکانِ نامرادی ہے
نامرادی کی بھی طلب نہ رہے — یہی پایانِ نامرادی ہے
اور سے حکم ہے کہ مانگ مراد — ہمسے فرمانِ نامرادی ہے
یار کو عمر بھر ہمارے ساتھ — عہد و پیمانِ نامرادی ہے
ہاتھ اٹھائیں نہ کیوں دعا سے ہم — وہ تو خواہانِ نامرادی ہے
فقر میں اس کی آن بان ہے اور — جیسا کچھ آنِ نامرادی ہے

ہے عجب ان دنوں تراب کا حال
دست در دامانِ نامرادی ہے

ارشادِ عالی سے ثابت ہے کہ اپنی خواہشوں اور تمناؤں سے دست بردار

ہونا چاہیئے کیونکہ اللہ خود کفیل ہے اس کی ذات پر یقین واعتماد رکھنا ہی سب کچھ ہے۔ بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال تک خدا کو تلاش کیا اور جب مل گیا تو معلوم ہوا کہ میں خود ہی مطلوب تھا وہ تو طالب تھا اگر خدا پر توکل و یقین ہو تو ہر ایک کام بہ آسانی ہو سکتا ہے کیونکہ اس کا اقرار ہے اور اس سے زیادہ کسی پر اعتماد کرنا امر لاطائل و بے سود ہے وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ (اور توکل کرو اُس پر جو زندہ ہے اور غیر فانی ہے) اسی بنا پر ہدایت ہوتی ہے:

"اپنا ہاتھ کسی کے سامنے نہ پھیلائے چاہے مر جائے۔"

خدا پر اس کی رحمت پر پورا یقین حتیٰ کہ اس سے عرض حاجت کی خواہش بھی پیدا نہ ہو اسی یقینِ کامل کے لیے ارشاد ہوتا ہے:

"خدا سے بھی نہ کہے چاہے کیسی ہی تکلیف ہو" پھر خود ہی اس کی توضیح فرماتے ہیں:

"کیا اللہ نہیں دیکھتا؟" خود ہی نظیر بھی ارشاد فرماتے ہیں:

"کسی عورت کا شوہر اگر ہزار کوس پر ہو تو وہ اپنی بیوی کی خبر رکھتا ہے اور اللہ تو اپنے پاس ہے کیا وہ نہیں دیکھتا؟"

جس کا ماحصل یہ ہے کہ استقلال کے ساتھ خدا پر یقین رکھنا چاہیئے جناب سیدنا امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا پر پورا اعتماد رکھو تو وہ تم کو اس طرح روزی پہنچائے جیسے پرندوں کو پہنچاتا ہے۔ یہ تصوف کا اعلیٰ درجہ ہے کہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ ہو نہ اہلِ دنیا سے کوئی غرض وابستہ ہو خداوند قدیر پر اتنا یقین و اعتماد ہو کہ اُس سے بھی مانگنے کی احتیاج نہ رہے جناب یحییٰ معاذ الرازی کا قول ہے کہ قیامت کے دن نہ تونگری کچھ وزن رکھتی ہوگی نہ درویشی؛ وزن ہوگا تو صبر و شکر کا۔

لوگوں نے آپؒ سے پوچھا کہ دنیا میں زہد کس کا بڑھا ہوا سمجھنا چاہیئے۔ فرمایا:

"جس کا یقین بڑھا ہوا ہے۔"

جناب سرمدؒ فرماتے ہیں ؎ :

سرمد اگر ش دفاست خودمے آید ۔ گر آمدنش رواست خودمے آید ،
بیہودہ چرا درپئے او مے گردی ۔ بنشین اگر او خداست خودمے آید

حضور پُر نور کے ارشادات میں کامل یقین و توکل کی تعلیم ہے ۔ ارشاد فرماتے ہیں :
"جو شخص اپنی تدبیر و کوشش کرتا ہے اللہ میاں اس سے علیحدہ رہتے ہیں کیونکہ یہ تو خود ہی کرتا ہے اور جو اللہ کے بھروسہ پر بیٹھ جاتا ہے اس کو بھروسہ اس کی ذات کا ہوتا ہے تو خداوند کریم اس کا کام کرتا ہے ۔"

سچ ہے وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ (اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اُس کو بس کرتا ہے) ۔

کنز العمال میں جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ میں سب سے زیادہ قوی ہو جاؤں اس کو لازم ہے کہ خدا پر اعتماد کرے ۔

یہی درجۂ یقین ہے جو مدارج عالی کا پتہ دیتا ہے اور انتہائے زہد و عبادت کے بعد حاصل ہوتا ہے وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ ۝ (اور اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تمکو یقین ہو جائے) یہی یقین ہے جو متوکل و خدا پرست اہل معرفت کو تمام دنیا سے بے نیاز کر دیتا ہے ان کے ہر ایک کام میں خدا کا ہاتھ ہوتا ہے ۔

صاحب سبع سنابل نے لکھا ہے کہ حضرت فتح موصلی رحمتہ اللہ علیہ بیت اللہ کو جاتے تھے راہ میں ایک طفلِ نابالغ کو دیکھا کہ بالکل بے سر و سامانی کی حالت میں آرہا ہے، حضرت فتح موصلی نے فرمایا کہ کہاں سے آتے ہو ۔ اس نے جواب دیا کہ مکہ معظمہ سے ۔ حضرت موصلی نے فرمایا ابھی تم بچہ ہو تم پر ایسی تکلیف فرض نہیں ہے ۔ اس لڑکے نے جواب دیا کہ زندگی مستعار کا کیا اعتبار ہے میں نے اپنے سے چھوٹوں کو مرتے اور قبر میں دفن ہوتے دیکھا ہے ۔ حضرت فتح موصلی نے فرمایا تمہارے پاس کچھ زادِ راہ ہے ؟ اس نے کہا میں جہاں کہیں بھی رہتا ہوں میرا توشہ یقین ہوتا ہے اور میری سواری میرے دونوں ہاتھ پاؤں اور دوسری

سواری شوق و عشق انہیں سواریوں سے سفر کرتا ہوں۔ حضرت موصلیؒ نے فرمایا میرا یہ مطلب نہیں ہے خورد و نوش کے سامان کو دریافت کرتا ہوں۔ اُس لڑکے نے کہا مجھے ایک بات کا پہلے جواب دیجئے وہ یہ ہے کہ اگر آپ کے دوستوں میں سے کوئی شخص آپ کے مکان پر آئے تو کیا آپ کو گوارا ہوگا کہ وہ خورد و نوش کا سامان اپنے گھر سے خود ساتھ لائے۔ حضرت موصلیؒ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ اُس لڑکے نے جواب دیا "اے ضعیف الیقین، خداوندمن کہ چندیں عاصیان و بیگان گان وغیرہ مہمانان را روزی میدھد مرا بخانۂ خویش طلبیدہ است چگونہ شراب و طعام ندہد۔"

یہ یقین ہے جو اہلِ معرفت کا حصہ ہے۔ حضورِ انور کے ارشادات سے ظاہر ہے کہ آپؒ کی ہر چیز کے کمال پر نظر تھی اور آپؒ کا یہی طریق عمل تھا۔

مختلف ارشادات فیض آیات

حضورِ انور کے تمامی ارشادات حقائق و معارف سے مملو ہیں اس لیے جو کچھ بھی حاصل ہوئے ہیں وہ بنظرِ افادۂ ناظرین کرام لکھے جاتے ہیں :

۱ - اپنی وضع پر قائم رہے۔

۲ - جو گھر بیٹھے مرید ہوتے ہیں اس کو بیعت الوجہ کہتے ہیں۔

۳ - اگر سات روز کا بھی فاقہ ہو تو زبان پر نہ لائے اور اللہ سے بھی نہ کہے۔ کیا وہ نہیں جانتے جو اپنے پاس ہیں۔

۴ - اپنی بستی میں رہ کر لاپروا رہنا مشکل ہے۔

۵ - جب فاقے ہوں تو ضبط کرے۔

۶ - بات تو جب ہے کہ سانس خالی نہ جائے (عرض کیا گیا کہ کس سے سانس خالی نہ جائے، تو فرمایا کہ) اللہ سے۔

۷ - ایک رنگ رہے۔

۸ - حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی نے عرض کیا کہ "حضور، مشائخ

توجہ دیتے ہیں یہ توجہ کیا ہے ؟" فرمایا "گرمی ہے، محبت ہے تو توجہ کام دے گی اور جس کے قلب میں محبت نہ ہو اس پر کیا اثر ہوگا "

۹ - بڑی فقیری یہ ہے کہ ہاتھ ہرگز نہ پھیلے بالکل لاطمع ہو کر رہے اور تسلیم و رضا پر قائم رہے ۔ اور گنڈا تعویز دُعا بددُعا وغیرہ بالکل نہ کرے بس یہی فقیری ہے ۔

۱۰ - حاجی اوگھٹ شاہ صاحب نے عرض کیا کہ سید کی شناخت لوگ یہ بتاتے ہیں کہ اگر ان کے ہاتھ پر آگ رکھ دی جائے تو ہاتھ نہ جلے ارشاد فرمایا " یہ صحیح ہے مگر جو امتحان لے گا کافر ہوگا "

۱۱ - یہ جو پیر کی شکل ہے بس یہی سب کچھ ہے ؎ :

چوں تو ذات پیر را کردے قبول
ہم خدا درذاتش آمد وہم رسول

۱۲ - جس نے یہاں نہیں دیکھا وہ اندھا ہے ۔ بحکم مَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وہاں بھی نابینا رہے گا ؎ :

ہر کہ اینجا ندید محروم ست   درقیامت زلذّتِ دیدار

۱۳ - فقیر کو کسی سے ناراض نہ ہونا چاہیئے، اس سے مطلب نہیں کہ اس سے کوئی خوش ہو کہ ناخوش ہو ۔

۱۴ - اس کائنات کا نام دنیا نہیں ہے غفلت کا نام دنیا ہے ۔

۱۵ - اسلام اور چیز ہے ایمان اور چیز ہے ۔

۱۶ - فقیر وہ ہے جو کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے ۔

۱۷ - فقیر کو بے لاگ رہنا چاہیئے (شاید اس کا یہ مفہوم ہو کہ فقیر کو تمام موجوداتِ عالم سے بے سروکار رہنا چاہیئے) ۔

۱۸ - فقیر کسی کا محتاج نہیں ہوتا ۔

۱۹ - فقیر کو سوال حرام ہے ۔

۲۰۔ دنیا فساد کا گھر ہے اور اہلِ دنیا خستہ دا دُور رہتے ہیں۔

۲۱۔ دنیا کی محبت بُری چیز ہے۔

۲۲۔ ایک صورت کو پکڑ لے، وہی مرتے وقت، وہی قبر میں، وہی حشر میں کام آئے گی۔

۲۳۔ حسد بہت بُری چیز ہے۔ حتیٰ کہ شیطان پر بھی لاحول پڑھنے کی ضرورت نہیں شیطان خدا کا رقیب نہیں ہے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

۲۴۔ طالب کے واسطے صرف نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ کافی ہے اس لیے کہ خدا ہماری ملکیت میں ہے ہم خدا کی ملکیت میں ہیں کسی سے کچھ طلب کرنے کی حاجت نہیں ہے۔"

۲۵۔ جب انسان اپنے دم پر قادر ہوجاتا ہے تو اٹھارہ ہزار عالم اس کے تحت میں آجاتا ہے۔ وحوش و طیور سب مطیع ہوجاتے ہیں۔

۲۶۔ سید محمد ابراہیم شاہ صاحبؒ نبیرۂ حضرت سیدنا حاجی خادم علی شاہ صاحب قبلہ قدس سرہٗ سے حضورِ انور نے دریافت فرمایا "تم نے کنز پڑھی ہے اور صرف ونحو و منطق"۔ انہوں نے عرض کیا "جی ہاں"۔ فرمایا "اگر طلب ہے تو دستار مولویت کو طاق پر رکھ دو ۔ ؎

پست شو تا فیضِ حق نا قص شود ہر کجا پستیست آب آنجا رود

اور کفر و اسلام میں اس بات کا خیال کر لو کہ ؎

بکفر و بہ اسلام یکساں بنگر کہ ہر یک ز دیوان او دفتریست

پھر ارشاد فرمایا کہ کافر بھی مثل مومن کے ہے اور واصلِ مقصودِ حقیقی اگرچہ راہِ وصل میں اختلاف ہے مگر محبت اہلِ بیت شرط ہے۔

۲۷۔ سیدنا معروف شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؒ مثنوی شریف ملاحظہ فرما رہے تھے کہ دورانِ ملاحظہ ارشاد فرمایا: "ہر انسان پر فرض ہے کہ اپنی طبیعت اور اپنے نفس کو قابو میں رکھے انجام کار کامیاب ہوگا اگر نفس کی باگ ہاتھ سے

چھوٹ جائے گی تو اس وجود کو سزائے دار دیجائے گی ۔

چوں قلم در دست غدارے بود　　لاجرم منصور بر دارے بود

یہ شعر پڑھ کر فرمایا ، لفظِ غدار سے نفسِ امارہ مراد ہے ۔

۲۸ ۔ انسان کو چاہیئے کہ خدا پر بھروسہ رکھے جب خدا نے اس کی ضروریات کا ذمہ لیا ہے تو برابر پہنچائے گا ۔ مگر تصدیق چاہیئے جب ذمہ دار ایسا اللہ ہے تو اندیشہ کیا ہے محض بیکار ۔

۲۹ ۔ فقیری یہ ہے کہ ہاتھ کسی کے سامنے نہ پھیلے اللہ سے بے پروا رہے وہ خود فرماتے ہیں نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ وہ تو سب راحت و تکلیف دیکھتے ہیں ۔

۳۰ ۔ بڑی وضعداری یہ ہے کہ جو کرے وہ کیے جائے ۔

۳۱ ۔ ایک مرتبہ مولوی نادر حسین صاحب وارثی نگرامی سے فرمایا بڑی فقیری یہ ہے کہ دس آدمیوں کو روٹی دیکر کھائے ۔

۳۲ ۔ پیر بہت ہیں مرید مشکل سے ملتا ہے ۔

۳۳ ۔ مرید ہونا چاہیئے ، مرید ہو تو پیر کے سینہ پر سوار ہو کر حاصل کر سکتا ہے ۔

۳۴ ۔ پیروں کو رسمی مرید بہت ملتے ہیں مگر مراد قسمت سے ہاتھ آتی ہے جیسے حضرت خواجہ ابو سعیدؒ کو غوث پاکؒ ۔ خواجہ عثمان ہارونی کو خواجہ معین الدین چشتیؒ ۔ حضرت بابا صاحبؒ کو حضرت سلطان نظام الدین اولیا محبوبِ الٰہی ۔ حضرت علاؤ الدین صابرؒ کو حضرت شمسؒ ، حضرت محبوبِ الٰہی کو امیر خسرو اور حضرت مخدوم بہاریؒ کو مولینا مظفرؒ ۔

۳۵ ۔ ایک مرتبہ ارشاد ہوا " آدمی ہونا چاہیئے آدمی ہونا بہت مشکل ہے " کسی قدر سکوت کے بعد ارشاد فرمایا " آدمی اسی وقت ہوتا ہے جب لطیفۂ قلب ذاکر ہو اس لیے کہ لطیفۂ قلب حضرت آدم کے زیرِ قدم ہے اور معیت و اقربیت حاصل ہے وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ ۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۔ جب معیت ہو گئی تو تقرب

خاص ہو گیا۔ یہی درجۂ تکمیل ہے

۳۶۔ مقامِ حیرت میں فقرا برسوں پڑے رہے ہیں ؎ :

چہ شبہا نشستم دریں دیر گُم　　　　که حیرت گرفت آستینم کہ قُم

اس کے بعد منزلِ فیضِ ولایت و فیضِ نبوت کا ظہور ہوتا ہے۔

۳۷۔ جب کچھ نہ رہا تو فقیر ہو گئے۔

۳۸۔ فقرا غیر مکلّف ہیں اور دنیا دار مکلّف ہیں۔

۳۹۔ ایک مرتبہ مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب شیدا وارثی سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا ؎ :

گر تو خواہی بینیش بردوز　　　　دیدہ ہا را ز غیر او چون باز

یہ شعر پڑھ کر دو مرتبہ فرمایا "سمجھ گئے ؟"

۴۰۔ جسقدر مرید ہیں ہماری اولاد ہیں۔ جس کو جسقدر ہمارے ساتھ محبت ہے اسیقدر اپنے بھائیوں سے اتفاق۔ جو لڑکا اپنے باپ سے محبت کرے گا اس کو بھائی سے اتفاق ہو گا۔

۴۱۔ جو جس کا حصہ ہے اس کو ضرور دیا جاتا ہے خواہ زندگی میں خواہ مرتے وقت اور نہیں تو اس کی قبر میں ٹھونس دیا جاتا ہے (اس جملہ آخری کا حضورؒ انور خاص شان سے اظہار فرماتے تھے)

۴۲۔ رام جی اجودھیا والے ہندوؤں کے اوتار ایک پنڈت تھے۔ سری کرشن جی کنھیا پریمی تھے اور بابا نانک صاحب پکے موحد تھے۔

۴۳۔ ایک مرتبہ گیارھویں شریف کے متعلق استفسار کیا گیا تو ارشاد فرمایا: "مقامِ ہُو ایک عجیب مقام ہے (بحسابِ ابجد) ہ کے ۵ اور و کے ۶ ہوتے ہیں، ۵ اور ۶ ملکر گیارہ ہوئے۔ حضرت غوث پاکؓ کی یہی منزل تھی انتہا یہ کہ گیارھویں والے میاں مشہور ہو گئے۔"

حضورؒ انور کے ارشادات سے مسائلِ تصوّف کے علاوہ دیگر امور پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔ آپؒ کی زبانِ مبارک سے جو الفاظ ادا ہوتے تھے وہ نہایت جامع

اور معنی نیز ہوتے تھے۔ حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ انور سے عرض کیا گیا " سنا ہے تہتّر فرقوں میں سے بہتّر ناری ہیں اور ایک ناجی ہے اور ہر ایک فرقہ اپنے آپ کو ناجی کہتا ہے تو وہ کونسا فرقہ ہے"۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا " جو حسد سے الگ ہو وہی ناجی ہے اور جو حسد میں ہو وہ بہتّر میں شامل ہے ح ۃ ب ہ د ۔ گل ۲ ،

۴۴ ۔ جو نشیب و فراز میں رہے گا اس کو خدا نہیں ملے گا جو نشیب و فراز سے نکل جائے اس کی نجات دنیا ہی میں ہو جائے ۔

۴۵ ۔ ہر وقت صورت سامنے رہے وہی صورت ہر جگہ نظر آنے لگے گی یہی فنا فی الشیخ ہے ۔

۴۶ ۔ حاجی اوگھٹ شاہ صاحب نے عرض کیا کہ اسمِ ذات کون ہے فرمایا " اللہ، باقی سب صفات ہیں "۔

۴۷ ۔ عرض کیا گیا " ہُو" کیا ہے ۔ ارشاد فرمایا " نہ ذات نہ صفات بلکہ ایک میدان ہے "۔

۴۸ ۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا " ہم کعبہ کے اندر یہ غزل پڑھنے لگے ؎ :

عشق میں تیرے کوہِ غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو

محافظِ کعبہ نے کہا ھٰذا بَیْتُ الرَّبّ ہم نے کہا وہ جگہ بتاؤ جہاں خدا نہ ہو" وہ چپ ہو گئے اور کہا ان سے نہ بولو ۔

۴۹ ۔ حضرت سیّد معروف شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب حضورِ پُر نور دہلی تشریف لے گئے تو حضرت سرمدؒ کے مزار مبارک پر بھی گئے اور اور فرطِ محبت سے اُن کے مزار سے لپٹ گئے اس کے بعد ارشاد فرمایا " سرمد رضا و تسلیم کے بندے تھے سر دیدیا اور اُف نہ کی، نہ فتویٰ دینے والے رہے نہ سلطنت رہی مگر ایک سرمدؒ کی جگہ ہزار سرمد پیدا ہو گئے "۔

۵۰ ۔ ایک مرتبہ منشی عبد الغنی خان صاحب وارثی رئیس پوروہ غنی خان ضلع

رائے بریلی سے فرمایا "غنی خان جانتے ہو حج مقبول کس کا نام ہے"
انہوں نے عرض کیا کہ حضور کو بہتر علم ہے۔ ارشاد فرمایا "عاشق اپنے
معشوق سے مل جائے یہی حج مقبول ہے۔"

۵۱۔ خاندانِ قادریہ کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں کہ "جن لوگوں کو اس خاندان
سے نسبت ہے اُن پر جادو ٹونے کا بالکل اثر نہیں ہوتا۔"

۵۲۔ مولوی نادر حسین صاحب وارثی نگرامی تحریر فرماتے ہیں کہ میرے والدِ
ماجد شیخ قادر بخش صاحب فضلی نور اللہ مرقدہ سے حضورؒ انور نے فرمایا "بڑے
میاں جو سانس نکلے وہ اسم اللہ کے ساتھ نکلے۔ جو سانس بدون اسم اللہ
نکلتی ہے وہ مردہ ہے اور بڑے میاں ایک ذکر ایسا ہے جو نہ سانس سے
تعلق رکھتا ہے نہ زبان سے۔" انہوں نے عرض کیا "یہ حضور کا ذکر ہے۔" فرمایا
"بڑے میاں ہو جاتا ہے۔" مکرر دو تین مرتبہ یہی فرمایا "ہُشا ہُشا بڑے میاں
ہو جاتا ہے۔"

حضورؒ انور کا ہر ایک ارشاد ایسا مکمل ہوتا تھا کہ جس کا جواب نہیں۔ تعجب
ہوتا تھا کہ باوجود استغراق وانہماکِ عشق و محبت حضورؒ انور تمامی امور میں خاص
خیال اور رائے کا اظہار فرماتے تھے اور جس طرح آپؒ کے عارفانہ اقوال
حقائق و معارف سے بھرے ہوئے ہیں اسی طرح مذہب و اتباعِ سُنّت
کے متعلق جو ارشادات ہیں ان میں بھی وہی تصدیق و یقین و عشق کی تعلیمات ہیں۔

ارشادات متعلق بہ مذہب

مشہور ہے کہ عاشقانِ الٰہی کو غلبۂ عشق و محبت
میں کسی بات کا احساس نہیں رہتا۔ عشق ہی مذہب، عشق ہی ملت، عشق ہی مسلک
عشق ہی خدا اور عشق ہی رسولؐ ہوتا ہے۔ وہ عشق کے سوا کسی کے پیرو اور متبع نہیں
ہوتے اور اسی وجہ سے شریعت بھی سکاری کو مستثنیٰ کرتی ہے۔ مگر یہ عجیب بات
ہے کہ حضورؒ انور کی ذات معدن الصفات سے جس طرح معارف و حقائق الٰہی

کی نسبتیں جاری تھیں اسی طرح سنتِ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فیض موہبت کا بھی بدرجۂ اتم ظہور تھا۔

اگرچہ آپؒ کا مسلک حقیقی عشق تھا اور اسی میں محویت و استغراق کامل تھا مگر باوجود اس کے حضورِ انور کو خداوندِ عالم نے وہ ظرفِ عالی اور مقامِ خاص عطا فرمایا تھا کہ آپؒ کی ذات محمود الصفات سے اتباعِ سنت و شریعت کی کامل و مکمل نسبت جاری تھی۔

آپؒ پابندیٔ ارکانِ مذہب سے نہایت شاد ہوتے تھے اور اکثر ہدایت فرماتے تھے۔ علاوہ ازیں طالب میں جو عیب دیکھتے یا جس قسم کا وہ کاروبار کرتا اُسی کے متعلق اُس کو ایک نہ ایک مذہبی ہدایت ضرور فرما دیتے تھے۔

اکثر مذہبی امور سے جو حضورِ انور کو خاص دلچسپی تھی ان کا بیان تو "شانِ تکلم" کے عنوان سے اسی باب میں ہو چکا ہے مگر اس بارے میں جو خاص ارشادات فیض آیات ہیں وہ بھی دستور العمل بنانے کے قابل ہیں۔

حاجی اوگھٹ شاہ صاحب کلیاتِ مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں کہ مولینا سید نجم الدین صاحب مرحوم و مغفور رئیس بانکی پور جن کے زہد و اتقا کا اس جوار میں شہرہ ہے ایک مرتبہ حضورِ انور سے عرض کرنے لگے کہ اب نماز خوفِ الٰہی سے نہیں ہوتی بلکہ مداومت کی وجہ سے اس کی عادت ہو گئی ہے۔ لہٰذا ملتجی ہوں کہ ایسی نماز چھوٹ جائے تو اچھا ہے۔ حضورِ انور نے مسکرا کر فرمایا:

"مولوی صاحب استقامت بہ از کرامت وضعداری اسی میں ہے کہ مرتے دم تک پڑھے جاؤ۔" اس روز سے مولینا کو نماز میں ایک خاص لطف آنے لگا حتیٰ کہ جب انہوں نے اس دنیائے ناپائیدار سے سفر کیا ہے تو نمازِ عصر کی دوسری رکعت میں سربسجود تھے کہ واصلِ حق ہو گئے اور گویا حضورِ انور کے ارشاد کے بموجب کہ "مرتے دم تک پڑھے جاؤ" انہوں نے مرتے دم تک ہی نماز پڑھی۔

حاجی اوگھٹ شاہ صاحب قبلہ وارثی کا بیان ہے کہ منشی علی گوہر خان

صاحب متوطن بیلی بھیت کے ہمراہ ایک صاحب حضورِ انور کی خدمتِ عالی میں بیعت کی غرض سے حاضر ہوئے جب مرید ہو چکے تو حضورِ پرنور کے حکم سے شاہ فضل حسین صاحب وارثی سجادہ نشین شاہ ولایت کی خانقاہ شریف میں ٹھہرائے گئے۔ اسی خانقاہ میں مسجد بھی ہے انہوں نے نماز عصر و ظہر قضا کر دی اور نہیں پڑھی جب مغرب کا وقت آیا تو شاہ فضل حسین صاحب وارثی نے ان سے تاکیداً نماز کے لیے کہا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور اور کسی طرح نماز پڑھنے کے لیے آمادہ نہ ہوئے۔ شاہ فضل حسین صاحب قبلہ نے حاجی اوگھٹ شاہ صاحب کو طلب فرمایا اور کہا یہ نو وارد مہمان صاحب نماز سے انکار کرتے ہیں۔ حاجی اوگھٹ شاہ صاحب نے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے نہایت سادگی سے جواب دیا کہ میں نے سُنا ہے کہ جو شخص حضرت حاجی صاحبؒ قبلہ کا مرید ہوتا ہے اس پر نماز معاف ہو جاتی ہے اگر نماز ہی پڑھنی ہے تو میں کہیں اور بھی مرید ہو سکتا تھا۔ یہ سنکر شاہ فضل حسین صاحب وارثی کو بے اختیار ہنسی آگئی۔ حاجی اوگھٹ شاہ صاحب ان کو حضورِ انور کی خدمتِ عالی میں لائے اور واقعہ عرض کیا۔ حضورِ انور نے ان کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا:
"اچھا اچھا تین برس نماز اور پڑھو پھر معاف ہو جائے گی۔" یہ سن کر وہ شاد و مسرور واپس آئے اور نہایت پابندِ نماز ہو گئے، دن گننے لگے اور برابر آستانہ عالی میں حاضر ہوتے رہے۔ ٹھیک تین برس میں ان کا انتقال ہو گیا اور ایک حکم سے مدت العمر پابندِ نماز رہے۔ حضورِ انور کی ذات عالی درجات میں بیشتر نسبتوں کا ظہور تھا اور سب سے زیادہ نسبتِ عشق کا غلبہ تھا۔ مگر اسی کے ساتھ نسبتِ سُنتِ نبی کریمؐ بھی اس قدر کمال و اشتداد کے ساتھ تھی کہ آپؒ امورِ مذہبی میں خاص تعلیمات و ہدایات فرماتے تھے۔

چنانچہ مولوی بشیر الزماں صاحب رئیس سندیلہ ضلع ہردوئی تحریر فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت سیدنا شاہ فضل حسین صاحب وارثی سجادہ نشین کنز المعرفت علیہ الرحمتہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ قصبۂ اناؤ میں نہیں معلوم کیا بات پیدا

ہوئی کہ مجمعِ کثیر کے سامنے بہت اعلان و زور کے ساتھ حضورِ انور نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص نماز نہ پڑھے وہ ہمارے حلقۂ بیعت سے خارج ہے"

اس واقعہ کو سیّد معروف شاہ صاحب قبلہ نے بھی بیان فرمایا ہے اور دیگر حضرات سے بھی مسموع ہوا ہے۔

شاہ فضل حسین صاحب وارثی رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ میں جو مسجد ہے اسمیں حضورِ انور کی جانب سے ایک مستقل پیش امام رہتے تھے۔

باوجود روشِ قلندرانہ اور انہاکِ عشق و استغراقِ توحید حضورِ انور کو مذہب اور اتباعِ سُنّت سے خاص تعلق تھا۔

ایک مرتبہ حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی نے عرض کیا کہ حضور بہت سے لوگ نماز نہیں پڑھتے۔ تو حضورِ انور نے ارشاد فرمایا:

"نماز ضرور پڑھنا چاہیئے یہ نظامِ عالم ہے اگر یہ چھوڑ دیجائے گی تو عالم کے انتظام میں خرابی آجائے گی" یہ بھی فرمایا کہ:

"نماز وہی ہے جو حضورِ قلب کے ساتھ ہو"

مولوی نادر حسین صاحب وارثی نگرامی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے مکان پر قصبۂ نگرام میں حضورِ انور قیام پذیر تھے جمعہ کا دن تھا۔ آپؒ نے وضو فرمایا اور نمازِ سنّت جائے قیام پر ادا فرمائی اور ارشاد فرمایا:

"سنت مکان پر پڑھ کے جانا سنّت ہے" اور باوجود پیرانہ سالی پاپیادہ مسجد تک تشریف لیجانے کا قصد فرمایا۔ مولوی نادر حسین صاحب نے عرض کیا کہ دھوپ بہت سخت ہے زمین جلتی ہے۔ آپ نے فرمایا:

"پیدل مسجد جانے سے ہر قدم پر ثواب ملتا ہے"

جب لوگوں نے بہت منّت سماجت کی اور اصرار کیا تو بدشواری تمام حضورِ انور پالکی پر سوار ہوئے۔

مولانا سیّد عبد الغنی صاحب قبلہ وارثی بہاری مترجم طبقات اکبری وغیرہ

تحریر فرماتے ہیں کہ حضورُ انور کے زمانۂ قیام بکھی میں جب جمعہ کا دن آیا تو آپؒ نے نمازِ جمعہ میں تشریف لے جانے سے قبل حاضرین کو جمعہ کے مسائل بتائے اور ارشاد فرمایا:

"جمعہ کی نماز کے بعد بہت سے لوگ چار رکعتیں ظہر کی پڑھ لیا کرتے ہیں، یہ شک کی بات ہے اور میرے یہاں شک نہیں ہے۔"

ان ارشادات سے ظاہر ہے کہ حضورُ انور کو پابندیٔ مذہب کی طرف خاص رجحان تھا کہ اس قسم کی خاص ہدایات بھی فرماتے تھے جن سے حضورِ پر نور کے ارشادات کے مطابق ارکانِ اسلام کا شوق پیدا ہو۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ حضورُ انور کو یقین میں جو انہماک تھا اس کی کسقدر پابندی مدِنظر تھی اور دوسروں کو بھی یہی تعلیم دیتے تھے۔ شک و شبہ کی کوئی بات قطعاً آپؒ کو پسند نہیں تھی۔ آپؒ مذہبی پابندیوں کو نہایت عزیز رکھتے تھے۔ اور مذہبی مراسم کی رونق سے نہایت خوش ہوتے تھے۔

مولوی نادر حسین صاحب قبلہ وارثی بگرامی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورُ انور میرے مکان پر قیام پذیر تھے اور میرے والدِ بزرگوار شیخ قادر بخش صاحب نوراللہ مرقدہٗ (حضرت مولینا شاہ فضل الرحمٰن صاحب نقشبندی مجددیؒ سے بیعت تھی) جو بڑے ذاکر و شاغل بزرگ تھے۔ وہ خدمتِ عالی میں حاضر تھے میں بھی موجود تھا۔ حضورُ انور نے سورۂ فاتحہ کو سات مرتبہ سات قرأتوں سے پڑھا عجیب لطف انگیز سماں تھا۔ اس کے بعد حضورُ انور نے میرے والد ماجد صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"بڑے میاں جو شخص چورا چھپا کے نماز پڑھتا ہو تو نماز ہو جاتی ہے۔"

انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں ضرور ہو جاتی ہے۔ پھر فرمایا:

"یہ حدیث صحیح ہے کہ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَدَخَلَ الْجَنَّۃَ"

انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ پھر ارشاد فرمایا:

"یہ روایت بھی صحیح ہے کہ جناب رسالت مآب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مدینہ منورہ میں منادی کرادو کہ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَدَخَلَ الْجَنَّۃَ چنانچہ حضرت بلالؓ منادی کرنے کو جارہے تھے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اثناء راہ میں مل گئے اور حضرت بلالؓ کو واپس لائے اور جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "بے شک جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے گا داخل جنت ہوگا مگر پھر ارکان اسلام ادا نہ ہوں گے۔" انہوں نے عرض کیا یہ روایت بھی صحیح ہے اسکے بعد حضورؐ انور نے ارشاد فرمایا:

"کوئی حضرت عمرؓ کی سنت پر بھی تو چلنے والا چاہیئے۔"

متذکرہ بالا واقعات و ارشادات سے ظاہر ہے کہ حضورؐ پر نور کی نگاہ حق آگاہ میں تمامی امور حقہ کا کس قدر پاس و لحاظ تھا اور سب میں ایک خاص عینیت و محویت تھی۔ اسی طرح معاملاتِ دنیا میں جو امور کہ مذہب و شریعت سے تعلق رکھتے ہیں حضورؐ پر نور ان کی خاص ہدایات فرماتے تھے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

"نماز روزہ اور چیز ہے ایمان اور ہے۔ نماز تو رکن اسلام ہے۔ اگر لاکھ روپیہ کی چیز رکھی ہو تو اس کا خیال بھی دل میں نہ لائے بس یہی ایمان ہے۔"

ارشاد عالی سے ظاہر ہے کہ کسقدر زبردست امانت و دیانت داری کی تعلیم ہے جو اصولِ مذہب ہے۔

حدیث شریف ہے کہ "جسمیں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں۔" دوسری حدیث ہے کہ "مومن میں سب خصلتیں پیدا ہوسکتی ہیں مگر جھوٹ اور خیانت پیدا نہیں ہوسکتی۔"

مشکوٰۃ شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً ہر ایک خطبہ میں بیان فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص امین نہ ہو وہ مومن نہیں ہوسکتا اور جو شخص اپنے وعدہ کا پابند نہ ہو وہ لا مذہب ہے۔

ایمان کی جو توضیح حضورؐ انور نے بیان فرمائی وہ گویا مذہب کی خاص تعلیم پر

مبنی ہے۔

حق رسی کے بارے میں حضورؒ انور کا ارشاد ہے کہ:

"کسی کا حق مارنا بہت بُرا ہے اس کا انساں کو خیال رکھنا چاہیئے"۔

یہ بھی فرمایا ہے کہ:

"عبادت نماز ہی نہیں ہے اپنی خانہ داری میں ضروریات کی چیزیں لادینا بیوی کی کفالت، بچّوں کی دلداری غلام و لونڈی کی پرورش حوائجِ ضروری سے فارغ ہونا، کھانا اور کھلانا سب عبادت ہے۔"

عقائد کے بارے میں ارشاد ہے:

"چاروں صحابہ کو درجہ بدرجہ، اپنے درجہ پر مانے"۔

اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ مذہبِ اہلِ تسنن کے نزدیک جو مسلّمہ اصولِ عقائد ہیں آپؒ انہیں کی تعلیم فرماتے تھے۔ حالانکہ بعض اہلِ تصوف مسئلہ تفضیل کی طرف گئے ہیں۔

جو باتیں شرعاً ممنوع اور ناجائز ہیں ان سے وقت بیعت توبہ تو کراتے ہی تھے مگر خاص طور پر بھی ان کا انسداد فرماتے تھے آپؒ کی مقدس اور روحانی تاثیرات جو اصلاحِ معائب کے لیے تریاقِ اکبر ثابت ہوئی ہیں ان کا تو کہاں تک ذکر ہو سکتا ہے قیامت تک جاری رہیں گے مگر بظاہر بھی ممنوعاتِ شرعیہ سے مجتنب رہنے کی خاص ہدایات ہوتی تھیں۔

مولٰنا مولوی سیّد عبدالغنی صاحب وارثی بہاری مترجم طبقات اکبری وغیرہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضورؒ انور کے زمانہ قیامِ بلچھی میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک نوجوان سیّد مع اپنی داشتہ عورت کے جس کا نام رجبی تھا اور (جو حضرت فضیحت شاہ صاحبؒ کا معتقد اور سسرالی رشتہ دار بھی تھا آیا اور اس کے آنے کا یہ سبب ہوا کہ وہ ایک زمانہ سے فضیحت شاہ صاحب سے کہہ رہا تھا کہ مجھے مرید کر لو مگر وہ جواب دیتے تھے کہ مجھے مرید کرنے کی اجازت نہیں ہے البتہ میں تم کو کبھی یہ بتا دوں گا کہ فلاں بزرگ سے بیعت کر لو۔ حضورؒ انور کے زمانۂ قیامِ بلچھی میں انہوں نے

اس کو حضرت کی تشریف آوری کی اطلاع دی اور یہ کہلا بھیجا کہ تم حضرت سے آکر مرید ہو جاؤ۔ وہ آیا مگر چونکہ اس کے ساتھ اس کی داشتہ مسماۃ رجبی تھی اس لیے وہ بستی کے باہر مقیم ہوا۔ مسماۃ رجبی تو پہلے ہی دن مرید ہوگئی اور دوسرے روز سید صاحب بھی حضور انور کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو گئے۔

مولینا سید عبدالغنی صاحب قبلہ وارثی بہاری فرماتے ہیں کہ جس وقت وہ نوجوان سید شرفِ بیعت سے مستفید ہوا ہے اس وقت ہم لوگ علیحدہ ایک مقام پر بیٹھے ہوئے تھے اور یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ یہ دونوں مرید تو ہو گئے مگر نکاح نہیں ہوا۔ یہ دونوں پھر زنا کے مرتکب ہوں گے۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں ایک خادم دوڑا ہوا آیا اس نے کہا کہ حضورؒ انور ارشاد فرماتے ہیں "عبدالغنی وغیرہ ان دونوں کا نکاح پڑھا دیں"۔ خادم یہ کہکر چلا گیا اور ہم لوگ ابھی باتیں ہی کر رہے تھے اور تعمیلِ حکم کی کوئی عملی تدبیر بھی نہیں کرنے پائے تھے کہ دونوں مٹھائی لیے ہوئے آئے اور مولوی سید رحیم الدین صاحب ایڈیٹر اپنچ بانکی پور اور فضیحت شاہؒ صاحب اور میں نے ان کا نکاح پڑھوایا۔

حاجی اوگھٹ شاہ صاحبؒ وارثی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک شخص جو قوم کا ٹھاکر اور ملیح آباد کے قریب کا رہنے والا تھا حضورؒ انور کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں مرید ہونا چاہتا ہوں مگر تین شرطیں ہیں، ایک تو یہ ہے کہ جھوٹ نہ چھوڑوں گا۔ دوسرے سود لونگا، تیسرے ایک طوائف سے تعلق ہے اس کو بھی ترک نہ کروں گا۔ حضورؒ انور نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: "تین برس اور ٹھہرو پھر مرید کریں گے۔"

جب وہ چلا گیا تو حاجی اوگھٹ شاہ صاحب نے عرض کیا کہ حضورؒ یہ کام بہت کرتے ہیں اور یہ شخص سچا بھی تھا۔ حضورؒ پر نور نے ارشاد فرمایا:

"ہاں سب کرتے ہیں مگر یہ اختیاری ہو جاتا۔"

حضورؒ انور کے باطنی اثرات جو قلب کی جلا اور افعالِ شنیعہ کا انسداد کرتے تھے اُن کا ذکر تو احاطۂ تحریر سے باہر ہے مگر بظاہر جو طرزِ عمل تھا وہ بھی ضرب المثل ہے۔

حضورِ انور کی بات بات میں مذہب و تصوف کے نکات ادا ہوتے تھے۔ آپؒ کے جو موحدانہ اقوال ہیں ان سے ظاہر ہے کہ حضورِ انور نے تمامی مذاہب کی تفریق کو مٹا دیا ہے اور سب کو نظرِ وحدت سے دیکھا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ "ہمارے ہاں سب ایک ہیں"۔

یہ کمالِ توحید ہے کہ عینیت پیدا ہو جائے یہی انداز اور یہی رنگ اور یہی عالم تھا حضورِ انور کا پابندیٔ مذہب اور شریعت کے نقطۂ خیال سے بھی تھا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضورِ انور کی کس قدر وسیع نظر تھی چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

"کل بنی آدم کا شمار اُمتِ محمدی میں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت کا اور قرآن پاک پر صحائفِ آسمانی کا خاتمہ ہو چکا اس لیے اب نہ کوئی نبی ہوگا اور نہ کتاب نازل ہوگی بس اگلی پچھلی سب امتوں کا شمار اسی امت میں ہے بجا آوریٔ احکام سب پر یکساں ہے جو پیرو ہیں وہ راہ پر ہیں بقیہ منکر گمراہ، لیکن امت کی حیثیت سے سب ایک ہیں۔ باغی رعایا بھی اسی بادشاہ کی کہلائے گی جس کی کہ وہ ہے۔"

اس ارشاد کی اہمیت ظاہر ہے کہ کس قدر جامعیت اور وسیع النظری پر مبنی ہے اور آپؒ کی نگاہِ حق آگاہ جس قدر مسائلِ عشق و توحید میں وسیع ہے ویسے ہی امورِ مذہب میں بھی خاص وسعت رکھتی ہے اور حضورؒ کے اسی مسلکِ حقیقی عشق و توحید کا سب میں بدرجۂ کمال ظہور ہے۔

یہی نہیں بلکہ مذہب و تصوف کا جو حقیقی لباس ادب و اخلاق ہے اس میں بھی آپؒ فرد تھے اور جن غیر معمولی واقعات کا آپ سے ظہور ہوا ہے وہ اپنی نوعیت میں جواب نہیں رکھتے اور مذہب کا ادب و وقار جو آپ کی نگاہِ حقیقت آگاہ میں تھا اور جس قدر ادب و احترام آپؒ سے ظاہر ہوا ہے اس کے دیکھنے کے لیے بڑی ژرف نگاہی درکار ہے۔

چنانچہ مولوی حکیم محمود علی صاحب فتح پوری تحریر فرماتے ہیں کہ ایک کابلی مولوی صاحب جو عرصہ تک آگرے کی جامع مسجد میں پیش امام رہے ہیں، اگر یاد غلطی نہیں کرتی تو ان کا نام مولوی رمضان علی صاحب تھا۔ حسنِ اتفاق سے فتحپور

میں تشریف لائے اور مولانا نذیر علی صاحبؒ کی مسجد میں فروکش ہوئے ان کی خدمت میں بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں بھی حاضرِ خدمت تھا اکثر بزرگانِ دین کے تذکرے ہو رہے تھے۔ اثنائے گفتگو میں مولوی صاحب نے فرمایا کہ عرصہ ہوا جب میں لکھنؤ پڑھتا تھا وہاں محلہ ایمن آباد میں حضرت اخوند صاحب سُوات بنیرؒ کے ایک خلیفہ جو نہایت بزرگ اور ابرار لوگوں میں سے تھے، رہتے تھے۔ میں اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا ایک مرتبہ مجھے یہ ضرورت پیش آئی کہ کچھ روپیہ ملے تو اپنے اہل وعیال کے لیے خرچ روانہ کروں، یہ خیال تھا کہ کم از کم دس۱۰ روپیہ تو ہوں۔ چنانچہ میں اُن بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حسبِ دستور بیٹھ گیا ایک شخص نے ان کو دو روپے نذر دیئے وہ دونوں روپے انہوں نے مجھے دیدیئے۔ اسی طرح ۱۱ بجے دن تک انہوں نے بہ دفعات نو روپے مرحمت فرمائے۔ مجھے اپنے خیال کے موافق صرف ایک روپیہ کی کمی نظر آتی تھی۔ اور میں خیال کرتا تھا کہ ایک روپیہ اور مل جائے تو پورے دس روپے مکان کو بھیجدوں۔ اس روز حضرت اقدس حاجی صاحبؒ قبلہ لکھنؤ میں رونق افروز تھے۔ دن کے بارہ بجے ہوں گے ترشّح ہو رہا تھا اُن بزرگ نے فرمایا کہ اب تم حضرت حاجی صاحب قبلہ کی خدمتِ عالی میں حاضر ہو۔ اور شرفِ قدمبوسی حاصل کرو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت ٹھیک بارہ بجے ہیں اور ترشح بھی ہو رہا ہے ایسی صورت میں مجھے مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت اقدسؒ کی خدمت میں حاضر ہوں مگر ان بزرگ نے منظور نہ فرمایا اور مجھے بہ اصرار تمام خدمتِ فیض موہبت میں بھیجا۔ اس وقت خفیف سی بوندیں پڑ رہی تھیں اور میرے پاس فقہ کی ایک کتاب تھی میں نے چادر اوڑھ لی اور کتاب کو پوشیدہ کر کے اپنی بغل میں دبا لیا اور چادر سے کتاب کو خوب محفوظ کر لیا تاکہ بھیگنے نہ پائے۔ بہرکیف کتاب اس طرح چھپی ہوئی تھی کہ میرے دیکھنے والے کو یہ علم نہیں ہو سکتا تھا کہ میری بغل میں کتاب ہے حضورِؒ انور کے جائے قیام پر جسوقت پہنچا اور زینہ سے اس بنگلہ کے صحن میں قدم رکھا جس میں حضورؒ رونق افروز تھے میں نے دیکھا کہ حضور پُرنور برق کی طرح نہایت مضطربانہ حالت سے بنگلہ کے باہر نکل آئے۔ مجھے نہایت استعجاب تھا میں نے عرض کیا کہ حضورؒ میں خادم ہوں میری اتنی تعظیم مناسب

نہیں ہے آپؒ نے فرمایا کہ "یہ تمہاری تعظیم نہیں ہے بلکہ یہ اس کتاب فقہ کی تعظیم ہے جو تمہاری بغل میں دبی"

کابلی مولوی صاحب کا بیان ہے کہ بمجرد ارشادِ عالی میں اس واقعہ پر غور کرنے لگا کہ اللہ اکبر حضورِ انور کس درجہ عالی منسبت ہیں جنکو ایک کتاب فقہ کے حفظِ مراتب کا اس قدر خیال ہے تو ان کو اتباعِ سنت ہیں جو کچھ بھی نسبت ہوگی اس کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد ایک شخص نے حضورِ انور کی خدمتِ عالی میں ایک رُپیہ نذر کرنیکا قصد کیا تو آپؒ نے فرمایا:

"ہم کیا کریں گے، ان مولوی صاحب کو دیدو"

چنانچہ میرے پاس پورے دس روپے ہو گئے ہیں وہاں سے رخصت ہوکر خلیفہ صاحب حضرت آخوندجی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کو بیان کیا۔

حضورِ انور کا یہ ادب واحترام جسقدر عظمت اور اہمیت رکھتا ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ اربابِ ظاہر سے تو اس قسم کا ادب ظاہر نہیں ہو سکتا مگر اہلِ تصوف میں بھی ایسی مثالیں کم ملتی ہیں کیونکہ غلبۂ کیف وحال اور جذباتِ محبت ان کی نگاہوں میں کسی چیز کا احساس نہیں رہنے دیتے۔ حضورِ انور میں بھی وہ سب حالتیں نہایت کمال کے ساتھ موجود تھیں اور ان نسبتوں کا اکثر وبیشتر اوقات نہایت شدومد سے ظہور ہوتا تھا مگر اسی کے ساتھ آدابِ شریعت واتباعِ سنت میں بھی انتہا درجہ کا زہد واتقا ظاہر ہوا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورِ انور کی ذات مجمع الحسنات میں خدا کی ایک شان اور ایک ہی صفت کا ظہور نہیں تھا بلکہ مختلف شانیں جلوہ گر تھیں جن سے مختلف طبائع کے افراد مستفید ہوئے ہیں کسی نے حضورِ انور کی ذات محمود الصفات سے اتباعِ سنت وشریعت کا سبق حاصل کیا تو کسی نے زہد وریاضت کا کسی نے فقر وتصوف کا اکتساب کیا تو کسی نے ملازمت درندانہ زندگی کا۔ کسی کو استغراقِ عشق ہوا تو کسی کو کیفیتِ اتحاد وتوحید ہاتھ آئی، کوئی جذباتِ محبت سے بے خان مان ہو گیا تو کسی کو بہ اتباعِ سنت انتظامِ خانہ داری میں دولتِ دین نصیب ہوئی غرضکہ وابستگانِ دامانِ دولت میں سے خالی کوئی نہیں رہا۔ خداوندِ کائنات نے آپؒ کی

ذات بابرکات میں اپنی مختلف شانوں سے مختلف نسبتوں کا ظہور فرمایا اور علیٰ قدر مراتب اُن کے فیوض و برکات عالم میں جاری ہوئے حقیقتہً حضورؒ انور کی ذات عالی درجات خدا کی خاص نعمتوں اور خوبیوں کا ایک مجموعہ اور گلدستہ تھی جس میں زنگارنگ کے پھولوں نے عجیب دلفریبی و بہار پیدا کر رکھی تھی کہ اگر دل و دماغ کو فرحت نصیب ہوتی تھی تو ایمان کو تازگی کون سی صفت تھی جو ذات محمود الصفات میں نہ تھی۔ آپؒ تمامی صفات و درجاتِ عالیہ کے مظہر اتم تھے۔ جیسا کہ مضطر خیر آبادی نے صنعتِ توشیح میں حضورِ پُر نور کی مدح میں عرض کیا ہے ؎ :

(ح) حضورِ خدا و قربِ پاک مصطفےٰ داری
(ض) ضیائے بزمِ عرفاں دل چو آئینہ صفاداری
(ر) رضا جوئے خدا و مصطفےٰ و اہلبیت او
(ت) تر و تازہ ریاضِ زہد و ورع و اتقاداری
(ح) حقیقت را طریقت را شریعت نیز عرفاں را
(ا) انیس و ہمدم و غمخوار و یار و آشنا داری
(ج) جلالت را سیادت را سیاست را شجاعت را
(ی) یمین و ہم یسار و پیش و پس با صد صفاداری
(ح) حق آگاہ و خدا جو و خدا فکرت خدا ذکرت
(ا) امیر کشورِ عرفان و دل سوئے خدا داری
(ف) فقیہ روزگار و عالم و علامۂ دوراں
(ظ) ظہورِ جلوۂ حق را بروئے پُر ضیا داری
(س) سریر آرائے اقلیم سخاوت مرجع عالم
(ی) یدِ پُر جود و خلق و ہمت جد و آبا داری
(د) دلت آئینۂ عرفان تنت گنجینۂ ایقاں
(و) وحیدِ روزگار و زہدِ بے ریب و ریا داری

(ا) اُلوالعزمے تو در ملکِ ہمت شہرتے دارد
(ر) رحیم الطبع عالی درجت و دستِ سخا داری
(ش) ثنا و حمد و نعت و منقبت در دلبت ہر دم
(ع) عدیلِ تو کجا تو تاجِ فقر و اتقا داری
(ل) لبِ معجز نمایت وا نماید عقدۂ لاینحل
(ی) یم لطف و کرم جاری برائے ہر گدا جاری
(ش) شرافت ملکِ آبائی و ہمت ملکِ موروثی
(ا) اولی العزمِ جہان و رحم و خلقِ مصطفیٰ داری
(ہ) ہمہ خاک درت را سرمہ می گویند در عالم
قسیم النّار والجنّۃ چنیں جدّ و ابا داری
(و) ولیِّ عصرمے دانند ترا ہر عامل و فاضل
ہمائے اوجِ عرفان و شرف بے انتہا داری
(و) شب و روزت بہ شغلِ طاعتِ حق قطع مے گردد
ریاضِ بے خزانِ طاعتِ ربّ العلا داری
(و) دیارِ فیض آبادست از یمنِ قدومِ تو
امیرانِ جہاں را بر درِ خود چوں گدا داری
(و) مرادِ دل نہ چوں یابد گدائے آستانِ تو
متاعِ پیروئے حضرتِ خیرالوریٰ داری
(و) جمالِ شاہدِ جود و سخائے خود نما ما را
دلِ بے کینہ و شفاف چوں ماہ و سہا داری
(و) کرم فرما بحالِ زار و مضطر اے کرم گستر
متاعِ پیروئے حضرتِ خیرالوریٰ داری

مشاغلِ محبّت

اہلِ اسلام میں جو مقدس رسمیں جاری ہیں جن سے محبتِ خدا اور رسول و اہلبیتؑ

کرام و اولیائے عظام کا سبق ملتا ہے اُن سے حضورِ انور کو خاص دلچسپی تھی اور اس قسم کے ذکر و اذکار سے نہایت مسرت کا اظہار فرماتے تھے۔

مولود شریف

میلادِ خیر العباد حضرت سید عالم فخرِ بنی آدم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص شوق تھا اور حضورِ پُرنور زمانۂ شباب میں بہت زیادہ شرکت فرماتے تھے بعد ختم میلاد پنج آیت خود بھی پڑھتے اور محفل میں جو حافظ و قاری حاضر ہوتے اُن سے پڑھواتے تھے۔

محافلِ میلاد میں فضائلِ درود شریف، معجزات و حالات ولادت باسعادت ذکرِ معراج شریف وغیرہ جو محبت کے متعلق بیانات ہیں حضورِ انور کے رُوبرو پڑھے جاتے تھے۔

صحیح و مستند حالات سماعت فرماتے تھے اور قیام نہایت ادب و احترام سے کرتے تھے اور اس تقریبِ سعید پر بہت اظہارِ مسرت فرماتے تھے۔ حضور کی جانب سے بھی اکثر محفلِ میلاد شریف ہوتی تھی، آخر زمانہ تک حضورِ انور کو محفلِ میلاد کا شوق رہا ہے۔

چنانچہ مولینا مولوی سید شاہ ابو محمد علی حسن صاحب قبلہ اشرفی الجیلانی مسند آرائے کچھوچھہ شریف لکھتے ہیں کہ جب حضرت حاجی صاحب قبلہ نے ترکِ سفر فرمانے کے بعد دیوہ شریف میں اقامت فرمائی ہے تو آپ کی رحلت سے چند سال قبل محض بغرضِ ملاقات میں نے دیوہ شریف کا قصد کیا میرے پہنچنے سے ایک روز قبل آپ نے شاہ فضل حسین صاحب وارثی سجادہ نشین حضرت شاہ ولایت سے ارشاد فرمایا:

"شیرینی تیار کراؤ کل میلاد شریف ہوگا"

چنانچہ دوسرے دن دس بجے دن کو میں پہنچا تو شاہ فضل حسین صاحب کے پاس مقیم ہوا۔

شاہ فضل حسین صاحب نے اثنائے گفتگو میں تذکرہ کیا:
"آپ نے حضرت صاحب قبلہؒ کو اپنے آنے کی اطلاع دی ہوگی، جو مولود شریف کے لیے مٹھائی تیار کرا رکھی ہے۔"
میں نے کہا:
"اولیا اللہ کے دل روشن ہوتے ہیں، ان کو اپنی روشن ضمیری سے میرے آنے کا حال معلوم تھا۔"
اس روز بھی محفلِ میلاد منعقد ہوئی اور شب کو پھر آپؒ نے فضل حسین شاہ صاحبؒ سے ارشاد فرمایا:
"کل پھر شاہ صاحب سے میلاد شریف پڑھواؤ"، چنانچہ شیرینی تیار ہوئی اور دُوسرے روز بھی محفلِ میلاد شریف منعقد ہوئی اور دوسرے ہی روز بعد ختمِ میلاد شریف میں آپؒ سے رخصت ہوا۔

گیارھویں شریف

اسی طرح حضورِ پُرنور گیارھویں شریف کی تقریبوں سے بہت شاد ہوتے تھے اور خود بھی آپ کی طرف سے انتظام ہوتا تھا۔ مگر آخر زمانہ میں شرکت کم ہوتی تھی اور ہوتی بھی تھی تو بہت تھوڑی دیر کے لیے
جب کوئی شخص فاتحہ کے لیے شیرینی وغیرہ لاتا تو حضورِ پُرنور خود بھی فاتحہ دیتے تھے۔
چنانچہ مولوی بشیر الزماں صاحب رئیس سندیلہ تحریر فرماتے ہیں:

"شعبان المعظم کی گیارھویں تاریخ ایک مرتبہ مجھکو دیوہ شریف میں ہوئی میں نے حسبِ معمول حضرت غوث صمدانی محبوبِ سبحانیؓ کی نذر کے لیے شیرینی منگائی اور عصر کے وقت وہ شیرینی حضورِ اقدسؒ میں بغرضِ فاتحہ پیش کی حضور انور اس وقت استراحت میں تھے فوراً اٹھ بیٹھے اور مجھ سے اشارہ نذر کرنے کا فرمایا۔ چونکہ مدت سے بخیالِ ادب میں کھڑے ہو کر

فاتحہ دینے کا عادی ہوں اس لیے میں نے جیسے ہی اٹھنے کا قصد کیا حضورؒ نے فوراً ارشاد فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ میں بہ تعمیلِ ارشادِ عالی بیٹھ گیا اس عجلت نشست و برخاست میں پاؤں کی رگ چڑھ گئی اور اس شدت و بےچینی کا درد شروع ہوا کہ تمام جسم میں پسینہ آگیا، چہرے کی رنگت تبدیل ہوگئی اسی کلفت میں، میں نے حضورؒ انور کی طرف دیکھا تو آپؒ دستِ مبارک اٹھائے ہوئے سورۂ فاتحہ پڑھ رہے تھے اور چشمِ نیم باز سے میری طرف دیکھ رہے تھے اور تبسم فرما رہے تھے۔ میں درد کی شدت اور بے چینی سے بار بار حضورؒ انور کی طرف دیکھتا تھا اس وقت کا نظارہ عجیب دلفریب تھا ہر بار یہی دیکھنے میں آتا تھا کہ حضورؒ انور چشمِ نیم باز سے میری طرف نظر فرما رہے ہیں اور متبسم ہیں۔

واللہ ثم باللہ اس وقت کی غلط انداز نظر اور خفیف سی مسکراہٹ عجیب و غریب سماں پیدا کر رہی تھی کہ باوجود شدتِ درد اور بے حد تکلیف کے، قلب پر ایسا نشاط انگیز اثر تھا اور ایسی لذتِ روحانی و کیفیتِ وجدانی حاصل تھی جس کا ذائقہ اب تک خیال میں آتا ہے تو خاص لطف و اثر محسوس ہوتا ہے اس وقت میں خیال کر رہا تھا کہ اس نزولِ رحمت نے کم سے کم اب تک کے گناہوں سے ضرور پاک و صاف کر دیا ہوگا۔ اگرچہ اس نذر میں بہت کم وقت صرف ہوا مگر جو لذتِ روحانی حاصل تھی وہ سالہاسال کے مجاہدات و ریاضات پر شرف رکھتی تھی۔

جیسے ہی فاتحہ ختم ہوئی حضورؒ انور نے مجھکو مع شیرینی رخصت کر دیا میرا خیال تھا کہ بعد فاتحہ خدا جانے کتنی دیر تک یہ درد رہے گا مگر عجیب لطف ہوا کہ فوراً ہی وہ درد بھی کافور ہو گیا آخر زمانہ میں وقتِ فاتحہ حضورؒ پر نور کو نشست ہی میں دیکھا گیا ہے مگر ادب سے جو لوگ کھڑے ہو جاتے تھے اُن کو منع نہیں فرماتے تھے۔

محرم شریف

اسی طرح ماہِ محرم میں حضورؒ پر نور تعزیہ خانوں میں جاتے تھے اور اب آخر زمانہ میں بھی دیوہ شریف

میں چھوٹی بی بی اور گھسیٹے میاں کے تعزیوں میں جاتے تھے۔ کبھی تھوڑی دیر نشست فرماتے اور کبھی سامنے کھڑے ہو کر چلے آتے تھے۔

صبح کو کل بستی کے تعزیئے آپ کے دروازے پر آتے تھے حضورِ انور اُس وقت باہر تشریف رکھتے تھے اور کھڑے ہوئے دیکھتے رہتے تھے۔ جب تعزیہ دار تعزیوں کو لیکر چلے جاتے تھے اس وقت حضورِ انور اندر تشریف لاتے تھے۔

تعزیوں کو دیکھتے وقت چہرۂ انور کی عجیب حالت مشاہدہ میں آتی تھی اور دیر تک حضورِ انور عالمِ سکوت میں رہتے تھے۔ عشرۂ محرم اور چہلم کے روز آستانہ عالی پر سبیل رکھی جاتی تھی۔

صاحبِ تحفۃ الاصفیا نے لکھا ہے کہ حضورِ انور ابتدائے یکم محرم سے تلاوت قرآن شریف زیادہ فرماتے تھے مگر اب آخر زمانہ میں تو بدرجہ نہایت سکوت دیکھا گیا ہے۔

غرۂ محرم سے عشرہ تک آپ مرثیے بھی سنتے تھے مگر اہل بیت کرام رضی کی شجاعت و بہادری کے تذکرے اور صحیح روایات جو مستند ہوتی تھیں سماعت فرماتے تھے اگر بین وغیرہ کا کوئی بند پڑھا جاتا تو ارشاد فرماتے تھے یہ غلط ہے وہ تو تسلیم و رضا پر قائم تھے۔ ایسا نہیں ہوا یہ رونے رلانے کے لیے بنائے ہیں"۔ حضورِ انور کو صحتِ واقعات کا بہت خیال رہتا تھا۔

شیخ حسین علی صاحب وارثی متخلص نواب سے ایک مرتبہ عشرۂ محرم حضورِ انور نے ارشاد فرمایا:

"تم نے کوئی نوحہ نہیں لکھا؟"

انہوں نے اسی روز دو نوحے تصنیف کر کے پیش کیے آپ نے نہایت سکوت سے اُن کو سُنا اور سننے کے بعد ارشاد فرمایا:

"یہ خلافِ روایت نہیں ہیں۔"

آپ اُنہیں روایات کو پسند فرماتے تھے جو صحت پر مبنی ہوتی تھیں۔ جو امور کہ مذہباً اور شرعاً ممنوع ہیں ان سے احتراز فرماتے تھے اور کوئی فعل ایسا کبھی حضورِ

کی ذات منبع الصفات سے ظہور میں نہیں آیا جو خلافِ تسلیم و رضا ہو. اس کی ہر حال میں پابندی تھی محرم میں عشرہ تک آپؒ سماع وغیرہ نہیں سنتے تھے. ایک خاص حالت رہتی تھی۔

ذوقِ سماع

بزرگانِ متقدمین کی روایت سے معلوم ہوا ہے کہ ابتداءً حضورِ انور کو سماع سے بہت شوق تھا اور بکثرت مجالسِ سماع میں شرکت فرماتے تھے مگر وجد و حال میں حضورِ انور کو بہت کم دیکھا گیا ہے۔

حضورِ انور کے ایامِ طفولیت کی کچھ روایات مشہور ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؒ کو اجمیر شریف اور شکوہ آباد میں کیفیت ہوئی اور حضورِ پرنور کی کیفیت سے تمام مجلس مست و مدہوش ہو گئی مگر زمانۂ شباب کے بعد کی کوئی ایسی روایت سننے میں نہیں آئی جس سے یہ معلوم ہو کہ آپؒ کو سماع میں ایسی کیفیت و حالت ہوئی ہو جسے ظاہر بین نگاہیں وجد و حال سے تعبیر کریں. ضبط و اخفا حضورِ انور کا خاص شعار رہا ہے. اب آخر زمانہ میں حضورِ انور سال بھر میں صرف ایک مرتبہ اپنے والد بزرگوار حضرت سیدنا و مولینا حافظ سید قربان علی شاہ صاحب کے عرس شریف میں سماع سنتے تھے. آستانۂ عالی کے باہر جو چبوترہ تھا اس پر نشست فرماتے تھے اور ایک غزل سن کر ارشاد فرما دیتے تھے :

"بس."

البتہ بعد نمازِ ظہر کے بعد

حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی دو چار غزلیں خوش الحانی سے حضورِ انور کو سناتے تھے تو آپؒ بہت شوق سے سنتے تھے اور عاشقانہ کلام نہایت مرغوبِ خاطرِ اقدس تھا مگر آخر زمانہ میں مجالس میں بہت کم شرکت فرماتے تھے. جو بالکل نہ ہونے کے برابر تھی صرف دستور سا ہو گیا تھا کہ آپؒ اپنے والد ماجد قدس سرہ العزیز کے عرس میں چند منٹ کی نشست فرماتے تھے ورنہ کہیں شریک نہیں ہوتے تھے

البتہ گانے والوں کی دلداری کے خیال سے اجازت دیدیتے تھے۔ مگر وہ بھی صرف چند منٹ کے لیے۔

مولوی سید شرف الدین صاحب قبلہ وارثی مدظلہ العالی (آنریبل جسٹس پٹنہ ہائی کورٹ) تحریر فرماتے ہیں کہ حضور انور جب بانکی پور میں تشریف لائے تو ایک انبوہ خلائق تھا اور دو نامی طوائف حیدر اور چھٹن بھی موجود تھیں۔ حیدر کو گانے کی اجازت ملی مگر اس کمرہ میں گانے کی اجازت نہیں ملی جس میں حضور انور تشریف رکھتے تھے بلکہ دوسرے کمرہ میں گانے کے لیے ارشاد ہوا اور دو چار منٹ کے بعد ہی حضور انور نے حکم دیا:

"اب گانا بند کرو۔"

آخر زمانہ میں حضور شرکت نہیں فرماتے تھے۔ عین الیقین میں لکھا ہے کہ جب حضور انور عظیم آباد تشریف لے گئے تو آنریبل مولوی سید شرف الدین صاحب قبلہ (جسٹس پٹنہ ہائی کورٹ) نے حضور انور کی تشریف آوری کی تقریب میں سماع کا نہایت اعلیٰ پیمانہ پر اہتمام کیا تھا۔ جب محفل میں مجمع ہو گیا تو جناب مولوی مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب شیدا وارثی حضور کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور پُر نور محفل میں تشریف لے چلیں۔ آپ نے فرمایا:

"میں یہاں سے بھی ویسا ہی دیکھتا ہوں۔"

حضور انور کے اس ارشاد سے شیدا میاں پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی انہوں نے بچشمِ خود دیکھا کہ دیواروں کے حجاب سامنے سے بالکل اُٹھ گئے اور اور جلسہ کا منظر پیشِ نظر ہے۔

یہ واقعہ دیکھ کر مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب شیدا وارثی خاموش چلے آئے اور پھر اصرار نہیں کیا۔

حق یہ ہے کہ حضور پُر نور کے سامنے سب کچھ روشن تھا۔ حضور انور شرکت نہیں فرماتے تھے اور محفلیں ہوا کرتی تھیں فیوض و برکات کا نزول ہوا کرتا تھا۔

محویت و استغراق

آخر زمانہ میں حضور انور کی عدم شرکت مجالس سماع وغیرہ کا یہ سبب بھی قیاس میں آتا ہے کہ ہر وقت محویت و استغراق کا غلبہ رہتا تھا۔

اگرچہ حضور انور ہر وقت بیدار رہتے تھے مگر آنکھیں بند رہتی تھیں اور کئی کئی وقت خورد و نوش کی نوبت نہیں آتی تھی۔ خدام بمشکل تمام حضور انور کو مخاطب کر سکتے تھے اور خورد و نوش کی توجہ دلاتے تھے۔ نماز کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ جب نماز پڑھتے تو ایک شخص پاس بیٹھ جاتا تھا اور بعد ختم نماز حضور انور اُس شخص سے استفسار فرماتے کہ نماز ٹھیک ہو گئی؟ اگر وہ عرض کرتا کہ ہو گئی تو خیر ورنہ دہراتے تھے۔ گویا نماز اُس شخص کی رائے پر تھی۔ اُس نے اگر کہدیا کہ ہو گئی تو ہو گئی۔

ہر ایک رکنِ نماز بہت دیر میں ادا فرماتے تھے اور بعد نماز مغرب انگلیوں پر کچھ کچھ پڑھنے کا بھی معمول تھا۔ غلبۂ محویت و استغراق اسقدر تھا کہ ایک مرتبہ حضور انور شکوہ آباد سے جب ملاؤلی ضلع مین پوری کو جانے لگے تو پالکی کا پٹ بند کرنے میں حضور انور کے دستِ اطہر کا انگوٹھا دب گیا۔ ملاؤلی جب پٹ کھولا گیا تو وہ انگوٹھا نکلا جس پر بہت ورم آگیا تھا اور اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ نہایت سخت تکلیف ہے۔ مگر آپ نے زبانِ مبارک سے اُف نہ کی نہ کچھ فرمایا۔

یہ غلبۂ محویت تھا۔

بعض اوقات غلبۂ استغراق میں لوگوں کو نہیں پہچانتے تھے اور زائرین کی نسبت بار بار دریافت فرماتے تھے:

"کون ہے؟"

حضور انور کی ان حالتوں سے بعض لوگوں کو قسم قسم کے خدشات بھی پیدا ہوئے جن کا برجستہ جواب ملا۔

چودھری خدا بخش صاحب وارثی جو ایک معمر بزرگ ہیں اور بارگاہ

دارثی میں شرف قدامت رکھتے ہیں بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؒ انور کو دیکھ کر ایک شخص کو خیال پیدا ہوا کہ جب آپؒ ایسے بیخبر ہیں کہ خاص خدام کو کئی کئی مرتبہ دریافت فرماتے ہیں تو عام مریدوں کو کیا پہچانیں گے۔ اس کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوتے ہی حضورؒ نے چشمِ مبارک کھولدی اور خادم سے ارشاد فرمایا:

"ان کو ایک تہہ بند دیدو۔"

جب وہ تہہ بند لیکر واپس آیا اور احرام شریف کھول کر دیکھا تو اُس کے چاروں گوشوں پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر ششدر ہو گیا اور اپنے خدشہ پر سخت نادم ہو کر لوگوں سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔

اسی طرح کا واقعہ مولوی قیم الدین پنشنر انسپکٹر مدارس سے بھی پیش آیا ہے کہ انہوں نے حضورؒ انور کی حالتِ کیف واستغراق مشاہدہ کرکے خیال کیا کہ حضورؒ انور کو اس حالتِ محویت میں اپنے مریدوں کی کیا خبر ہوگی وہ اسی خیال میں تھے اور کئی مرتبہ ان کے دل میں یہ خیال آچکا تھا کہ حضور انور نے سرِ اقدس کو خفیف سی جنبش دی۔ مولوی قیم الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں، کہ میں نے بچشمِ خود دیکھا کہ حضور انور کی پیشانیٔ مبارک کے محاذی ایک تختی ہے اس میں تمام مریدین مثلِ تصویر گروپ کھڑے ہیں۔

اس قسم کے اکثر واقعات پیش آئے ہیں جن سے حضورؒ انور کی بے خبری میں اس قدر باخبری کا پتہ ملا ہے کہ تعجب خیز و حیرت انگیز ہے۔

حالانکہ غلبۂ محویت واستغراق میں حضورؒ انور کو تن بدن کا بھی ہوش نہیں رہتا رہتا تھا اور نہ سردی گرمی کا احساس تھا مگر اس حالت میں بھی جو واقعات ظہور میں آتے تھے محوِ حیرت کر دیتے تھے۔

یہ اور بھی لطف ہے کہ حضورؒ انور کی حالتِ کیف واستغراق کو دیکھ کر لوگوں پر بھی یہی حالت طاری ہو جاتی تھی مگر آپؒ کی ذاتِ بابرکات سے عجیب باخبر امور کا ظہور ہوتا تھا۔ عقد انامل ہر وقت جاری رہتا تھا کبھی ترک نہیں ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ حضورِ انور کی خدمتِ بابرکت میں بطورِ استفسار عرض کیا گیا کہ لوگوں کو مجلسِ سماع میں حال آتا ہے یہ حال آنا کیسا ہے۔

فرمایا:

"خدا کی رحمت ہے، بہت اچھا ہے بہت اچھا ہے۔"

تھوڑی دیر میں ایک اور شخص نے سوال کیا کہ "اکثر لوگ سماع میں حال لاتے ہیں یہ حال لانا کیسا ہے"۔

فرمایا:

"حرام ہے اور حال لانے والا مردود ہے۔"

خدام کو تعجب ہوا کہ ایک ہی قسم کے سوال کے جواب میں حضورِ انور نے دو متضاد باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ اس لیے خدمتِ عالی میں پھر استفسار کیا گیا تو ارشاد فرمایا:

"پہلا سوال حال آنے کی نسبت تھا اور دوسرا سوال حال لانے کی بابت تھا پس خود بخود حال لانا کیونکر درست ہوسکتا ہے۔"

حضورِ انور کی کیفیاتِ استغراق کو دیکھتے ہوئے ایسی باتوں سے نہایت تعجب ہوتا تھا کہ سوال کرنے والوں کے الفاظ پر کس درجہ لحاظ ہے کہ جیسا سوال ہوتا ہے ویسا ہی جواب ملتا ہے۔

ان واقعات و حالات پر نظر کرتے ہوئے یہ بات کامل طور پر متحقق ہوتی ہے کہ آپؒ ابوالوقت تھے اور آپؒ کی ذات مستجمع الصفات جو خداوند قدیر کی خاص قدرتوں کا سرچشمہ تھی ہر ایک حالت پر غالب رہتی تھی۔ حالانکہ حضورِ انور کی جو حالت تھی وہ نہایت بیخودی و از خود رفتگی کی تھی جیسا کہ مولینا شاہ سید علی حسن صاحب اشرفی الجیلانی مسند آرائے کچھوچھہ شریف کا قول نقل کیا گیا ہے کہ "لوگ یہ سمجھتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب قبلہ ہم سے کلام کرتے ہیں اور حضرت توجہ الی اللہ میں ایسے محو تھے کہ کلام کرانے والا کلام کرتا تھا ان کو خبر بھی نہ تھی۔"

مولینا ممدوح یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب قبلہ

نے فرمایا:

"ابھی ہمکو وضو کرنے کی ترکیب یاد ہے"

اللہ رے محویت ۔ !

استماع قصص و حکایات

اسی عالم محویت و استغراق میں حضورِ انور کے بعض ایسے مشغلے بھی تھے جو بظاہر نہایت تعجب سے دیکھے جاتے تھے۔

زمانۂ طفولیت سے حضورِ انور کو قصص و حکایات سننے کا شوق تھا، چنانچہ آخر زمانہ تک یہ مشغلہ جاری رہا۔

بوقتِ استراحت حضورِ انور عاشقانہ قصص و حکایات سنا کرتے تھے گیارہ بارہ بجے شب تک یہ شغل رہتا تھا۔ قاضی بخشش علی صاحب زمیندار گدیہ اور شیخ تراب علی صاحب اکثر داستان گوئی کی خدمت انجام دیتے تھے، ہر روز نئی کہانی کی فرمائش ہوتی تھی۔

قاضی بخشش علی صاحب کا بیان ہے:

"جب میں حضور سے علیحدہ ہوتا تو کہانیاں ہی سوچتا رہتا تھا"

جب حضور پر نور استفسار فرماتے تھے:

"اتنی دیر تک کہاں رہے تو عرض کرتا تھا کہ کہانیاں سیکھ رہا تھا۔ داستان گوئی کی حالت میں جب ہم دیکھتے کہ آپ بالکل ساکت ہیں تو ہم بھی خاموش ہو جاتے تھے مگر ہماری خاموشی پر آپ معاً استفسار فرماتے:

"ہاں پھر کیا ہوا؟"

جب ہم پر نیند کا زیادہ غلبہ ہوتا اور بھول جاتے کہ اب کہاں سے کیا کہیں تو آپ پورا پتہ دیتے تھے اور قصہ کے کچھ فقرات دہرا کر بتاتے تھے کہ تم نے یہاں تک کہا ہے۔ حضورِ انور ہر ایک قصہ کا ایسا نتیجہ ارشاد فرماتے تھے جو خاص

تعلیمات پر مبنی ہوتا تھا۔

جب قاضی بخشش علی صاحب اور شیخ تراب علی صاحب موجود نہیں ہوتے تھے تو حاضرین میں سے کوئی نہ کوئی داستان گوئی کرتا تھا۔ یہ قاعدہ تھا کہ داستان گو جیسے ہی خاموش ہوا آپؒ نے فوراً ٹوک دیا۔

حضورؒ انور ہر وقت بیدار رہتے تھے۔ آپؒ کو سوتا ہوا تو کبھی کسی نے پایا ہی نہیں مگر یہ اور لطف تھا کہ داستان سنتے وقت حضورؒ انور دونوں کانوں میں خوب اچھی طرح روئی بھر لیا کرتے تھے۔

دیگر اوقات میں بھی دونوں کانوں میں روئی رہتی تھی اور وہ ہمیشہ بدل جایا کرتی تھی۔ حضورؒ انور کے عادات میں جو بات داخل تھی وہ اپنی نوعیت میں فرد تھی یہ داستان گوئی جو ہوتی تھی اس میں بھی وہی مضامین عشق و محبت ہوتے تھے اور ان کے نتائج سے خاص تعلیمات ہوا کرتی تھیں۔ کبھی کبھی دن میں بھی یہ مشغلہ رہتا تھا۔ حضورؒ انور کی محفل میں خلوت در انجمن کا منظر ہر وقت رہتا تھا۔

عادات و خصائل

حضورؒ انور اپنے عادات و خصائل میں بھی ممتاز تھے صداقت شعاری کو بہت پسند فرماتے تھے مگر یہ حُسنِ خلق تھا یا خاکساری و انکساری کہ کبھی سخت لہجہ میں کسی کو تہدید و تنبیہ نہیں فرماتے تھے۔

مزاج عالی میں کسی قدر ظرافت بھی تھی جو لازمۂ ذہانت و جودت ہے۔ بسا اوقات خدام و مریدین سے خوش طبعی فرماتے تھے۔ مگر وہ بھی صداقت و تعلیم سے خالی نہ ہوتی تھی۔

مولوی سیّد غنی حیدر صاحب قبلہ وارثی ناقل ہیں کہ آخر مرتبہ جب حضورؒ انور (آنریبل جسٹس) مولوی سیّد شرف الدین صاحب بالقابہ کے دولت خانہ پر تشریف لائے تو خوب ساز و سامان ہوئے۔ حضورؒ انور کی رہائش کا کمرہ نہایت بیش بہا اور پرتکلف چیزوں سے سجایا گیا تھا جب آپ رخصت ہونے

لگے تو مولوی سید شرف الدین صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا:
"بالشرط! اب ہم جاتے ہیں تم اپنی سب چیزیں دیکھ لو"
انہوں نے عرض کیا کہ بہت اچھا اور ادھر ادھر دیکھ کر کہا کہ سب چیزیں موجود ہیں مگر دل نہیں ملتا۔ مولوی سید شرف الدین صاحب جو حضورِ پرنور کی نگاہ میں نہایت محبوب تھے اُن کی اس خداداد ذہانت اور حاضر جوابی پر حضورِ انور نے تبسم فرمایا اور ان کو گلے سے لگا لیا۔

جو اہلِ کمال خدمتِ عالی میں حاضر ہوتا آپؒ اس کو اس کے منشا کے موافق انعام و اکرام مرحمت فرماتے کبھی کسی بات پر ایسے الفاظ ارشاد نہیں فرماتے تھے جس سے یہ پایا جائے کہ آپؒ کو فلاں فن یا ہنر کی طرف خاص رغبت و رجحان ہے آپؒ اس قدر رحم دل واقع ہوئے تھے کہ جب کوئی غرض مند حضورِ انور کو اپنی طرف متوجہ نہ دیکھتا تو وہ طرح طرح سے آپ کو متوجہ کرتا تھا کوئی چاقو لیکر سامنے آتا اور کوئی پتھر لیکر اور آپؒ کو ڈراتا کہ ابھی خودکشی کر لیتا ہوں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالتا ہوں آپؒ ان افعال سے سہم جاتے تھے اور امید افزا کلمات ارشاد فرماتے تھے اس وقت وہ لوگ حضور کا دامن چھوڑتے تھے۔

خدام بھی بعض اوقات لوگوں کو ایسی تدبیریں بتایا کرتے تھے۔ ان حرکتوں سے بعض اوقات حضورِ انور کے چہرۂ مبارک پر آثارِ جلال بھی نمایاں ہوتے تھے اور آپؒ الجھ جاتے تھے۔ مگر وہ اُلجھنا ہی گویا سائل کے عقدۂ مالاینحل کا سلجھنا تھا۔ عجیب انداز تھا باوجود ہر ایک بات کا علم رکھنے کے آپؒ ان کے فقروں میں آجاتے تھے۔

حضورِ انور جب پیادہ پا طے مسافت فرماتے تو ایسی تیز چال سے چلتے تھے کہ اچھے اچھے چلنے والے دوڑ کے بھی آپؒ کے ہمراہ نہیں چل سکتے تھے۔

ہر دو چشمانِ مبارک پر انگشتِ شہادت سے بار بار لعابِ دہن شریف پھیرتے رہتے تھے۔ نماز جمعہ ہمیشہ مسجد میں ادا کرنے کی عادت تھی۔ قیام دیوہ شریف کے زمانہ میں حضورِ انور شاہ فضل حسین صاحب وارثی رحمتہ اللہ علیہ کی مسجد میں نماز جمعہ ادا فرماتے تھے اور ماہِ رمضان المبارک میں دو قرآن شریف اسی مسجد میں ختم

کراتے تھے۔

حافظ عبدالقیوم صاحب کرنالی حضورؒ پرنور کے ایما سے اس مسجد کے مستقل پیش امام تھے۔ کبھی کبھی شاہ فضل حسین صاحب وارثیؒ بھی نماز فریضہ کے امام ہو جاتے تھے۔

رمضان المبارک میں بعد ختم تراویح حضورؒ انور طعام تناول فرماتے تھے۔ دیوہ شریف میں اور بحالت سفر جس شہر میں آپؒ مقیم ہوتے اس شہر میں جمعہ اور عیدین کے مواقع پر حضورؒ انور بیشتر سے وہاں کے خطیبوں اور پیش اماموں کو مختصر خطبہ پڑھنے کے لیے ہدایت فرمادیا کرتے تھے۔

ہر سال حضورؒ پرنور بیس پچیس جلدیں قرآن شریف کی منگوا کر غربا و مساکین کو تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ جب کھانا سامنے آتا تو بیشتر دریافت فرماتے :

"مہمانوں کو پہنچ گیا؟"

جب عرض کر دیا جاتا تھا کہ پہنچ گیا۔ تب طعام تناول فرماتے تھے بستر مبارک سے تنکے وغیرہ چُن چُن کر پھینکنے کی عادت تھی اور دستِ مبارک سے اکثر بستر کو جھاڑتے رہتے تھے۔

آپؒ کی حیا و شرم ضرب المثل تھی جسم اطہر کا ہر ایک حصہ احرام شریف سے چُھپا رہتا تھا، آنکھیں نیچی رہتی تھیں۔ حالتِ سفر میں رفع حاجت یا استنجا کی ضرورت ہوتی تو اس قدر دُور چلے جاتے تھے کہ ہمراہیوں کی نگاہوں سے بالکل پردہ ہو جائے۔ جو خدام حضورؒ پرنور کو غسل کرواتے تھے وہ مخصوص تھے، ان میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا تھا۔

قہقہہ مار کر آپؒ کبھی نہیں ہنستے تھے۔ آپؒ کی ہنسی کی آواز کبھی ذرا بھی محسوس نہیں ہوئی۔ زیرِ لب تبسم فرماتے تھے۔ اور اس پر بھی بلہائے مبارک پر دستِ اطہر رکھ لیتے تھے۔

حضورؒ انور اکثر فقیر بنانے اور تہبند مرحمت فرماتے وقت اپنے فقرا کا نیا نام بھی رکھ دیتے تھے۔

سُرمہ کنگھا دونوں وقت ہوتا تھا۔ صبح کو اور تیسرے پہر کو سر اقدس میں تیل ڈالا جاتا تھا۔ حضورِ پر نور کے بالوں کو کبھی خشک نہیں دیکھا گیا۔

آخر عمر تک آپؒ نے باریک اور شکست خطوط بغیر عینک کے پڑھے ہیں۔ آپؒ ہر قسم کے خط بے تکلف پڑھ لیتے تھے مگر مدت العمر آپؒ نے دستِ مبارک سے کوئی خط تحریر نہیں فرمایا حتیٰ کہ کبھی دستخط بھی نہیں فرمائے۔ تمام عمر میں صرف دو ایک الفاظ لوگوں کے بیحد اشتیاق اور اصرار سے تحریر فرمائے ہیں، جو جناب مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب شیدا وارثی اور قاضی بخشش علی صاحب کے پاس محفوظ ہیں۔

مریدین و متوسلین کے باہمی اتحاد سے حضورِ پر نور بہت شاد ہوتے تھے۔ اکثر آپس میں بھائی چارہ کرا دیتے تھے اور دو شخصوں کو مخاطب کر کے کہتے تھے کہ تم اور فلاں شخص بھائی ہو۔ جیسے جناب مولوی سید شرف الدین صاحب قبلہ وارثی (آنریبل جسٹس پٹنہ ہائی کورٹ) سے مولوی صفدر حسین صاحب سب جج و رئیس گورکھپور کی نسبت ارشاد فرمایا کہ:

"تم اور صفدر حسین بھائی ہو"

بعض سے خود ارشاد فرماتے اور بعض کے ساتھ حضورِ انور کی مقدس روحانیت امداد کرتی اور طریق عمل سے بھائی چارہ ہو جاتا تھا۔

حسنِ اخلاق

حضورِ انور کی ذاتِ بابرکات میں دیگر صفاتِ حسنہ کی طرح حسنِ خلق بھی مابہ الامتیاز تھا جس میں اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کی پوری جھلک تھی، جو شخص حاضر آستانہ عالی ہوتا وہ آپؒ کے حسنِ اخلاق سے بیحد متاثر ہو کے جاتا تھا۔ حضورِ انور مخلوقِ الٰہی سے اس قدر حُسنِ خلق اور شفقت و محبت کا برتاؤ فرماتے تھے کہ جس پر ہر شخص فخر و ناز کرتا تھا۔

اکثر مریدین کے حاضر ہونے پر آپ ازراہِ شفقت و محبت کھڑے ہو جاتے

اور معانقہ فرماتے تھے اور نام بنام گھر کے سب لوگوں کی خیریت پوچھتے تھے۔ اگر حالتِ سفر میں بھی کسی شہر یا قریہ کا کوئی شخص حضورؒ کو ملتا تو آپؒ اس سے وہاں کے لوگوں کی خیریت دریافت فرماتے تھے۔

مریدین یا خدام میں سے اگر کوئی کسی سے خطا سرزد ہو جاتی تو آپؒ اس سے چشم پوشی فرماتے تھے۔

کوئی شخص کسی کی اُس کی غیبت میں شکایت کرتا تھا تو آپؒ اس وقت شکایت کرنے والے کی تشفی فرما دیتے اور اپنا ملال ظاہر فرماتے تھے مگر جب وہ شخص جس کی شکایت ہوئی تھی حضورِ انور کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوتا تو اس سے کچھ نہ کہتے اور ایسے الفاظ ارشاد فرماتے تھے جن سے آئندہ کے لیے وہ تائب ہو جاتا تھا اور اس ندامت و شرمندگی کے بعد اُس کو خاص طور پر موردِ عنایات کرتے اور انعام و اکرام سے اس کی ایسی دلجوئی فرماتے تھے کہ شکایت کرنے والوں کو تعجب ہوتا تھا خواہ کسی شخص سے حضورِ انور کا مزاج عالی کیسا ہی برہم کر دیا جائے مگر خطا دار کو سامنے جانے کی دیر تھی سَبَقَتْ رَحْمَتِي عَلٰى غَضَبِي کا سماں آنکھوں کے سامنے آجاتا تھا ؎

کریم کے جو کرم کا ظہور ہوتا ہے
خطا سے پہلے ہی عفوِ قصور ہوتا ہے

اگر کسی شخص کی کسی بات پر اظہارِ ناراضی فرماتے تو وہ شخص اس وقت سامنے سے چلا جاتا تھا اور جب تھوڑی دیر میں وہ پھر حاضر ہوتا تو اس کو گویا اپنی ناراضی پر اظہارِ شرمندگی فرماتے تھے اور اس کو کچھ نہ کچھ مرحمت بھی فرماتے تھے۔ یہ حضورِ پرنور کا اخلاق تھا کہ باوجود ہر شخص کی حالت آئینہ ہونے کے آپؒ کسی کو جھٹلاتے نہ تھے اور ہر شخص کی بات کو صحیح باور کر لیتے تھے۔ کبھی کسی شخص کو حضورِ انور کے اخلاق نے اس بات پر نادم نہ ہونے دیا اور نہ کبھی کسی کو یہ شکایت پیدا ہوئی کہ آپؒ نے اس کی بات کو صحیح نہ سمجھا۔

بعض خدام پر ایسی خفگی بھی ہوئی کہ لوگوں کو کسی طرح یقین نہیں ہوتا تھا کہ

بالقابہٖ احرام شریف لائے آپؒ نے اس کو زیبِ جسم فرمایا۔ اس وقت میں پشیمانی سے مُنھ دیکھ کر رہ گیا۔ معاً حضورِ انور نے میری طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا:

"اس میں (یعنی کپڑے میں) دھرا کیا ہے؟"

حضورؒ کے اس ارشاد سے تسکین تو ضرور ہو گئی مگر خیال رہا۔

حضورِ انور اپنے ادنیٰ و اعلیٰ سب مریدین کی تشفّی و دلداری فرمانے میں بے نظیر تھے کسی کی دل شکنی گوارا نہ فرماتے اور اس کا خاص اثر محسوس کرتے تھے۔ آپؒ اگر کسی کے مکان پر تشریف لے جاتے اور راستہ میں کوئی شخص روک لیتا تھا تو بخوشی رُک جاتے اور اس کے مکان پر چلے جاتے تھے۔

جب راستہ چلتے یا اب پیرانہ سالی میں ریل میں سوار ہوتے تھے تو دستِ مبارک برابر سلام کو اٹھتا رہتا تھا اور زائرین حدِ نگاہ تک یہی منظر مشاہدہ کرتے تھے کہ ریل کی کھڑکی سے سرِ مبارک باہر ہے اور نہایت تیزی سے سلام کے لیے ہاتھ اٹھ رہا ہے۔

آپؒ کا اخلاق فیوضِ ظاہری و باطنی سے بھرا ہوا تھا حاضر و غائب سے حضورِ انور کا ایسا اخلاق تھا جس سے ہر شخص کے قلب پر نہایت گہرا اثر ہوتا تھا۔ مریدوں کے ساتھ جو لطف و کرم تھا۔ اُس کا بیان بہ الفاظ ظاہر ناممکن ہے۔ اس قدر شفقت فرماتے تھے جو حدِ بیان سے باہر ہے۔ جب کوئی مرید کسی دور دراز مقام کا نام لیتا تھا کہ میں بصیغۂ ملازمت وہاں جا رہا ہوں۔ تو حضورِ انور کے چہرۂ مبارک پر ایسے آثار نمایاں ہوتے تھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ فراقِ مرید کا اثر ہے۔ چشمانِ مبارک بھی اکثر پُرنم ہو جاتی تھیں۔

حضورِ انور کو بحالتِ استراحت اکثر بےچین دیکھا گیا ہے کہ کبھی اُٹھ کر بیٹھ گئے کبھی پھر آرام فرمانے لگے۔ تمام رات اسی طرح بسر کر دی۔ کبھی دن بھر عالمِ سکوت طاری رہا۔ حضورِ انور کی ان بےچین حالتوں سے خدام سمجھ جایا کرتے تھے کہ کوئی مرید بےچین ہے۔ جس کی وجہ سے یہ اضطراب ہے۔ بعد میں پتہ چلتا تھا اور حضورِ انور کی

غائبانہ امداد کی خبر ملتی تھی ۔ چنانچہ اکثر ایسے واقعات حضورِ انور کے خوارقِ عادات کے تذکرہ میں آئیں گے ۔

آپؒ اپنے متوسلین کی بے چینی کا ان سے زیادہ اثر محسوس کرتے تھے۔ بدخلقی سے سخت احتراز فرماتے ۔ حضورِ انور کے اخلاق میں خالص توحید کی جھلک تھی اور آپؒ کے اخلاق سے بیّن طور پر ثابت ہوتا ہے کہ محویتِ عشق و استغراقِ توحید ماؤشما کے خیال کو مٹا دیتا ہے ۔ وہ ہر شخص کو اپنا ہی سمجھتے ہیں ۔ چنانچہ حضورِ انور کا حسنِ اخلاق صرف مریدین و متوسلین ہی کے ساتھ ایسا نہیں تھا بلکہ جن لوگوں کو بھی حضورِ انور کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے وہ اچھی طرح واقف ہیں کہ آپؒ کسقدر شفقت و محبّت سے ملتے تھے اور آپؒ کا اخلاق کس درجہ بڑھا ہوا تھا ۔

حضورِ انور کا اخلاق اس درجہ وسیع تھا کہ آج دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کو یہ افسوس ہو کہ حضورِ انور مجھ سے ناراض رہے ۔ اس کا باعث یہ ہے کہ اگر کسی وقت حضورِ پُرنور کسی پر ناراض بھی ہوتے تو دوسرے اوقات خود بخود اُس کی رضامندی کی سعی فرماتے ، اُس کو انعام و اکرام سے اور اپنے فیوض و برکات سے خوش کر دیتے تھے ۔

ہندوستان کے اکثر مشائخِ عظام اور علمائے کرام جن کو شرفِ باریابی نصیب ہوا ہے حضورِ انور کے حسنِ اخلاق کے مداح و ثناخواں ہیں ۔ آپؒ باہر کے آنے والوں سے نہایت محبت و شفقت سے ملتے تھے ان کے ٹھہرنے اور آرام و آسائش کا خیال خاص طور پر مدِ نظر رکھتے تھے ۔

کھڑے ہو کر معانقہ فرماتے تھے جب کسی شہر یا قریہ میں تشریف لے جاتے تو وہاں کے علمائے کرام و مشائخِ عظام حضورِ انور سے ملنے کے لیے آتے ۔ آپؒ نہایت اخلاق و محبت سے ان کے ساتھ پیش آتے اور ان کی قدر و منزلت فرماتے تھے کسی درجہ اور رتبہ کے شخص کو آپ کے اخلاق کی شکایت نہیں ہوئی ۔ اگر کسی مقام پر حضورِ انور کو کسی بزرگ کی نسبت یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ معتکف ہیں اس لیے جائے قیام سے ہٹ نہیں سکتے ۔ تو آپ ان سے ملنے کو خود تشریف لے

جاتے تھے۔

حضورِ انور کے حسنِ خلق کی یہ کیفیت تھی کہ کسی کو غیر نہیں سمجھتے تھے اپنے پرائے کے الفاظ ہی متروک تھے۔

حضورِ پُر نور علمائے کرام و مشائخ عظام اور حافظانِ قرآن اور قاریوں اور عربوں کی خاص قدر و منزلت فرماتے تھے۔ ان کو سفر خرچ دیتے اور احرام شریف و شیرینی اور دیگر اشیا جو موجود ہوتی تھیں ضرور مرحمت فرماتے تھے اور اس قسم کے الفاظ زبانِ مبارک سے ارشاد فرمانے کی عادت تھی:

"ہم اور تم ایک ہیں نا؟" کسی سے فرماتے:

"ہمارا تمہارا خون ملا ہوا ہے"

غرضکہ سب سے ایک ہو کے ملتے تھے۔ اکثر دوسروں سے ارشاد فرماتے:

"ہم اور یہ ایک ہیں"

بزرگانِ عصر کے مریدین جو حاضرِ خدمتِ عالی ہوتے ان پر بھی اپنے مریدوں کی طرح شفقت فرماتے تھے۔ ان سے ان کے پیر و مرشد کی تعریف فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ ہم اور وہ ایک ہیں۔ تم تو اپنے ہی ہو، ایک ہی واسطہ ہے، کسی سے فرماتے، برادری کا واسطہ ہے۔

غرض اتحاد و یگانگی کے الفاظ زبان مبارک سے ارشاد فرماتے تھے، اور کوئی نہ کوئی چیز ضرور چلتے وقت مثلِ تبرک مرحمت فرماتے تھے۔ آپؒ خلوص و محبت کی قدر کرتے تھے اگر کوئی صاحب کسی اور خیال سے ملنے آتے تو آپؒ ان کے طلسم و کبر و نخوت کو توڑ کر ملتے تھے۔

چنانچہ ایک صاحب کا واقعہ ہے (جنکا نام و پتہ ظاہر کرنا مناسب نہیں ہے)، جو اپنے ایک خلیفہ اور دس بارہ مریدین کے ہمراہ دیوہ شریف میں آئے تھے کہ جس وقت وہ حضورِ پُر نور کی خدمتِ عالی میں پیش کیے گئے۔ آپؒ فوراً جلال میں آ گئے اور کوئی بات نہیں کی۔ خدام واقف تھے کہ آپؒ کا جلال دیر پا

نہیں تھا اس لیے انہوں نے ان بزرگ کو معہ ان کے خلیفہ صاحب کے بالاخانہ پر ٹھہرا دیا۔ دیگر مریدین کو نیچے کے حصے میں ٹھہرایا اور ان کی خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

مگر جب وہ حاضر خدمت ہوتے آپؒ فوراً جلال میں آجاتے تھے اور کوئی راز نہیں کھلتا تھا کہ کیا معاملہ ہے وہ بے حد پریشان تھے تمام رات بالاخانہ پر بیداری میں بسر کی اور اپنے ذکر و اشغال میں مصروف رہے دوسرے دن دوپہر کو حاجی اوگھٹ شاہ صاحب نے صرف شاہ صاحب کو اور ان کے خلیفہ صاحب کو پیش کیا اور عرض کیا کہ حضورؒ یہ ..... کے رہنے والے ہیں، سید ہیں اور پیری مریدی بھی کرتے ہیں (یہی الفاظ پہلے بھی عرض کئے گئے تھے) آپؒ نے بیٹھنے کی اجازت دی ان شاہ صاحب نے کہا مجھے کچھ عرض کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ میرے مرید بہت ہیں مجھے اس کا غم نہیں کہ وہ مجھ سے پھر جائیں گے، وہ پھر جائیں مگر حضورؒ اپنی زبان مبارک سے یہ ارشاد فرمادیں کہ میرا انجام بخیر ہوگا۔

حضور انور نے فرمایا:

"محبت ہے تو ہو جائے گا" اس کے بعد ارشاد فرمایا:

"اور مرید کیوں پھریں گے، ہمارا اور تمہارا خون ایک ہے۔"

پھر تو نہایت لطف و کرم سے پیش آئے جب وہ رخصت ہونے لگے تو بوقتِ رخصت ایک سر بند مرحمت فرمایا۔ ایک زنانہ جوڑا بھی عنایت کیا اور ارشاد فرمایا:

"ہماری طرف سے سیدانی کو دینا" پھر حاجی فیوض شاہ صاحب سے ارشاد فرمایا:

"ان کو مٹھائی دو!" اور سفر خرچ بھی عنایت کیا اور نہایت لطف و کرم فرمایا اور وہ بزرگ نہایت مسرت و شادمانی سے رخصت ہوئے۔

حضورؒ انور کے اخلاق کا حسن دلفریب خلوص و محبت تھا۔ اگر کوئی صاحب کسی اور خیال سے ملنے آتے تو آپؒ ان کے اخلاق کو درست کر کے ملتے تھے۔

یہ طرفہ ماجرا تھا کہ بہت جلد ایسے افراد کی اصلاح ہو جاتی تھی اور کوئی آستانۂ عالی سے رنجیدہ و محزون نہیں جانے پاتا تھا۔ فی الحقیقت حضورؒ انور کی بظاہر خفگی جو ہوتی تھی وہ غصہ پر محمول نہیں ہوتی تھی بلکہ اخلاقِ حسنہ کی تعلیم تھی تاکہ عاداتِ قبیحہ ترک ہو جائیں کیونکہ جب تک معائب دُور نہ ہوں اخلاق درست نہیں ہو سکتے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ علی گڑھ میں پیش آیا۔ منشی آلہ یار خاں صاحب متوطن علی گڑھ کا بیان ہے کہ حضورؒ انور مولوی حافظ حسن صاحب امین دیوانی کے ہاں مقیم تھے۔ علی گڑھ کے تحصیلدار سید سلیمان شاہ صاحب نے یہ سنا تھا کہ حضور انور کی خدمتِ عالی میں جو شخص جس غرض سے آتا ہے آپؒ خود بخود اس کا جواب ارشاد فرما دیتے ہیں عرضِ حاجت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کو خیال پیدا ہوا کہ امتحان لینا چاہیئے۔ چنانچہ وہ حاضرِ خدمت ہوئے تو آپؒ نے ان کے آنے سے پیشتر حافظ حسن صاحب وارثی سے ارشاد فرمایا کہ "یہاں کے تحصیلدار آتے ہیں ان کو واپس کر دو ہم اُن سے ملنا نہیں چاہتے"۔

چنانچہ تعمیلِ ارشاد کی گئی۔ دوسرے دن پھر یہی واقعہ پیش آیا۔ اس کے بعد سید سلیمان شاہ صاحب کا خیالِ امتحان حسنِ عقیدت سے بدل گیا اور ان کا استہزا گریہ و زاری سے مبدل ہو گیا۔ چنانچہ تیسری مرتبہ وہ نہایت ادب و احترام سے شیرینی و احرام لے کر پا پیادہ حاضرِ خدمت ہوئے عجیب سوز و گداز کی حالت تھی کہ ان کی گریہ و زاری کا دوسروں پر اثر پڑتا تھا۔ آتے ہی قدمبوس ہوئے اور فوراً بیعت ہو گئے۔ پھر تو وہ ایسے جاں نثار ثابت ہوئے کہ حضورؒ انور کے خاص محبوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ مگر جب تک وہ خلوص و محبت سے نہیں آئے اس وقت تک آپؒ ان سے نہیں ملے۔

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ جس طرح خود بہ نفسِ نفیس خلوص و محبت کے عادی تھے اسی طرح دوسروں کا اخلاق بھی درست فرما کر ملتے تھے اور یہ حضورؒ انور کے اخلاق کی تعریف تھی کہ کوئی شخص اپنی بد خلقی اور غیر مخلصی پر قائم نہیں رہتا تھا۔

آناً فاناً حضورؒ انور کی مقدس روحانیت صفائے قلب پیدا کر دیتی تھی جس سے خصائلِ رذیلہ مٹ جاتے تھے۔

حضورؒ انور حلیۂ حُسنِ اخلاق سے یہاں تک آراستہ تھے کہ کسی بُری بات کا

قولاً یا فعلاً خود آپؒ کی ذاتِ مبارک سے ظاہر ہونا تو کجا دوسروں کی بدخلقی کی عادت کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے اور اس کا تدارک کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک عرب صاحب حضورِ انور کے آستانہ پر مقیم تھے۔ انہوں نے نہایت درشت لہجہ میں کسی شخص سے فرمایا کہ "ہندی بطال"

یہ آواز حضورِ انور کے گوشِ مبارک میں پہنچ گئی۔ آپؒ نے طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ:

"عرب صاحب! ہندی کیوں بطال ہیں کیا انہوں نے خانۂ رسولؐ کو بے چراغ کیا ہے یا عترتِ رسولؐ کی بے حرمتی کی ہے یا مکہ معظمہ اور مدینۂ منورہ کی عظمت میں فرق ڈالنے کی سعی کی ہے آخر معلوم تو ہو کہ کس قصور میں یہ اس خطاب کے مستحق ہیں۔"

عرب صاحب نے ندامت سے توبہ کی پھر حضورِ انور نے ان کی بہت خاطر مدارات فرمائی اور حسبِ دستور اُن کو عطیات سے سرفراز فرمایا۔

اخلاقاً آپؒ تمام برائیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور جس طرح آپؒ خود حسنِ ظن کے عادی تھے ویسا ہی دوسروں کو بھی بنا دیتے تھے۔

حضورِ پرنور کا اخلاق حاضر و غائب کی یکساں خبرگیری کرتا تھا اور آستانہ فیض نشانہ سے کوئی شخص رنجیدہ ہو کے نہیں جاتا تھا۔ مولوی محمد ناظم علی صاحب فضلی نائب مہتمم مدرسہ عالیہ فرقانیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ انور موضع محمد پور میں قیام فرما تھے ان دنوں میری طبیعت افسردہ تھی اور ضرورت تھی کہ کسی اہلِ حق سے ملاقات ہو جائے۔

حضرت حاجی صاحبؒ قبلہ کی خبرِ تشریف آوری سنکر ملنے کو گیا تو معلوم ہوا کہ آپؒ بالاخانہ پر تشریف رکھتے ہیں اس وقت پردہ نشین عورات حاضر ہیں۔ میں واپس آیا تھوڑی دیر کے بعد پھر گیا تو معلوم ہوا کہ پردہ ہے۔

سہ بارہ گیا تو بھی یہی معلوم ہوا میں نے اپنے دل میں یہ کہا کہ ملنا ہے تو ملیے ورنہ اب ہم نہیں آئیں گے۔ بس یہ خیال دل میں آنا تھا کہ دفعتاً کوٹھے پر سے

آواز آئی کہ پردہ برخاست جس کا جی چاہے آئے ۔

میں خدمتِ عالی میں حاضر ہوا تو لحاف کے اندر ہی سے "کون ہے کون ہے" فرماتے ہوئے اُٹھ بیٹھے اور (شفقت سے) میرے دو ٹکّے رسید کئے اور سرِ مبارک کھول کر مراقب ہو گئے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا :

"بس"

میں سلام کر کے رخصت ہو گیا۔ ایک مرتبہ اسی مکان میں وہاں کے رئیسوں سے مولوی ناظم علی صاحب فضلی کی نسبت ارشاد فرمایا تھا :

"یہ یہاں کے حاکم ہیں، حاکم !"

حضورِ انور اپنے اخلاق میں فرد تھے۔ حُسن ظن اعلیٰ درجہ کا تھا۔ مولانا سیّد علی نقی شاہ صاحب جو خاندانِ نقشبندیہ کے مستند بزرگ ہیں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ پُرنور موضع محمد پور بشن پور میں رونق افروز تھے۔ اس زمانہ میں اس موضع میں ایک درویش رہتے تھے جو میاں قل ہو اللہ شاہ صاحبؒ سے شرف ارادت رکھتے تھے یہ حضورِ انور سے ملنے نہیں آئے۔ کسی شخص نے تذکرۃً عرض کیا کہ یہاں ایک درویش ہیں جو حضورِ پُرنور کی خدمت میں نہیں آئے تو آپؒ نے ارشاد فرمایا :

"فقیر کے پاس اہلِ غرض زیادہ آتے ہیں، اُس درویش کو خداؐ کی طلب تھی پیر نے بتا دیا یہاں آ کے کیا کرتا !"

حضورِ انور کے ارشاد سے ظاہر ہے کہ کسقدر حسنِ ظن اور خلقِ عظیم کہ دوسروں کو بھی بدگمانی سے محترز رہنے کی تعلیم دیتے تھے۔

حضورِ انور سراپا اخلاقِ حسنہ سے متصف تھے۔ ہر ایک بُری بات اور خراب عادت کو عملاً اور اصولاً بُرا سمجھتے تھے۔ جس پر زیادہ مہربان ہوتے اس کی پشت پر آہستہ آہستہ ٹکّے مارنے لگتے تھے۔ گویا یہ بات پیار میں داخل تھی۔

آپؒ ہر ایک مذہب و ملت کے افراد سے نہایت تپاک سے ملتے اور وہ آپؒ کے اخلاق سے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ ہر کس و ناکس کی نسبت آپؒ کا

خیال اچھا رہتا تھا۔ کبھی کسی کی برائی یا الفاظ لعن و تشنیع زبان مبارک سے ارشاد نہیں ہوئے اور نہ کسی کی برائی نے قلب انور میں جگہ پائی۔ اسی کے آپ عادی تھے اور یہی خاص ہدایت تھی۔

حضور انور کبھی کسی کو آزردہ خاطر نہ فرماتے نہ ایسا دیکھ سکتے تھے۔ حسن خلق میں بھی آپ کی ذات بابرکات اپنی دیگر صفات کی طرح بے نظیر تھی۔

مولوی محمد ناظم علی صاحب فضلی تحریر فرماتے ہیں کہ مجھکو اتفاق سے ایک غیر مقلد عالم سے کچھ پڑھنے کا شغل ہو گیا اور ان کی صحبت کا اثر بوجہ خامی کے سرایت کر گیا۔ غیر مقلدیت غالب ہو گئی بالعموم طرز و انداز صوفیہ سے باعتبار لاابالی انداز کے نفرت ہو گئی۔ جس کے ضمن میں حضرت حاجی صاحب سے بھی خیال خراب ہو گیا۔ چندے یہ حالت رہی۔ ایک روز اتفاقیہ بتائید غیبی یہ خیال غالب ہوا کہ اپنی اصلاح کے بعد دوسروں کی طرف رُخ کرنا چاہیئے۔ یہ خیال اسقدر غالب آیا کہ حضرت حاجی صاحب قبلہ کی خدمت میں جا کر میں نے عرض کیا کہ میرے جو خیالات ہیں ان سے توبہ کرتا ہوں۔

آپ نے مسکرا کر ہاتھ میں ہاتھ لیا اور تین بار استغفار کرا کے رخصت فرما دیا۔

مولوی رونق علی صاحب وارثی الرزاقی بیتھے پوری تحریر فرماتے ہیں کہ مولوی حکیم فیاض علی صاحب فضلی متوطن ملیح آباد نے یہ واقعہ اپنا چشم دید مجھسے بیان کیا کہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حکیم معصوم علی صاحب مرحوم فتح پوری معہ اپنے چند ہمخیال لوگوں کے چہل قدمی کر رہے تھے۔ سلسلۂ کلام میں حضور انور کی ذات بابرکات پر طعن و تشنیع کر رہے تھے۔ اسی دوران گفتگو میں حضور انور اسی راستہ سے گذرے حکیم صاحب کی طرف مخاطب ہو کے فرمایا:

"سُنا سُنا حکیم صاحب! آپ نے پڑھا ہوگا۔ بلکہ آپ جانتے ہوں گے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا (جس نے اچھا کام کیا تو اپنے لیے۔ جس نے برا کام کیا تو اپنے ہی لیے) آپ اپنے زبان

دل کو کسی دوسرے کے واسطے کیوں خراب کرتے ہیں"
اس کے بعد پھر مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا :
"سنا سنا حکیم صاحب ایسا ہی ہے نا"

یہ فرماتے ہوئے چلے گئے اور سب اسی مقام پر متعجب رہ گئے۔ یہ حضور انور کا خلق تھا کہ اپنی ذاتِ اقدس سے متعلق بھی اگر کوئی بات سنتے تو اس کا کوئی جواب نہیں دیتے تھے بلکہ حسنِ ظن اور اخلاقِ حسنہ کی تعلیم فرماتے تھے۔

حضور انور کا یہ ارشاد کس قدر جامع ہے کہ :
"آپ اپنے زبان اور دل کو کسی دوسرے کے واسطے کیوں خراب کرتے ہیں"

حضور انور کا اخلاق جس طرح ظاہر میں وسیع تھا اسی طرح باطن میں بھی خاص عظمت رکھتا تھا۔ جس کی مثال کے لیے صرف ایک ہی واقعہ کافی ہے جو سند المحدثین امام المحققین مولینا مولوی قیام الدین عبد الباری صاحب قبلہ مدظلہ العالی مسند آرائے فرنگی محل واقع لکھنؤ پر گذرا ہے۔ مولینا ممدوح حضور انور کے زمانۂ وصال میں معہ چند دیگر اصحاب کے عیادت کے لیے دیوہ شریف میں آئے تو حضور انور مولینا سے زیادہ مخاطب نہیں ہوئے مگر ہمراہیوں سے بہت اخلاق سے پیش آئے۔ مولینا خود تحریر فرماتے ہیں کہ جب ہم لوگ واپس ہوئے تو راہ میں مجھ سے میرے عزیز عنایت فرما شیخ الطاف الرحمٰن صاحب رئیس بڑا گاؤں نے کہا کہ حاجی صاحب کی یہ بے رُخی کچھ مناسب نہیں معلوم ہوئی۔ میں نے کہا کہ مجھ پر فرض تھا اس لیے کہ وہ آخر وقت میں میرے دادا (مولینا شاہ عبد الرزاق صاحب رضی اللہ عنہ) کی ملاقات کو آئے تھے میں اس کو ادا کرنے کے لیے آیا تھا مجھے جو کچھ کرنا تھا وہ میں نے کیا اور ان کو بھی جو مناسب معلوم ہوا وہ انہوں نے کیا۔ حالتِ مرض میں ان کا برتاؤ قابلِ گرفت نہیں ہے۔

میں دیوہ شریف سے بالنسہ شریف حاضر ہوا اور راستہ میں بڑا گاؤں میں ٹھہر گیا اور وہاں سو گیا۔ حضرت حاجی صاحب کو میں نے دیکھا کہ وہ اور میرے

بھائی مرحوم تشریف لائے اور بیٹھ گئے اور مجھ سے ارشاد فرمایا:
"تم کو کوئی شکایت ہے یا تم کچھ ناخوش ہوئے؟" میں نے کہا:
"آپ جانتے ہیں کہ میں ناخوش نہیں ہوا نہ میرے دل میں کسی قسم کا خیال گذرا نہ کوئی ایسی بات ہوئی"۔ اس کے بعد مسکرا کر فرمایا:
"مجھے تمہاری ہی خوشی سے مطلب ہے۔ تم اگر ناخوش نہیں ہوئے تو پھر جس کا جو جی چاہے کہے مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔" میری آنکھ کھل گئی۔

عزیزی شیخ الطاف الرحمٰن کو میں نے دیکھا کہ میرے پاس بیٹھے ہیں۔ میں نے ان سے اپنا خواب بھی بیان نہیں کیا تھا کہ انہوں نے خود ہی مجھ سے کہا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ حاجی صاحبؒ نہایت غصہ میں میری طرف چلے آرہے ہیں میں بھاگ گیا۔

پھر میں نے اپنا خواب بیان کیا اور ان سے کہا "تم ان کی فاتحہ دلا دو" چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ حضورؒ پُرنور کے ظاہری و باطنی اخلاق کس قدر خوبیوں سے آراستہ تھے کہ اپنی ذات سے ناخوشی اور رنجیدگی پسند نہیں فرماتے تھے۔

آپؒ کے اخلاق میں یہ خاص خوبی تھی کہ جو شخص حضورؒ انور سے ملا خواہ وہ مرید ہو یا نہ ہو آپ ہمیشہ کے لیے اس کے معاون و شریکِ غم ہو گئے۔ محبّت و مروّت جود و سخا احسان و کرم آپؒ کے خمیر میں داخل تھے۔ آپؒ کے حُسنِ خلق کی پھولوں کی طرح خوشبو پھیلی ہوئی ہے جس سے ایک عالم کا مشامِ جاں معطر ہے ؎:

گُل افشاں ہے خوشبوئے خُلقِ عظیم
دماغِ محبّت اثر چاہیئے

عجز و انکسار

آپؒ کی خاکساری و منکسر المزاجی بھی

آپؒ کے دوسرے خصائل و شمائل کی طرح بے نظیر تھی آپؒ عملاً اپنے آپؒ کو کمترین خلائق سمجھتے تھے اور یہی تعلیم تھی کہ اپنی ہستی سے گذر جاؤ اور اسی پر خود بھی عمل تھا۔

چنانچہ قصبۂ نیورا (بہار) کا واقعہ ہے جس کو حضرت قبلہ احد شاہ صاحب وارثی (حضورِ انور کے خاص فقرا میں ہیں) بیان فرماتے ہیں کہ حضور پُرنور رونق افروز تھے کہ آپؒ کی محفل میں آنریبل مولوی سید شرف الدین صاحب بالقابہٗ ممبر ایگزیکٹو کونسل بہار) حاضر ہوئے اس وقت ان کے ہاتھ میں ایک شیشہ تھا (یہ تھرمامیٹر کی طرح تھا) اس پر لکھا تھا غصّہ، ذہانت، حافظہ، رنجش، خوشی وغیرہ کے انداز۔ مٹھی میں دبانے سے پارہ چڑھتا تھا اور انسان کے مزاج کی حالت معلوم ہوتی تھی۔ وہ شیشہ حضورِ انور نے اپنے دستِ مبارک میں لیا تو جو تیزاب یا پارہ اس میں تھا وہ حسبِ معمول اوپر کو چڑھا اس کے بعد آپؒ نے رکھ دیا۔ دیگر حاضرینِ محفل نے اپنے ہاتھ میں لیکر تشخیص کرنی شروع کی۔ اُس وقت کا عجیب دلفریب منظر تھا۔ جو شخص اس کو مٹھی میں دباتا تھا اس کی نسبت حضورِ انور سے عرض کیا جاتا تھا کہ حضور اِن میں اس درجہ کی ذہانت ہے، اس درجہ کا غصہ ہے اور حضورِ انور تبسم فرماتے تھے۔ یکایک مولوی سیّد شرف الدین صاحب بالقابہٗ کو خیال پیدا ہوا کہ جلدی میں حضورِ انور کے مزاجِ مبارک کی حالت کچھ نہ معلوم ہو سکی چنانچہ انہوں نے مکرر وہ شیشہ حضورِ انور کی خدمتِ عالی میں پیش کیا تو حضور نے اس کو سابق کی طرح مٹھی میں دبا لیا مگر عجیب حالت ہوئی کہ اس میں جو پارہ یا تیزاب تھا وہ بالکل ساکن ہو گیا اور اس نے اپنی جگہ سے ذرا جنبش نہ کی۔ یہ ماجرا دیکھ کر آنریبل مولوی سیّد شرف الدین صاحب نے خیال کیا کہ شاید دستِ مبارک کی پوری گرمی نہیں پہنچی چنانچہ انہوں نے اپنے ہاتھ میں حضورِ انور کی مٹھی کو لیکر خود اچھی طرح دبایا مگر وہی حالت رہی اور کچھ نہ معلوم ہو سکا۔ سب کو حیرت تھی کہ ابھی تو حضورِ انور کے دستِ مبارک میں لینے سے چڑھا تھا۔ اور ابھی اس کا فعل ساقط ہو گیا۔ یہ کیا بات ہے۔ سب اسی خیال میں تھے کہ

حضورِ انور نے ایک خاص انداز سے دستِ مبارک کو جھٹک کر وہ شیشہ رکھ دیا اور زبانِ مبارک سے صرف اتنا ارشاد فرمایا :

"ہم کچھ نہیں ہیں ۔"

اس ارشاد پر تمام محفل میں ایک عجیب محویت کا عالم طاری ہوگیا کہ ہر شخص از خود رفتہ تھا ۔ حضورِ انور کسی بات میں نمایاں نہیں ہوتے تھے گویا عملاً اور اصولاً اپنی ہستی کو نیست سمجھتے تھے اور یہی وابستگانِ دامانِ دولت کو تعلیم فرماتے تھے ۔

مولوی احمد حسین صاحب متوطن راہرامؤ ضلع بارہ بنکی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ انور قصبۂ کھیولی کو تشریف لے گئے جو دیوہ شریف سے جانب غرب ایک موضع ۴ میل کے فاصلے پر ہے ۔ میرے بھائی میاں ظہور اشرف صاحب وارثی امیٹھوی حضورِ انور کے ہمراہ تھے ۔ ایک تنگ گلی کی جانب سے آپؒ کا گذر ہوا تو سامنے سے ایک کتا آرہا تھا اور قریب تھا کہ حضورِ پرنور کے ملبوسِ مبارک سے اس کا جسم مس ہو جائے کہ آپؒ نے دامن سمیٹ لیا ۔ میاں ظہور اشرف صاحب نے بھی اپنا لباس بچایا ۔ آپؒ نے متبسم ہو کر دریافت فرمایا :

"ظہور اشرف تم نے کیوں اپنے کپڑے کو بچایا ؟" انہوں نے عرض کیا کہ جس طرح حضورؒ نے کتے کی نجاست کے باعث اپنے احرام شریف کو علیحدہ فرما لیا ۔

یہ سن کر حضورِ انور کی پیشانی مبارک میں کشیدگی کے آثار نمایاں ہوئے اور آپؒ نے اپنے زانوئے مبارک پر اپنے دستِ اطہر کو مار کر فرمایا :

"میں نے اس خیال سے تہ بند کو سمیٹ لیا کہ مبادا کتا میرے پیرہن سے ناپاک ہو جائے" ۔ ؎

ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

حضورؒ کی اعلیٰ درجے کی خاکساری تھی کہ اپنے آپؒ کو ہر ایک چیز سے کمتر سمجھتے تھے ۔ آپؒ ہر ادنیٰ و اعلیٰ سے اس طرح ملتے تھے جیسے کوئی بہت ہی ادنیٰ

درجہ کا شخص ملتا ہے۔ آپؒ کی بات بات سے حد درجہ کی خاکساری و منکسر المزاجی مترشح ہوتی تھی۔ آپ جس بستر پر استراحت فرماتے تھے اسی پر بیٹھے رہتے تھے نشست میں کوئی اہتمام نہیں ہوتا تھا۔ نہ کبھی قالین یا مسند پر نشست فرمائی۔ حضورؒ انور کی بارگاہِ عالی میں آپؒ کی اور آنے والوں کی نشست ایک سی رہتی تھی۔ شاہ و گدا میں کچھ فرق نہیں تھا۔ آپؒ اپنے بستر پر تشریف رکھتے تھے اور ویسی ہی بلکہ اس سے بہتر نشست آنے والوں کے لیے رہتی تھی۔ یکساں فرش یا چاندنی سب جگہ بچھی رہتی تھی۔

خدام و مریدین تک سے ملنے میں حضورؒ انور کا پیر و مرید کا سا برتاؤ نہیں ہوتا تھا بلکہ آپؒ بہت بے تکلف ملتے تھے۔ ضعیف العمر بوڑھوں کا بہت پاس و لحاظ فرماتے خواہ وہ کیسی ہی ذلیل حالت میں ہوں۔ آپؒ اکثر اوقات ان کی تعظیم کے لیے سرو قد کھڑے ہو جاتے تھے۔ ان سے بغلگیر ہو کر ملتے تھے اُن کی ریش سپید کا بہت ادب ملحوظِ خاطر عالی رہتا تھا۔ خواہ وہ آپؒ سے عمر میں چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں مگر آپؒ نہایت تلطف سے پیش آتے اور اکثر ارشاد فرماتے تھے کہ تم ہمارے بجائے باپ کے ہو۔ اُن کو بے تکلف بٹھانے کی سعی فرماتے تھے اور نہایت عجز و انکسار کی گفتگو فرماتے تھے۔ مگر ہیبتِ حق سب لوگوں پر طاری رہتی تھی۔ گو آپؒ بالکل مساوات سے پیش آتے اور سب کی خاطر خواہ دلداری فرماتے تھے۔ حضورؒ انور کی طرزِ نشست، حرکات و سکنات غرضکہ ہر ایک انداز میں انتہا درجہ کا عجز و انکسار تھا۔

ہر شخص سے تبسم آمیز لہجہ میں خطاب فرماتے اور نام بھی وقار کے ساتھ لیتے تھے۔ خدام سے بھی برابر کا برتاؤ تھا کبھی کسی کام کے لیے خدام سے ارشاد نہیں فرماتے تھے۔ وہ خود وقت کے لحاظ سے کاموں کو انجام دیتے تھے۔

جب کوئی قصیدہ یا غزل حضورؒ انور کی شانِ مبارک میں پڑھی جاتی تو آپؒ نہایت شرمندہ ——— ہو جاتے تھے۔ نیچی نگاہیں کئے اور سر جھکائے ہوئے بیٹھے رہتے تھے۔ ختم ہونے پر سر اقدس اٹھاتے تھے۔ وہ بھی نہایت شرم و حیا سے جس سے معلوم ہوتا

تھا کہ اپنی مدح و ستائش پر حجاب ہے۔
اکثر لوگوں کو قصائد وغیرہ پڑھنے کی نوبت بھی نہیں آنے دیتے تھے۔ ان کے ہاتھ سے قصیدہ یا غزل لیکر خود ملاحظہ فرما لیتے اور اُن کو شاد کر دیتے تھے۔

کبھی خود سامعین کو پڑھ کر سناتے اور جہاں کسی کتاب یا غزل یا قصیدہ یا مثنوی وغیرہ میں حضورِ انور کا نامِ نامی آتا تو وہاں بجائے اپنے سیدنا حاجی خادم علی شاہ صاحب قبلہ رضی اللہ عنہ کا اسمِ گرامی زبانِ مبارک سے ادا فرماتے تھے۔ اپنا نام کبھی حضورِ انور نے اپنی زبانِ مبارک سے نہیں لیا اگر کبھی کوئی خط بھی ملاحظہ فرماتے تو اسمیں بھی اپنا اسمِ گرامی چھوڑ دیتے تھے۔ آپؒ نے اپنا اسمِ گرامی نہ کبھی زبان مبارک سے لیا نہ قلم سے تحریر فرمایا۔

مزاجِ ہمایوں میں ایسا انکسار تھا کہ خدام تک حضورِ پرنورؒ سے بے تکلف باتیں کرتے تھے اور جب کسی مصیبت زدہ کے وہ سفارشی ہو جاتے تو نہایت بیباکانہ انداز سے حضورِ انور کی توجہ عالی مبذول کراتے تھے اور خاص ناز و انداز سے وہ آپؒ پر زور دیتے تھے۔ خدام تک کو فخر تھا کہ حضورِ انور ان سے بالکل بھائی چارہ رکھتے ہیں سلام میں بھی حسبِ دستور سبقت فرماتے تھے۔ خودنمائی وغیرہ سے قطعی تنفر تھا۔ آپؒ کی گفتگو میں اوضاع و اطوار میں عادات و خصائل میں نہایت عجز و انکسار تھا۔ آپؒ اکثر زبان مبارک سے ارشاد فرماتے کہ:

"ہم تو مسافر ہیں۔"

مزاجِ عالی میں انتہا درجہ کا حلم اور خاکساری تھی کبھی زبانِ مبارک سے کوئی لفظ تحکمانہ انداز سے ادا نہیں ہوا۔ نہ خود ستائی کا کوئی لفظ زبانِ مبارک سے ارشاد ہُوا۔ مصیبت زدوں سے بھی اشارات فرماتے تھے اور زبانِ مبارک سے کبھی کوئی لفظ ایسا نہیں نکلتا تھا جس سے ظاہر ہو کہ حضورِ انور کی توجہ عالی سے یہ کام ہو جائیگا خدا سے امید رکھنے کی تعلیم دیتے تھے۔ حضورِ انور کبھی کوئی ایسی بات ارشاد نہیں فرماتے تھے جس سے آپؒ کی کوئی کرامت یا خرقِ عادت ظاہر ہو۔ خودنمائی سے سخت محترز تھے۔ اگر کبھی کسی واقعہ کا استفسار کیا جاتا یا برسبیلِ تذکرہ کوئی واقعہ زبانِ مبارک

سے ارشاد ہوتا تو اس کو اس انداز سے بیان فرماتے کہ وہ واقعہ آپ کی ذاتِ ستودہ صفات سے منسوب نہ ہو سکے۔

ایک واقعہ حضورؒ کے عنفوانِ شباب میں بزمانہ شاہی لکھنؤ میں گذرا ہے جو نہایت مشہور ہے مگر حضور نے بہ سبیلِ تذکرہ اس واقعہ کو بیان فرمایا تو اس انداز سے فرمایا کہ جس سے حضورِ انور کی نسبت خیال نہ ہو سکے۔ حالانکہ وہ واقعہ مشہور و معروف ہے مگر چونکہ خود ستائی سے اجتناب تھا اس لیے کبھی کسی کرامت یا خرقِ عادت وغیرہ کو اپنی طرف نسبت نہیں فرماتے تھے۔ ؎

خوشتر آں شد کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

چنانچہ حضورِ پرنور نے ارشاد فرمایا:

"لکھنؤ میں نواب نے قوالی بند کر دی اور کہہ دیا کہ اگر قوالی ہو تو کسی کو حال نہ آئے یہ مکر ہے (نواب کا نام یاد نہیں ہے شاید سعادت علی خان تھا) اس حکم سے لکھنؤ میں قوالی قطعاً بند ہو گئی اور کبھی قوالی ہوتی تھی تو کوئی فقیر ڈر کے مارے نہیں جاتا تھا۔ اس زمانہ میں ایک فقیر لکھنؤ میں آیا اُس کی ایک مرید نے دعوت کی اس نے کہا جبتک قوالی نہ ہو گی ٹھیک نہیں ہے۔

سب نے کہا بادشاہ کا حکم نہیں ہے۔ فقیر نے کہا حال کا حکم نہیں ہے۔ چنانچہ قوال بلا لیے گئے بادشاہ کو بھی خبر ہوئی۔ وہ بادشاہ ایک کرتہ پہنکر قوالی میں آ بیٹھا قوالی ہو رہی تھی اس فقیر نے قوالوں سے کہا اب یہ شروع کر دو ؎

زہے عزّ و جلالِ بُو تراب فخرِ انسانی
علیِ مرتضےٰ مشکلکشائے شیرِ یزدانی

جیسے ہی قوالوں نے یہ شعر شروع کیا نواب نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور بار بار کہنے لگا:

علیِ مرتضےٰ مشکلکشائے شیرِ یزدانی

بس وہ فقیر خفا ہو کر محفل سے چلے گئے کہ مکّار قوالی بھی نہیں سننے دیتے

ہر چند لوگوں نے اس کو پکڑا مگر اس کا حال کم نہ ہُوا۔

جب فقیر صاحبؒ کی بہت خوشامد کی تو انہوں نے پانی دیا جو اس کے مُنہ میں ڈالا گیا اور اسے ہوش آیا پھر نواب نے کہاکہ آج سے ممانعت نہیں ہے۔ یہ حال مکر نہیں ہے۔"

شاذ و نادر اگر کبھی کسی بات کے اظہار کی بر سبیل تذکرہ ضرورت ہوتی تو اس کو اس انداز سے ادا فرماتے تھے جس سے کوئی کمال حضورؒ پُر نور کی جانب منسوب نہ ہو جائے حضورؒ پُر نور کا انکسار و خاکساری ضرب المثل ہے۔

عجز و انکسار کی جو تعریف ہے وہ حضورؒ انور کی منکسر المزاجی سے سمجھ میں آتی تھی کہ بجنسہٖ ایک خاص نمونہ تھا جو نظروں کے سامنے روشن تھا۔ اور آپؒ کی ذات بابرکات میں جو بات تھی وہ کمال کے ساتھ تھی۔ نہ کوئی بات برائے گفتن تھی نہ داشتن بلکہ جو بات تھی وہ حقیقتہً تھی۔

کیفیتِ اتحادی

حضورؒ انور کے اخلاق و عادات سے ثابت ہے کہ آپؒ کی نگاہِ حقیقت آگاہ میں کوئی غیر نہ تھا، سب سے یگانگی کا برتاؤ کرتے تھے۔ سب سے ایک ہو کے ملتے تھے۔ ہر مذاق اور ہر مذہب و ملّت کے افراد حضورؒ انور کے معتقد تھے۔ اکثر انگریز حضورؒ پُر نور سے ملتے تو آپؒ ان سے معانقہ بھی کرتے اور ان کی تواضع فرماتے تھے۔ سیّد علی اصغر صاحب وارثی ساکن شاہ پور ضلع فتحپور ہسوہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے سامنے حضورؒ انور کی خدمت میں ایک یوروپین حاضر ہوئے۔ حضورؒ انور نے ان سے معانقہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ:

"ہم تم ایک ہیں نا ؟" پھر فرمایا کہ صاحب کو چائے پلاؤ۔ ان صاحب کی حضورؒ پُر نور کی محبت میں عجیب پُر کیف حالت تھی جو بیان سے باہر تھی۔

اسی طرح حضورؒ انور سب سے یگانگی کا برتاؤ فرماتے۔

سیّد معروف شاہ صاحب وارثی ناقل ہیں کہ جب ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند

کا انتقال ہوا تو شب کو دیوہ شریف میں خبر آئی۔ حضورؒ اس وقت طعام تناول فرما رہے تھے۔ کسی شخص نے حضورؒ سے عرض کیا۔ آپؒ نے معاً کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا:

"بڑا بابرکت عہد تھا، بہت اچھی بادشاہی کی۔ نہایت امن و امان رہا۔ اچھا ہمارے بازو پر سیاہ کپڑا باندھ دو۔" چنانچہ اسی وقت تعمیل ارشاد کی گئی۔

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ حضور انور ایسے مراسم کی بھی پابندی فرماتے اور ایک خاص کیفیتِ اتحاد رکھتے تھے اور آپؒ کی نگاہ میں کوئی غیر نہ تھا۔

جب بسنت کا دن آتا تو ہندو حضورؒ کا بسنت مناتے اور بسنتی لباس خدمتِ عالی میں پیش کرتے۔ جسے حضورؒ انور زیب فرماتے تھے۔

ہولی کے ایام میں ٹھاکر پنچم سنگھ صاحب رئیس ملاوڈلی اور دیگر معززین ہنود حضورِ انور کی دعوتوں کا نہایت اعلیٰ پیمانہ پر اہتمام کرتے اور حضورؒ بہ خندہ پیشانی قبول فرماتے تھے۔

اور جب دریا کی طرح موج آتی تو آپؒ پر عجیب حالت طاری ہو جاتی تھی۔ آپؒ کے عادات و اطوار اخلاق و اوصاف سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپؒ بہ نفسِ نفیس پانی کی طرح رنگِ وحدت میں بلکہ ایک ذات ہو گئے ہیں۔ نہ آپؒ کی نگاہِ حق آگاہ میں ما و شما کی تفریق ہے۔ نہ خیالِ غیریت ہے۔ ہر رنگ میں آپؒ ہیں اور ہر رنگ آپکا ہے۔

چنانچہ ہولی کے دنوں کا ایک واقعہ ہے دا آنریبل جسٹس (مولوی سید شرف الدین صاحب قبلہ وارثی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں کہ حضورؒ انور جب سیوان تشریف لے گئے تو میرے ایک موکل محمد عبدالرحمٰن صاحب تاجر کے مکان پر قیام فرمایا۔ حکیم مبارک حسین صاحب۔ خان بہادر مولوی فضل امام صاحب مرحوم مولوی یوسف امام صاحب احمد شاہ صاحب وغیرہ بھی ہمراہ تھے نو بجے شب کا وقت تھا سب لوگ اپنے بستر پر آرام کر رہے تھے میں اٹھا اور حکیم مبارک حسین صاحب کو لیکر حضورؒ انور کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوا اس وقت حضورؒ تخلیہ میں تھے جب ہم دونوں پہنچے

تو حضورِ انور اٹھ بیٹھے یہ زمانہ ہندوؤں کی ہولی کا تھا۔ حضورِ انور نے مجھ سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا کہ:

"ہولی گائیں سنو گے"

میں نے عرض کیا "ضرور سنوں گا" آپ ہولی گانے لگے اور اداؤں کے ساتھ اشارات سے مجھ پر قمقمے پھینکے، پچکاریاں ماریں اس کے بعد فرمایا:

"ہولی بازم"

پھر فارسی میں ہولی گانے لگے اور انہیں اداؤں کے ساتھ اشارات فرمانے لگے یہاں پر غور کرنے کا مقام ہے کہ اس وقت میری کیا حالت ہوئی ہوگی؛

ایسے موقع پر ہی حضرت حافظ علیہ الرحمتہ نے فرمایا ہے ؎:

رو بسوئے خانۂ خمار دارد پیر ما

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما

حضورِ انور اس وقت عالمِ سُرور و خوشی میں تھے مجھ سے فرمایا کہ:

"گلے لگ جاؤ"

اس ارشاد سے میری دلی مراد بر آئی پھر ارشاد فرمایا "لحمک لحمی ودمک دمی" یہ فرما کر مجھے الگ کیا اور حکیم مبارک حسین صاحب کو گلے سے لگا لیا۔ حکیم صاحب۔ میں وہ آگ لگی کہ تارک الدنیا ہو گئے ہے:

او بصحرا رفت و مادر کوچہ ہا رسوا شدیم

اس عرصہ میں نیچے کے لوگوں کو خبر ہوئی تو احمد شاہ صاحب وغیرہ اوپر آئے۔ اس وقت مجھ میں اتنی قوت نہیں تھی کہ نیچے جاسکوں۔ احمد شاہ صاحب کی استعانت سے میں نیچے پہنچا۔ انہوں نے مجھے اپنے بستر پر جگہ دی۔ میں نے احمد شاہ صاحب کی نئی حالت دیکھی اُن کی ٹکٹکی میری آنکھوں کی طرف لگی ہوئی تھی۔ میں نے وجہ دریافت کی تو انہوں نے ایک آئینہ میرے ہاتھ میں دے دیا۔ میں نے آئینہ میں دیکھا تو میری دونوں آنکھیں کرچنی کی طرح سُرخ تھیں۔ چہرہ کا رنگ تانبے کا سا تھا پیشانی پر پسینے کے قطرات تھے اور جسم کے اندر بھی بخار کی سی کیفیت محسوس

ہوری تھی۔ جس دن یہ واقعہ گذرا اُس روز سے قریب قریب انتیس۲۹ روز تک غذا بالکل ندارد ہوگئی اور دحشت تھی کہ الامان۔ جب پٹنہ آیا تو یہ کیفیت ہوئی کہ اکثر بدخبروں کی مجھے اطلاع ہوجاتی کہ کون کب بیمار پڑے گا اور اس کا کیا نتیجہ ہوگا۔ اور مجھے القا ہوجاتا تھا کہ کون کب مرے گا۔

حکیموں نے بہت مفرّح دوائیں استعمال کرائیں مگر طبیعت درست نہ ہوئی بالآخر میں دیوہ شریف حاضر ہوا تو بارگاہِ عالی میں زبان کھولنے کی حاجت نہ تھی خود بخود اصلاحِ مزاج ہوگئی اور الحمد للہ اب تک میری حالت اچھی ہے۔

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ حضورُ انور کا مذاقِ طبیعت کیا تھا، ہر رنگ میں آپؒ کے تصرّفات و فیوض جاری رہتے تھے اور کسی رنگ سے مغائرت نہیں تھی۔ اسی طرح اسلام کے جتنے فرقے ہیں کسی فرقے کی نسبت اور کسی خیال کے مسلمانوں کی نسبت حضورُ انور نے کبھی کوئی خلاف لفظ زبان مبارک سے نہیں نکالا ہر خیال اور مذاق کے افراد کی حضورُ انور قدر و منزلت فرماتے تھے اور ہر کس و ناکس کی نسبت ظنِ نیک رکھتے تھے۔ چنانچہ سیّد احمد خاں صاحب مرحوم و مغفور بانیٔ مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی نسبت فی زماننا طرزِ قدیم کے مسلمانوں میں جو خیالات تھے وہ ظاہر ہیں، مگر حضورُ انور کا خیال اُن کی نسبت بہت اچھا تھا۔

مولوی سیّد شرف الدین صاحب قبلہ وارثی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں کہ مجھ سے اُن صاحبوں نے بیان کیا جو حضورُ انور کے ہمراہ تھے کہ ایک مرتبہ حضورُ پُر نور علی گڑھ میں قیام پذیر تھے۔ سیّد صاحب کی جانب سے حضورُ پُر نور کی خدمتِ عالی میں یہ پیغام عرض کیا گیا کہ وہ حضورؒ سے تخلیہ میں ملنا چاہتے ہیں۔ حضورُ انور نے منظور فرمایا اور کچھ رات گذرنے پر جو وقت حضورُ انور کا بعد طعام استراحت فرمانے کا تھا اُس وقت سیّد صاحب آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا اندر سے خادم نے آواز دی کہ کون ہے؟ سیّد صاحب نے جواب دیا "شیطان" فوراً دروازہ کھول دیا گیا اور سیّد صاحب اندر آئے حضورُ انور نہایت شفقت و مہربانی سے ملے۔

سرسید مرحوم کی حاضری کا واقعہ جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی نے بھی اخبار وکیل میں لکھا تھا کہ سرسید نے کہا لوگ مجھکو کافر کہتے ہیں۔ فرمایا:
"غلط کہتے ہیں سید کافر نہیں ہوا کرتا"

سید معروف شاہ صاحب قبلہ وارثی فرماتے ہیں کہ حضورِ انور نے سید صاحب کو عرصہ تک شرف مکالمت بخشا اور تفسیر وغیرہ کے متعلق باتیں کرتے رہے سرسید مرحوم پر اس وقت اسقدر رقت طاری تھی کہ بیان سے باہر ہے اور حضورِ انور ان کی تسکین فرماتے تھے۔

حضورِ انور نے سید صاحب سے یہ بھی ارشاد فرمایا:
"مجھکو انگریزی تعلیم سے اختلاف نہیں ہے مگر محبت اخلاص اور طلبِ روحانیت ضروری ہے۔"

مولوی سید شرف الدین صاحب قبلہ وارثی (آنریبل جسٹس پٹنہ ہائیکورٹ) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضورِ انور سے دریافت کیا:
"سرسید کے متعلق حضور کا کیا خیال ہے؟"
حضورِ پر نور نے ارشاد فرمایا:
"تم مجھ سے کیوں پوچھتے ہو؟"
میں نے عرض کیا کہ اکثر علمائے انہیں تکفیر کا فتویٰ دیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ:
"سید صاحب کو بُرا نہ کہو اور نہ بُرا سمجھو وہ اوّل درجہ کے مسلمان ہیں۔"

حق یہ ہے کہ حضورِ انور کو خداوند کریم نے وہ قلبِ منوّر اور ضمیر روشن عطا فرمایا تھا کہ آپ دلوں کو اور نیتوں کو دیکھتے تھے۔ ظاہری حالات پر نظر نہیں فرماتے تھے۔ حضورِ انور جنسِ اُلفت کے خریدار تھے اور خلوص و محبت کی قدر فرماتے تھے اور خود بھی اسی کی ایک روشن مثال تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہر ایک سے یگانگی و اتحاد کا برتاؤ کرتے تھے اور ما و شما کی تفریق سے بالکل بے تعلق تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہی رنگِ وحدت ہے اور یہی آئینِ تصوف ہے۔ بقول بلبل شیراز ؔ ؎: